
فدائی حملہ
یا خودکشی
اعداد:
ابو محمد عمر الخطاب البدری

فدائی حملہ یا خودکشی؟

قرآن وسنت کی روشنی میں اہل علم کا تجزیہ

تالیف

مجموعة من اجلة علماء العرب
(حفظہم اللہ اجمعین)

ترجمہ وترتیب وتقدیم
ابو محمد عمر الخطاب البدری (حفظہ اللہ تعالیٰ)

نام کتاب	فدائی حملہ یا خودکشی؟
مئولف	مجموعۃ من علماء العرب
ترجمہ و تقدیم	ابو محمد عمر الخطاب البدری
تزئین و آرائش	محمد ذکریا طاہر
کمپوزنگ	حافظ اے رحمٰن عاجز
سرِورق	ابوسفیان جھنگوی
ناشر	**مکتبۃ التوحید والجہاد**
ڈسٹری بیوٹر	دار الاشاعت الاسلامیہ اردو بازار لاہور
اشاعت	بار اول 2006
تعداد	1000
قیمت	100 روپے

انٹرنیٹ ایڈیشن:

مسلم ورلڈ ڈیٹا پروسیسنگ پاکستان

Website : http://www.muwahideen.tk

Email : info@muwahideen.tk

لبستُ ثَوُب الرجٰی والناس قد رَقَدُوُا
و قُمت اشکُو الی مولای ما اجد
و قلت یا عدتی من کل نائبة
و من علیه فی کشف الضر اعتمد
اشکُو الیک اُمُوراً انت تعلمُها
مالی علی حملها صبر ولا جلد
و قد مددت یدی بالذل معترفا
الیک یا خیر من مدت الیه ید
فلا تردها یا رب خائبة
فبحر جودک یروی کل من یرد

ترجمہ:

میں نے امید کا لباس پہن لیا جب سبھی لوگ سو گئے
پھر میں کھڑا ہوا اور اپنے مولا سے اپنے حال کی شکایت کرنے لگا
میں نے کہا کہ ہر مصیبت کے لیے کس قدر میں تیار ہوں
وہ کہ مصائب کے دور کرنے میں جس پہ میرا اعتماد ہے
تیری طرف میں ان امور کی شکایت کرتا ہوں جنہیں تو ہی جانتا ہے
جن کے برداشت کرنے کی اب مجھ میں کوئی سکت و ہمت نہیں ہے
میں نے اپنے ہاتھ ذلت کے ساتھ اعتراف کرتے ہوئے اٹھا دیئے
تیری طرف اے کہ سب سے بہتر جس کی طرف ہاتھ اٹھائے جاتے ہیں
اے رب پس تو میرے ہاتھوں کو نامراد واپس نہ لوٹانا
کہ تیری سخاوت کے سمندر پہ جو بھی آتا ہے اپنی پیاس بجھا کے ہی جاتا ہے

اللهم صل على محمد وعلى آل محمد كما صليت على ابراهيم وعلى آل ابراهيم انك حميد مجيد۔ اللهم بارک علی محمد و علی آل محمد كما باركت على ابراهيم وعلى آل ابراهيم انك حميد مجيد۔

ابوعبیدۃ بن محمد بن عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک دن ربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ مجھے اللہ کی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا منظر بیان کروہ تو کہنے لگیں " یا بنی لو رأیته لرأیت الشمس طالعةً "اگر تو انہیں دیکھ لیتا تو گویا کہ تو طلوع ہوتے ہوئے سورج کو دیکھ رہا ہے" (الاصابه فی تمییز الصحابه 80/8)۔

ام المومنین سیده عائشه صدیقه طاهره مطهرة رضی اللہ عنہا نے ایک بار نبی کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں (دورِ جاہلیت کے ایک مشہور شاعر کا شعر) پیش کیا۔

واذا نظرت الى أسرة وجهه
برقت كبرقِ العارض المتهلل

ترجمہ:
جب میں نے اس کے رخِ تاباں پہ نظر دوڑائی
تو اسکی شانِ درخشندگی ایسی تھی جیسے کسی لکہ ابر
میں بجلی کوندرہی ہو۔

سخنہائے گفتنی

ہر آنے والا دن امت پہ ذلتوں کے گھنے بادل لیے پھیلتا جاتا ہے۔ نہ اس کے خون کی کوئی قیمت ہے نہ اس کی آبرو محفوظ ہے بلکہ امت کی حالات اس لاوارث بیوہ کی مانند ہوگئی جو اندھیری رات میں اپنے گھر کے کسی کونے میں بیٹھی اپنی آنکھوں سے حسرت کے آنسو برساتی ہے مگر اس کے آنسو زمین پہ گر کر جذب ہو جاتے ہیں اور کوئی اس کے دکھڑے کو جاننے والا نہیں ہوتا۔ جب سے موت سے نفرت کا وہن نامی مرض مسلمانوں میں وباء کیطرح پھیل گیا ہے تب سے کفر کے دلوں سے مسلمان کا رعب رفو ہو چکا ہے اور آج وہ اپنے بارودی آتش فشانوں کا رخ مسلم امت کی طرف کیے غراتا چڑھا آتا ہے۔ کفر آج ہماری باریاں لگا رہا جبکہ مسلمان ہیں کہ ان کے حکمران اپنی ملت کے خون کی ہولی کھیل کر اس خونی ناخدا پر چڑھاوے ء چڑھا رہے ہیں۔

اللہ سبحانہ تعالیٰ نے اس آخری امت پر فرضیتِ جہاد کا احسان فرمایا جو امت کے تحفظ کی ضمانت تھا۔ لیکن آج امت کو پہنچے والی سب سے بڑی مصیبتیں دو عظیم فریضوں کا مٹ جانا ہے۔ جن کے ختم ہونے سے امت ذلت و پستی کی اتھاہ گہرائیوں میں گم ہے اور ساری دنیا کی قومیں اس امت پر اس طرح ٹوٹ پڑی ہیں جس طرح بھوکے بھڑیئے دستر خوان پر ٹوٹ پڑتے ہیں اور وہ دو اہم فریضے یہ ہیں۔

(۱) امامت (خلافت) کا قائم کرنا۔

(۲) جہاد فی سبیل اللہ کے لیے نکلنا۔

جب سے امت مرحومہ نے ان دونوں فریضوں کو ترک کیا یہاں تک کہ مجبور و مقہور ہو کر رہ گئی۔ یہ دونوں فریضے لازم و ملزوم ہیں۔ جب تک ہم ان سے روگردانی کرتے رہیں گے تو کفار کے جوتے چاٹتے رہیں گے۔ لیکن اللہ کی بارگاہ میں

سرخ روئی کے لیے پھر قرونِ اولیٰ کی طرح دنیا کی عیش وعشرت سے منہ موڑ کر اللہ کے دین کو بلند کرنے کے لیے اپنی جانوں کے رب کے ساتھ سودے کرنا ہوں گے۔

لیکن اے امتِ مسلمہ مبارک ہو کہ رسوائی کے دن زیادہ لمبے نہیں ہیں!......الحمداللہ اس موجودہ دور میں امت کے چند غیرت مند نوجوانوں نے انگڑائی لی ہے اور کفر کے ایوانوں میں آگ لگا دی ہے۔ یہ وہ جوان ہیں جو راتوں کے عبادت گزار اور دن کو جہاد کے شہسوار۔ وہ دنیا کفر کو ایک ہی بات کہتے ہیں (**قل هل تر بصون بنا الا ا حدی ا لحسنين و نحن نتر بص بكم ان يصيبكم اللّٰه بعذاب من عنده ا و بايد ينا فتربصوا انا معكم تر بصون**) کہ دیجئے اے نبی ﷺ ہم تمہارے بارے میں دو بھلائیوں میں سے ایک بھلائی کے منتظر ہیں کہ اللہ تمہیں اپنی طرف سے یا ہمارے ہاتھوں تمہیں عذاب سے دوچار کرے پس تم انتظار کرو ہم بھی تمہارے ساتھ منتظر ہیں (التوبہ۔آیت۔52)

انہوں نے اللہ سے سودا کرلیا ہے (**اشتری من ا لمو منين ا نفسهم و امو ا لهم بـا انـا لهم ا لجنة يقاتلو ن فی سبيل ا للّٰه فيقتلو ن و يقتلو ن**) مومنوں کی جانیں ان کے اموال اور جانوں کے بدلے خرید لیں ہیں وہ اللہ کی راہ میں قتال کرتے ہیں تو وہ قتل کرتے ہیں اور قتل ہوتے ہیں (التوبہ۔۱۱۱)

وہ جان کو ہتھیلی پر رکھے اللہ کے راستے میں گولیوں کی بوچھاڑ میں تن تنہا کفر کے مقابلے میں سینہ تان کر کھڑے ہوگئے ہیں۔تو پھر اس میں کیا فرق باقی ہے کہ وہ گولیوں کا سامنا کرتے ہوئے شہید ہوں یا کسی جمگھٹے میں شہید ہوں جہاں جسم ٹکڑے ٹکڑے ہوکر بکھر جائے اور ہر عضو کٹ کے گر جائے۔شہادت کا ذائقہ تو ایک ہی ہوتا ہے۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں.(**ما يجد ا لشهيد من مس ا لقتل ا لا كما يجد ا حد كم من مس ا لقر صة**) شہید کو شہید ہوتے ہوئے اتنی ہی تکلیف ہوتی ہے جتنی تم میں سے کسی کو سوئی چبھنے پر۔

(النسائی، ابن ماجہ، سند احمد، دارمی)

مگر اس عمل (فدائی حملہ) کو علماء سوا اور وظیفہ خور طبقہ مشکوک بنانے کی فکر میں ہے اور آئے دن ان پا کباز شہداء پر زبان درازی کرنا ان کا وطیرہ بن گیا ہے اور وہ یہ دعوی کرتے ہیں کہ یہ عمل خودکشی ہے۔ اس کی موت حرام کی موت ہے تو اس مسئلے کو میرے محترم بھائی ''عمر الخطاب حفظہ اللہ'' نے نہایت خوبصورت انداز میں قرآن و سنت کی روشنی میں واضح کر دیا ہے۔ زیر نظر کتاب اس سلسلے کی ایک اہم کڑی ہے یہ کتاب اپنے اندر بہت اہم موضوعات کو لیے ہوئے ہے۔ موجودہ حالات میں فدائی کارروائیاں بہت زیادہ ہو رہی ہیں کیونکہ جس طرح ظلم بڑھتا جاتا ہے اسی طرح فدائی کارروائیاں بڑھتی جا رہی ہیں اور لوگوں کے ذہنوں میں بے شمار شکوک وشبہات ہیں۔ ان شبہات کو دور کرنے کے لیے اس کتاب کا مطالعہ بہت ضروری ہے۔ اس سے پہلے بھی محترم عمر الخطاب کی کئی کتب مارکیٹ میں آ چکی ہیں جن میں ''نشان منزل'' ''ہم جہاد کیسے کریں'' وغیرہ بھی اپنی مثال آپ ہیں۔ ہمارے بھائی نے عوام وخواص کے ذہنوں کو پڑھتے ہوئے اس کتاب کو جید عرب علماء جن میں الشیخ سلمان بن ناصر العلوان، ڈاکٹر احمد عبد الکریم نجیب، فضیلۃ الشیخ حمود بن عقلاء الشعیبی (رحمہ اللہ) کے فتاویٰ سے مزین کیا ہے اللہ تعالیٰ صاحب کتاب کو اجر عظیم عطا فرمائے جنہوں نے اس مشکل کام کا بیڑا اٹھایا اور اس کو احسن انداز میں مکمل کر لیا اور آج یہ کتاب آپ کے ہاتھوں میں جہاد اور فدائی حملوں کے اعتراضات کو دور کرتی ہوئی آپ کو جہاد کی اصل منزل کا پتہ بتاتی ہے۔

اخو کم فی اللہ

ابو بلال حافظ طاہر منصور

hotsoup@maktoob.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وہ فاقہ کش کہ موت سے ڈرتا نہیں ذرا!!

وہ مصیبت جو اس دور میں امت مسلمہ پہ نازل ہوئی ہے اس نے نہ صرف صہیونی صلیبیوں کو بلکہ ساری اسلامی دنیا میں مرتدین کو ہمارے اوپر حکمران بنا ڈالا ہے اور اس کے مقابل کوئی ایسی طاقت موجود نہیں جو طاغوتی قوتوں کا خاطر خواہ مقابلہ کر سکے سوائے بعض مخلص جہادی تحریکوں کے، کہ جن کے خلاف لڑنے کے لیے پوری دنیا کے صہیونی صلیبی اوران کے ایجنٹ اکٹھے ہو گئے ہیں۔اس لیے کوئی بھی ایسی جہادی تحریک نہیں کہ جس نے اللہ کے ان دشمنوں کی دسیسہ کاریوں سے اپنا نصیب حاصل نہ کیا ہواوران کے اندر کفر کے ایجنٹ نہ گھسے ہوں۔کافروں یہودیوں،صلیبیوں اوران کے ایجنٹوں سے لڑتی ہوئی ان تحاریک نے نتائج سے بے پرواہ ہوکر خلافت راشدہ کے احیاء کا گراں بوجھ اپنے کندھوں پہ اٹھا رکھا ہے۔آج امت جن متوحش و بدترین ایام سے گذر رہی ہے ان کے متعلق صادق المصدوق ﷺ نے فرمایا تھا(**بدأ الاسلام غريباً وسيعود غريبا كما بدأ فطوبىٰ للغربا**)اسلام غربت کے ساتھ شروع ہوا اور عنقریب یہ اپنی غربت کی طرف پھر لوٹ جائے گا پس غرباء کو بشارت ہے۔کفر نے اسلام کے خلاف کوئی سیاسی، سماجی و معاشرتی، اقتصادی، دینی اور فکری میدان خالی نہ چھوڑا اگر اس میں ہمیں زک پہنچانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔مسلمانوں کی سرزمینوں میں نفرت کے بیج بو کر اس قدر فساد برپا کیا گیا کہ حق کو باطل اور باطل کو حق سمجھا جانے لگا۔بقول شاعر۔

انى اتجهت الى الاسلام فى بلد　　تجده كالطير مقصوص جناحاه

تو جس بھی ملک میں اسلام کی حالت پہ متوجہ ہوگا تو اسے ایسا پائے گا جیسے

کوئی پرندہ ہو کہ جس کے پر کاٹ دیئے گئے ہوں۔

آج ملت و دین کے دشمنوں کے خلاف جو بھی جہاد و قتال کی دعوت دیتا ہے اس پہ بدعتی ہونے کا لیبل لگا دیا جاتا ہے جیسے وہ کوئی نئی بات کہہ رہا ہو۔ انہیں کہا جاتا کہ مسلمان حکمران اور ان کی نافذ کردہ مزعومہ شریعت یہ ہے کہ تم ان کی سمع و اطاعت کرو چاہے وہ تمہاری پیٹھ کو کوڑوں کے ساتھ داغ دیں، تمہارا مال چھین لیں لیکن تم ان لوگوں میں سے مت ہو جاؤ جو ولی الامر کے ساتھ تنازع کرتے ہیں۔

یہ کیسی آزمائش ہے کہ جس میں امت مبتلا ہے۔ کون سی مصیبت ہے جو اس امت پہ نازل ہوئی ہے۔ اسلام کے بیٹوں کو ہر جگہ قتل کیا جاتا ہے، مسلمان عورتوں کی عزتوں کو تار تار کیا جا رہا ہے، ان کے اموال حلال کر لیے گئے ہیں اور ان کی زمینوں کو غصب کر لیا گیا ہے؟ یہ سب کہاں ہو رہا ہے؟ جزیرۃ العرب میں، وہ خطہ کہ جہاں سے اسلام کا چشمہ پھوٹا تھا اور جس سرزمینِ مقدس پہ نبیؐ کائنات ﷺ کو مبعوث کیا گیا تھا۔ صرف یہی نہیں بلکہ آج مسلمانوں کے ساتھ ہر اسلامی ملک میں ایسا ہی ظلم و ستم ہو رہا ہے ذیل کی سطور میں ہم امت کو لاحق انہی مصائب کا ایک جائزہ پیش کرتے ہیں۔ جس کی فہرست نیل کے ساحل سے لیکر تا بہ خاکِ کاشغر بہت طویل ہے۔

اولاً: تقسیم در تقسیم اور افتراق:

مسلم دنیا آج چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم ہے اور ہر ریاست کے اپنے اپنے اہداف ہیں اور اپنے مخصوص تصورات ہیں۔ ان تقسیمات میں کچھ مشرقی ہیں اور کچھ مغربی، کچھ سرمایہ دار ہیں اور کچھ اشتراکی (Socialist)۔ گو کہ اب اشتراکیت کی طرف مائل ہونے والی چند ایک ریاستیں باقی رہ گئی ہیں اور اکثریت کیپٹلزم (Capitalism) کی طرف مائل ہے۔ یہ نظام اور یہ کیفیت جو مسلمانوں نے خود ایک دوسرے کی دشمنی میں اپنے اوپر طاری کر رکھی ہے اور ہمیں اس حال پہ لا کھڑا کیا

ہے۔جس کے متعلق نبی ﷺ نے فرمایا تھا(**تداعیٰ علیکم الامم کما تداعی الاکلة الی قصعتها**) کہ قومیں تم پہ اس طرح ٹوٹ پڑیں گی جس طرح بھوکے دسترخوان پہ ٹوٹ پڑتے ہیں۔آج مغرب نہ صرف ہماری اقتصادیات کو اپنے قابو میں لیے ہوئے ہے بلکہ وہ اس کے ساتھ ساتھ ہمارا خون بھی بے دریغ بہائے جارہا ہے یہاں تک کہ ہمارے حکمران ایک دوسرے کے ساتھ چھٹے ہوئے خاموشی سے اس خونریزی کا تماشہ دیکھتے رہتے ہیں۔

اے کاش! ہمارے یہ مسلمان حکمران اور اہل الرائے باہم بھائیوں کی طرح ہوتے جیسے کہ اسلام ان سے تقاضا کرتا ہے لیکن وہ تو گروہوں میں بٹے ہوئے ،اور بکھرے ہوئے ہیں۔ ہر کوئی دوسرے پہ حکومت کرنا چاہتا ہے اس کو تحکمانہ حکم دیتا ہے اور ایک دوسرے پہ بہتان والزامات لگائے جاتے ہیں۔ ہر وقت وہ اپنے دوسرے بھائی کو زیر کرنے اور اسکی تباہی کے اقدامات میں مصروف رہتا ہے تا کہ اس کے اپنے لیے فضاء سازگار ہو جائے اور خود وہ اس راہ پہ اکیلا چلے جہاں اسکا کوئی مخالف نہ ہو۔

آج پوری مسلمان دنیا میں چند ایک مخصوص خاندان ہیں جو وہاں حکومتوں پہ قبضہ جمائے ہوئے ہیں اور وہی ایک دوسرے کے وارث بنتے رہتے ہیں۔اس طرح یہ سلسلہ چلتا رہتا ہے اور وہ بندوں کے اوپر اپنا باطل تسلط جمائے رہتے ہیں۔اللہ نے مسلمان ملکوں کو جب مال ومنال کی وسعتوں سے نوازا تا کہ وہ دین کے قیام کی خاطر قوت جمع کریں تو ان حکمرانوں نے مسلمانوں کے اموال یہاں وہاں ضائع کرنے شروع کر دیئے۔ان میں سے ایک قسم ان اموال کے ساتھ اسلام کے دشمنوں کی مدد کر رہی ہے، دوسری قسم معاشرے میں فسوق وعصیان ،نفاق اور محرمات کو پھیلا رہی ہے۔ جبکہ ایک تیسری قسم انہی اموال کو مغرب کے بنکوں میں رکھ کے کفر کی طاقتوں کو تقویت دے رہی ہے تا کہ وہ سود کے ساتھ اس مال میں ترقی پا کر ہمارے ہی خلاف جنگ کی تیاری کر سکیں۔ایک چوتھی قسم ہے جو اپنی قوم کے نوجوانوں ،ان کے بڑوں اور امرآء

کے اخلاق تباہ کر رہی ہے یہاں تک کہ یورپ وامریکہ کے قحبہ خانوں جواء اور رقص کی محافل میں ان کے قصے مشہور ہو چکے ہیں۔

دوسری طرف ان مظلوم مسلمان ممالک میں کفر والحاد کی ایسی آندھی چلی ہے کہ جس نے ان ملکوں کے باسیوں کو بھوک اور خوف کے عذاب میں مبتلاء کر دیا ہے۔ رشوتیں پھیل گئیں، بھتہ لینا معمول بن گیا، کرپشن اور فساد سارے معاشرے کا شعار بن گیا۔ یہاں تک کہ ایک قسم جو نہ تو اس میں ہے اور نہ اُس میں، کہ اس کا کام ہے جمہوریت کا دعویٰ کرنا، آزادیء اظہارِ رائے کا اعلان کرنا اور ہر اس آواز کو دبانا جو اسلام کی طرف بلائے۔ لیکن ایک آدھ ملک کی بات ہوتی تو کیا عجب تھا لیکن آج تمام اسلامی ممالک مختلف طریقوں کے ساتھ اسی راہِ فرعونی پہ گامزن ہیں۔ ایک مسلمان ملک دوسرے ملک کے ریٹائرڈ وزیرِ داخلہ کو اپنی وزارتِ داخلہ میں اس لیے رکھ لیتا ہے کہ وہ مسلمانوں کو طرح طرح کی اذیتیں دینے میں ماہر ہے۔ ان حالات میں کچھ عجب نہ تھا کہ اس فساد کے حل اور اس جدید صلیبی جنگ کی طرف، جو آج ہم پہ مسلط ہے اسے اسکے منطقی انجام تک پہنچانے کی خاطر ایسی تحاریک جنم لیتیں جو نقارہء عوام بن جاتیں۔

ثانیاً: معاشرتی خلفشار:

ان حالات میں جبکہ اسلام ہماری زندگیوں سے غائب تھا اور جو سیاسی حالات وفساد امت میں پھیل چکا تھا امت کی معاشرتی حالت بھی اس سے چنداں مختلف نہ تھی۔ ہمارے اخلاق خراب ہو گئے، ایمان کمزور پڑ گئے، اور ہم ذلت کی راہوں پہ چلنے لگے۔ ہم نے اپنے بڑوں کو دیکھا اور انہیں اپنا آئیڈیل بنایا کیونکہ قوم ہمیشہ اپنے بڑوں کے پیچھے چلتی ہے۔ لیکن ہمارے بڑے ہر روز ایک رنگ بدلتے ہیں، ہر روز ایک نیا لباس زیبِ تن کرتے ہیں۔ ایک دن وہ اقلیت کی تائید کرتے ہیں اور ان کے رائے پہ حکومت کرتے ہیں اور دوسرے دن جمہور کی حکومت کا راگ الاپتے نظر آتے ہیں۔

پھر وہ خود ہی ان سے جھگڑتے نظر آتے ہیں اور سب ایک فرد کے پیچھے چل رہے ہوتے ہیں جس کے ساتھ کوئی جماعت نہیں ہوتی کہ وہ ان کی تائید کرے یا کوئی ایسا عقیدہ جس کے مطابق وہ ایسا کر رہے ہوتے ہیں۔ لوگ ان کے پیچھے صرف اپنی خواہشات کی پیروی میں چلتے ہیں تا کہ انہیں ''منافع'' حاصل ہو اور اس خوف سے کہ کہیں وہ اس منافع سے محروم نہ کر دیئے جائیں۔ لوگ ایسے ہیں کہ ہر ذی اختیار کے پیچھے چلتے ہیں اور جب دیکھتے ہیں کہ اس کو زوال آیا چاہتا ہے تو اسے چھوڑ کے نیا محبوب بنا لیتے ہیں اور دوسرے کے ساتھ تمسخر کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ سب اللہ کے غیر کی عبادت کرتے ہیں اس لیے ان کے نزدیک انسانی کرامت اور حیاء کا کوئی پاس نہیں۔

ایسے معاشرے کے لوگ کفریہ الحادی افکار کے بہت آسانی کے ساتھ شکار ہو جاتے ہیں کیونکہ ان کی تربیتِ مدرسہ میں کوئی ایسی چیز نہیں جو انہیں اس فساد کے خلاف کھڑا کرنے جہت دے۔ اسی لیے کفر کی کوشش ہوتی اور وہ جبراً ہماری تعلیم و تربیت میں مداخلت کرتا اور ہماری تاریخ کو مسخ کرتا ہے تا کہ آئندہ نسلیں اپنے تابناک ماضی سے بے خبر رہیں اور ان کے کردار تباہ ہو جائیں۔ آج اس کا مشاہدہ بہت آسانی کے ساتھ کیا جا سکتا ہے۔ آج لوگ ہر اس چیز کو حلال سمجھتے ہیں جو انہیں ان کے مطلوب ہدف پہ پہنچاتی ہو۔ پس رشوت، چوری، ملاوٹ، فساد، عزت، مساوات کا خون، خیانت کو چھپانا اور حق کی آواز کو دبانا، ہر دو کام جائز ہیں جب تک وہ مال کی طرف اور حکومتی کرسی کی طرف لے جاتے ہوں۔ ہر فرد دوسرے سے حسد کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ وہ اسکی اعلیٰ جگہ پہ پہنچ جائے، دوسرے کا مال و نعمت اس کے ہاتھ ہو جائے اور وہ دوسرا اس کی طرح فقر میں مبتلاء ہو جائے۔ بلکہ اس میں وہ اس بات پہ بھی تیار ہے کہ اگر اسے یہ سب کچھ بغیر حق کے اور بغیر جہد کیے حاصل ہو جائے۔

ثالثاً: ہمارے دستوری قوانین:

وہ قوانین جن کے ساتھ آج مسلمانوں پہ حکومت کی جارہی ہے اور جو ہم پہ فرض کردیئے گئے ہیں ایسے قوانین ہیں کہ جن کے بارے میں اللہ نے اپنی کتاب میں کوئی دلیل نازل نہیں کی۔ کسی قوم کا قانون اسی کی طرف لوٹتا ہے کیونکہ وہ اس کے ماضی وحال کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ وہ اس قوم کی ترقی وعروج کی راہیں متعین کرتا ہے، اس کے اخلاقیات کی حفاظت کرتا، اور اسکے آداب، دین اور عقیدہ کی نمائندگی کرتا ہے۔ لیکن قانون کی یہ بنیادی اصل آج پوری مسلمان دنیا کے قوانین سے غائب ہے۔ ہمارے قوانین ہم سے ناآشنا ہیں کیونکہ وہ ہماری مٹی کے نہیں ہیں اور نہ ہی ہماری فضاء کے قوانین ہیں ان کا ہمارے ساتھ کوئی واسطہ نہیں۔ یہ ایسے قوانین ہیں جو کفروالحاد کو فروغ دیتے ہیں، نہ ہی یہ کسی اصل پہ کھڑے ہیں۔ جبکہ ہمارے حکمران آسمانی شریعت کو چھوڑ کے ان کو اپناتے ہیں۔ وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ وہ مغرب کے جیسے اسباب اپنا کے اس کے جیسی ترقی کرنا چاہتے ہیں۔ یعنی جیسے مغرب نے دین کو سیاست سے علیحدہ کرلیا اور عوام کے لیے دین ان کا ذاتی مسئلہ بنادیا۔

لیکن ان غافلوں کو یہ سمجھ نہ آئی کہ رومیوں کے یہ قوانین جن کی وہ نقل کر رہے ہیں وہ تو مغرب کو صلیبی جنگوں میں شکست سے نہیں بچا سکے؟ جبکہ شریعتِ اسلامیہ کی جب لوگوں پہ حکومت قائم تھی تو وہ قلت میں تھے اور ہر طرف انہیں حملوں کا خوف رہتا تھا لیکن نبی ﷺ کی وفات کے بیس سال بعد ہی انہوں نے فارس کی سلطنت کا وجود مٹا ڈالا اور روم کی حکومت مصر، شام اور شمال افریقہ سے ختم کردی اور پوری دنیا کے قائد بن گئے۔ لیکن ہمارے قوانین ہیں کہ ہر آئے دن اسلام سے مزید دور ہوتے چلے جاتے ہیں۔ آج ہمارے اندر ایسی اصطلاحات رواج پا گئی ہیں کہ جن کے باعث ہمیں دین سے مزید دور کیا جاتا ہے مثلاً ''دین کا حکومت کے ساتھ کوئی تعلق

نہیں‘‘ اور ’’دین میں کوئی سیاست نہیں اور سیاست میں کوئی دین نہیں‘‘۔ ان باتوں کا برملا اظہار بڑے بڑے زعما اوران کے ساتھ جاہل عوام بھی بنا سمجھے کرتے پھرتے ہیں۔

جبکہ علماء اس میں گونگے شیطان کا کردار ادا کر رہے ہیں اور بعض دوسرے ہیں کہ خائف ہو کے امن کے ساتھ دور بیٹھے ہیں ولا حول ولا قوہ الا باللہ۔ انکی تو بات ہی چھوڑ دیجیے جو اپنے دین کو دنیا کی غرض کے لیے بیچ رہے ہیں اور مسلمانوں کی گردنوں پہ ان طاغوتوں کو مسلط کرنے کے جواز ڈھونڈتے رہتے ہیں۔ آج پوری مسلمان دنیا میں ایک چیف ایگزیکٹو سے لی کر ولی العہد، بادشاہ اور امیر تک سبھی کے ساتھ دیکھنے والے کو ابن الوقت علمائے سوء نظر آئیں گے جو ہر وقت حق کی آواز کو دبانے کی تدابیر کرتے رہتے ہیں۔

رابعاً: مسلمانوں کے مصائب:

اس بُعد و دوری کے ساتھ...... بلکہ جب سے خلافت اسلامیہ گری جبکہ وہ آخری ایام میں ایک منظّم شکل میں موجود تھی اور ابھی یہ غم کیا کم تھا کہ ایک بار پھر ہم نے خلافت کو کھو دیا۔ تب بھی خلافت کو تاراج کرنے والا ایک غدارِ ملت اپنا ہی تھا اور آج بھی کفر کے ساتھ مل کے اس کو گرانے والے اپنے ہی تھے۔ اللہ کی قسم! طالبان چلے گئے اور ہم ان کے فراق میں غمگین ہیں۔ آنکھ آنسو بہاتی ہے اور دل خون کے آنسو روتا ہے کہ کب تلک یونہی ہم خلافت کو کھوتے رہیں گے!

و لقد خسرت حبیبة الاولیٰ و کل غدٍ دمیلی
سیلی ینابیع البکاء ویا جراح القلب سیلی
وشربت آخر قطرة فی الکأس من هم الثقیلی
و صرخت آہ تمھلی لاترحلی قبل الرحیلی

یقیناً جب سے میں نے اپنی پہلی محبوبہ کو کھویا تب سے میرا ہر دن خون میں ڈوبا ہے

اے آنسوؤں کے چشمے بہ جا اور دل کے زخم تو بھی بہ چل!
اور میں نے اس بھاری غم کے پیالے کا آخری قطرہ بھی پی لیا۔
اس کے جاتے ہوئے میں چیخا آہ! ٹھہر جا میرے جانے سے پہلے تو نہ جا!

لیکن جب استعمار نے ہمارے ممالک کی آزادیوں کے بعد اپنے اکثر اہداف حاصل کر لیے تو اس نے ہمارے لیے حکمرانوں، سیاست دانوں، علمائے سوء اور ان کے تابعین کا ایک ایسا طبقہ چھوڑا جو ابھی تک انگریز و مغرب کے افکار کی بزرگیاں بیان کرنے میں مصروف ہے۔ وہ نئے نئے رنگوں میں روز ایک نیا مغربی طریقہ ہمارے اوپر مسلط کرتے ہیں تاکہ اسلامی روح مسلمانوں کے جسم سے بالکل ختم ہو جائے اور ان کی وحدت پارہ پارہ ہو جائے۔ اس طبقہ کے ہاتھوں کفر نے جو سب سے کاری ضرب اسلامی جسم پہ لگائی ہے وہ اور کچھ بھی نہیں صرف ایک ہے ''قومیت کا ناسور''۔ یہ ایک ایسی بیماری ہے جس نے عرب سے لے کر عجم تک ساری اسلامی وحدت کو پارہ پارہ کر دیا ہے۔ آج عربی، ترکی، کردی، عراقی، ایرانی، لبنانی، شامی، افغانی اور پاکستانی وغیرہ، یہ تمام قومیتیں دین سے بڑھ کر ہماری پہچان ہیں۔ دین کے لیے تعصب رکھنے سے پہلے ہمارے اندر قومیت کا تعصب ہوتا ہے وگرنہ ہم تو وہ امت تھے جس کا شعار تھا کہ کسی کالے کو گورے پہ اور کسی گورے کو کالے پہ سوائے تقوی کے کوئی فضیلت نہیں۔ شعراء ہماری وحدت کے گیت گایا کرتے تھے۔

بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے
تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

لیکن آج ہماری مصلحتیں اور ہمارے مفادات علاقوں سے وابستہ ہیں۔ اپنا علاقہ، اپنا ملک، اپنا وطن، اپنی سرحد، اپنی مٹی، اپنی زمین، سب اپنا اپنا اور دوسرے کا گھر چاہے جلتا ہے تو جل جائے ہمیں کیا پڑی ہے کہ ٹانگ اڑائیں۔ ہم کوئی خدائی فوجدار ہیں؟ ہم نے ٹھیکہ نہیں لے رکھا! اس قسم کے الفاظ آج ہمیں ان کے مونہوں

سے سننے کو ملتے ہیں جو ہمارے سروں پہ جبراً مسلط ہیں۔اسی انتشار کا نتیجہ ہے کہ مسلمان بجائے اپنی ایک فوج بنانے کے اقوامِ ملحدہ کی امن فوج کا حصہ بن کے ان کی سیاست کے سائے میں کام کرنے کو فخر سمجھتے ہیں۔وہ بجائے اپنی مسلمان اقوامِ متحدہ بنانے کے اقوامِ ملحدہ سے ہی اپنے مسائل حل کروانے کا اپنے آپ کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں۔لیکن آیئے ذرا مختصر سا جائزہ لیں کہ اس خبیث قومیت نے ہمیں کہاں لا کھڑا کیا ہے۔

۞ یہ افغانستان ہے پہلے روس نے قبضہ کیا تو بڑے سیاسیوں نے اپنی جان بچانے کے لیے مجاہدین کو سہارا بنالیا۔لیکن جب روس ٹوٹ گیا تو وہ خود آ کے اس پہ قابض ہو گئے۔

۞ یہ عراق ہے عرب قومیت کا نعرہ لگانے والا بعثی اپنے آقا کے دام میں پھنس گیا آج عراقی مسلمان اپنے ہی ملک میں اجنبی ہیں۔

۞ یہ فلسطین ہے چھوٹا مگر مسلمانوں کا قبلہ اول۔اپنے ہی کچھ مہربانوں نے اس کے بننے میں مدد دی اور آج پچھلے پچاس سال سے چند لاکھ کا اسرائیل کئی کروڑ عربوں کو، جو جغرافیائی طور پہ بھی اس کو گھیرے ہوئے ہیں، ان سب کو مات کر رہا ہے۔

۞ یہ الجزائر ہے اپنے ہی مسلمان اسلامی حکومت پہ ٹینک لے کر چڑھ دوڑے اور ایک عرصہ سے امت کے بیٹوں کا خون مسلمانوں ہی کے ہاتھوں بہ رہا ہے۔تا حال یہ لڑائی جاری ہے۔

۞ یہ کشمیر ہے پچاس سال سے کفر کے سامنے قراردادیں پیش کر کر کے اور دشمن کے سامنے گھٹنے ٹیک ٹیک کے منتیں کی جا رہی ہیں کہ کشمیر کے مسلمانوں کو آزادی تھالی میں رکھ کے دے دو۔جبکہ مسلمان جس کا خوں پانی سے بھی ارزاں ہے اس کی کوئی قیمت نہیں کہ نالی میں بہے یا دریاؤں کا رنگ سرخ کر دے۔

۞ یہ فلپائن ہے مسلمان کی اپنی الگ ثقافت ہے اپنی پہچان اپنا مذہب ہے

لیکن عیسائی زبردستی انہیں محکوم رکھنا چاہتے ہیں۔منڈاناؤ کی سرزمین ایک عرصہ سے اپنے بیٹوں کی شہادتوں کا بوجھ اٹھا رہی ہے۔

۞ یہ اراکان و برما ہے۔بدھ مت مسلمان کو بزورقوت اپنے زیرِ تسلط رکھنا چاہتا ہے اور انہیں مذہبی آزادی بھی نہیں دیتا،ان کی نسل کشی کر رہا ہے۔

۞ یہ چیچنیا ہے،گھر ڈھائے جارہے ہیں۔ایک نسل کٹتی ہے تو دوسری کٹنے کو تیار ہو جاتی ہے۔گویا وہ انسان نہ ہوں کوئی فصل ہو جو پک جانے پہ کاٹ دی جاتی ہے۔

۞ یہ فطانی ہے۔جنوبی تھائی لینڈ جہاں مسلمان اسی لاکھ ہیں۔یہاں ان کی حکومتیں رہی ہیں ان کی ایک اسلامی تاریخ ہے مگر بدھ مت کے پیروکاران کی آزادی کی راہ میں حائل ہیں۔مجبوراً مسلمان یہاں بھی ہتھیار اٹھائے ہوئے ہیں۔

۞ یہ سوڈان ہے، دارفور میں عیسائیوں کے ساتھ تصادم کروا کے ایک مسلمان ملک کو کمزور کرنا چاہتے ہیں تاکہ افریقہ میں کوئی مسلمان ملک مضبوط نہ ہوسکے اور بڑی ریاستوں کو اپنی سیاست کھیلنے کا موقع مل جائے۔

۞ یہ سنکیانگ (چین) ہے۔جہاں مسلمانوں کو پھانسیاں دی جاتی ہیں۔وہ ہجرتیں کرنے پہ مجبور ہیں۔اذیت کی ایسی داستانیں سناتے ہیں کہ جن کو سن کے رونگٹھے کھڑے ہو جاتے ہیں۔لیکن ان کی خبر بھی باہر نہیں آنے دی جاتی۔

۞ یہ صومالیہ ہے۔مسلمان خود اسلام کے ساتھ جینا مرنا چاہتے ہیں۔غربت اور سلام کا ساتھ بھی کافر کو قبول نہیں۔لیکن کیونکہ یہ سٹریٹیجک علاقہ ہے عسکری و بحری اعتبار سے اہم ہے اس لیے اسرائیل و امریکہ اپنا جبری تسلط یہاں برقرار رکھنا چاہتے ہیں اور یہاں کے مسلمانوں کی زندگی اجیرن کیے ہوئے ہیں۔

۞ یہ کرد قوم ہے جو ایسی مظلوم ہے کہ چار ملکوں (ترکی، شام، عراق اور

ایران) کے درمیان تنازع کی ہڈی بن چکے ہیں۔ ہر دو ملک ان کو استعمال کر رہے ہے۔ ان کا قتل کیا جاتا انہیں رسوا کیا جاتا لیکن کرنے والا کون ہے مسلمان کوئی غیر نہیں۔ مگر یہ مسلمان ہے، قوم پرست مسلمان جو اپنی قوم کے مفاد کو مقدم رکھتا ہے اسلام اور مسلمان کے مفاد کو نہیں۔ اب ایسے کتنے ہی مسلمان ملکوں کا ہم یہاں ذکر کریں۔

یہ فہرست بہت طویل ہے سرزمین عرب سے لے کر ایشیا کے آخری کونے تک...... اسلام پسندوں اور دین کے دعویداروں اور اس کو نافذ کرنے کی جدجہد کرنے والوں پہ ظلم، جبر وتشدد، قتل، نسل کشی اور نہ جانے اذیت کے وہ کون کون سے طریقے ایجاد کیے جارہے ہیں جو شاید کسی انسان کے وہم وگمان میں بھی نہ ہوں گے۔

اے امتِ مسلمہ! اس سے بڑھ کر اور جرم یہ ہوا کہ ایک دوسرے کی کھینچا تانی کی اس سیاست میں ہم علوم فنون میں صفر ہو گئے اور استعمار ہماری اس ''مصروفیت'' کا فائدہ اٹھاتے ہوئے تیاری کرتا رہا۔ اب جب کہ وہ ہمارے اوپر چڑھ آیا ہے اور ہم ہیں کہ گنگ زبانیں لیے اب بھی انہی ملکی، قومی اور وطنی مفادات کے چکروں میں ہیں۔ دوسرا مرتا ہے تو مرے لیکن ہمیں اس میں ٹانگ اڑانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ کیا یہی وہ مسلمان ہیں جن کے متعلق کسی نے کہا تھا۔

''چبھے کانٹا جو کابل میں تو مشرق ومغرب کا ہر پیرو جواں بے تاب ہو جائے''

مایوسی کی ان گھٹا ٹوپ آندھیوں میں جب کفار اپنے بھاری بھرکم اسلحہ کے ساتھ ہمارے اوپر چڑھ آئے تو مادی مسلمان کے ہاتھ کوئی ایسی طاقت نہ تھی کہ جس کے ساتھ اس کا مقابلہ کیا جائے۔ ایک دوسرے کی باریوں کے انتظار میں...... یہ ہیں وہ حالات کہ جن میں امت کے گلہائے چیدہ میدان میں اترے تو انہوں نے عسکری توازن بالکل صفر ہونے باوجود صرف اللہ عزوجل پہ توکل کرتے ہوئے کفر کو ناکوں چنے چبوا دیئے اور ان کے خلاف حملوں کا ایک ایسا طریقہ ایجاد کیا جسکی اصل انہیں

اپنے عظیم آباء سے وراثت میں ملی تھی......وہ طریقہ ہے ''فدائی حملہ یا استشہادی حملہ''

چونکہ امت کی اکثریت اس بات سے آشنا نہیں تھی اس لیے اس نے فطرتاً اس سے دشمنی کی اور کہا کہ یہ وحشیت ہے اور یہ خودکشی ہے وغیرہ وغیرہ۔لیکن اللہ جزائے خیر دے کہ مجاہدین اور علمائے حق نے کلمہ حق کا اظہار کیا اور اس مسئلہ کو روزِ روشن کی طرح واضح کر دیا۔ یہ فتاوی جو انہوں نے چند سال پہلے صادر کیے تھے لیکن ان کی افادیت کے پیشِ نظر ہم نے انہیں اردو دان طبقہ کی تشفی کے لیے پیش کر دیا۔اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے اس مسئلہ میں عدمِ جواز کی بات کرنے والے علماء کی غلطی کو بھی بیان کیا کہ انہوں نے کہاں غلطی کھائی۔خاص طور پہ **شیخ العییری شہید** کی بحث سے تو یہ مسئلہ بہت زیادہ کھل کے واضح ہو گیا۔جب قاری اس کو پڑھے گا تو اس پہ بات واضح ہوگی کہ ہر دو امکانیات منصوص علیہ ہیں۔جن کے بعد مزید حجت کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ یہاں قاری کو یہ بھی پتہ چلے گا کہ کیسے علمائے حق جب کسی مسئلہ پہ فتویٰ صادر فرماتے ہیں تو وہ امت کے مصالح و مفاسد کا کس قدر خیال کرتے ہیں جو کہ عین تقاضائے شریعت ہے۔

جہاں تک ان لوگوں کا تعلق ہے جنہوں نے اس مسئلہ کو خودکشی پہ قیاس کرتے ہوئے اسے خودکشی سے تعبیر کیا اور اسے ممنوع جانا۔ہم انہیں کہتے ہیں کہ قیاس کی تعریف فقہاء نے جو کی ہے وہ یہ ہے کہ(**اعطاء واقعة لا نص فيها حكم واقعة منصوص على حكمها لتساوى الواقعتين فى علة الحكم**) کسی ایسے واقع میں جس کے بارے کوئی نص موجود نہ ہو اس پہ منصوص علیہ واقعہ کا حکم جاری کرنا بسبب اس علت کے جو ان دونوں میں برابر ہو۔مثال کے طور پہ شراب حرام ہے کہ اس میں قرآنی نص وارد ہے لیکن شراب کے علاوہ دوسری ایسی چیزیں جو ہمارے دور میں وجود میں آئیں اور پہلے نہ تھیں مثلاً چرس، ہیروئن، افیم وغیرہ تو وہ بھی حرام ٹھہریں گی کہ اس میں شارب کے ساتھ علتِ مشترکہ یہی ہے کہ ہر دو چیزیں نشہ دیتی ہیں۔لہٰذا

یہ بھی حرام ٹھہریں۔اب اگر خودکش میں اور فدائی موازنہ کیا جائے تو نہ ثمرات میں وہ مشترک ہیں اور نہ ہی علت میں۔ کہ خودکشی والے نے اللہ کی تقدیر سے لڑتے ہوئے اور اس کا انکار کرتے ہوئے زندگی کی تنگیوں سے مایوس ہوکر اپنی زندگی کو ختم کرڈالا۔ جب کہ فدائی تو اللہ کی رضاء کی تلاش میں، اسکے کلمہ کی سربلندی کے لیے شہادت کی تلاش میں، دشمن کے اندرتباہی پھیلانے کی غرض اور مسلمانوں کو جرات دلانے کی غرض سے حملہ کرتا ہے۔ چونکہ اعمال کا دارمدار نیت پہ ہے اس لیے ایسا آدمی اپنی نیت پہ اللہ سے امید رکھتے ہوئے آگے بڑھا جبکہ خودکش تو اللہ کی رحمت سے مایوس ہوگیا اور یہ گمان کیا کہ وہ ایسا کر کے اللہ کی پکڑ اور دنیا کی رسوائی سے بچ جائے گا۔اسی طرح اللہ عزوجل فرماتے ہیں(**ام نجعل الذین امنوا وعمل الصالحات کالمفسدین فی الارض ام نجعل المتقین کالفجار**) کیا ہم ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور نیک اعمال کیے ان کے برابر کردیں جو فسادی ہیں یا کیا ہم مجرموں اور تقویٰ والوں کو ایک جیسا شمار کریں۔ پس پتہ چلا کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کے اعمال کی قبولیت کا ایک میزان مقرر فرمایا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ کافر و مومن کے اعمال اگر کسی موقع پہ ظاہراً شکل میں ایک جیسے بھی ہوں لیکن شارع کی میزان میں ان کا حکم ایک جیسا نہیں ہے۔اسی طرح خودکش اور استشہادی یا فدائی کا حکم ذیل کے فقہی قواعد تحت بھی آتا ہے۔

﴿**انما الاعمال باالنیات**﴾ بے شک اعمال کا دارومدار نیتوں پہ ہے۔

﴿**الا مور بمقاصدھا**﴾ معاملات کا اعتبار اپنے مقاصد کے تحت ہے۔

ان دو قواعد کی مثال ہم نے جیسے کہ اوپر ذکر کی کہ خودکش کی نیت ومقصد میں اور استشہادی کی نیت ومقصد میں زمین آسمان کا فرق ہے۔پس فقہ وحدیث کا یہ مسلمہ اصول ہے کہ افعال العباد کا اعتبار ان کی نیتوں پہ محمول ہوگا۔ اوران کے جواز کی توقیف کرنے والے اصحاب کی غلطی یہ ہے کہ انہوں نے اس اہم ترین باب کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے ہر دو اعمال میں نیتوں کا صحیح اعتبار نہیں کیا۔

﴿الضرورات تبیح المحظورات﴾ضرورت ممنوعہ کاموں کو بھی مباح کر دیتی ہیں۔

﴿الضرورۃ تقدر بقدرھا﴾مقدارِضرورت کے مطابق کسی ضرورت کا اندازہ کیا جاتا ہے۔

ان دو قواعد کے تحت بھی ہمیں یہ پتہ چلتا کہ جب مقاصدِ شریعت کی تحقیق کسی ممنوع کام کے صادر کیے بغیر ممکن نہ ہو تو اس وقت وہ کام جائز ٹھہرے گا اور دوسرا قاعدہ اس کے ساتھ یہ ہے کہ اس قدر یہ ممنوع کام جائز ٹھہرے گا جس سے یہ مقصد حاصل ہو جائے اور ایسا مقصد حاصل ہونے کے بعد وہ کام اسی طرح ممنوع ہوگا جیسے کہ وہ پہلے منع تھا۔اس کی مثالیں کافی ہیں جیسے کہ (حدیثِ غلام) میں بچے کا دین کے غلبہ کی مصلحت کے لیے اپنے قتل کا حکم دینا، دین کے مصالح کی خاطر دشمن کے اندر موت کے یقین کے ساتھ گھس جانا اور اسی کے مثل دین کی مصلحت کے لیے استشہادی کاروائی میں اپنے آپ کو دشمن کے اندر بارود کے ساتھ پھاڑ دینا۔جیسے کہ فلسطین میں جب صہیونی لعینوں نے ہمارے مسلمان بھائیوں کی نسل کشی کا آغاز شروع کیا تو ان کو روکنے کے لیے ہمارے کمزور فلسطینی بھائیوں کے پاس استشہادی کارروائی کے علاوہ ایسا کوئی ہتھیار نہ تھا جو ان کے اندر خون ریزی پھیلا سکے اور خوف پیدا کر سکے۔اسی طرح ضرورت کی مثال تترس کے مسئلہ میں ڈھال بنائے گئے مسلمانوں کی بھی ہے۔ کہ جب ضرورت مسلمان کے ہاتھوں مسلمان کا قتل مباح کر دیتی ہے لیکن اس میں ضرورت کی مقدار یہ ہے کہ اگر تین چار مترس مسلمانوں کو مارنے سے ہی مقصود حاصل ہو جائے تو سب کو مارنے کی چنداں ضرورت نہیں۔

﴿ما کان اکثر فعلاً کان اکثر فضلاً﴾فعل کے اعتبار سے زیادہ (قوی) کام فضیلت کے اعتبار سے بھی زیادہ ہوگا۔

یہ قاعدہ بھی بتاتا ہے کہ جس قدر کوئی کام زیادہ کیا جائے گا اس قدر اس کا

ثواب وفضیلت زیادہ ہوگی۔ جیسے کہ اللہ عزوجل کا قرآن میں مسلمان اور مومن میں فرق کرتے ہوئے یہ فرمانا (قالت الاعراب امنا قل لم تو منوا ولکن قولوا اسلمنا) اور دیہاتی کہنے لگے کہ ہم ایمان لے آئے اے نبی ان سے فرما دیجیے کہ تم ہر گز ایمان نہیں لائے بلکہ یوں کہو کہ ہم فرمانبردار ہوگئے۔ اسی طرح اللہ فرماتے (فضل الله المجاهدين باموالهم وانفسهم على القاعدين درجه) اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کو ان کے مالوں اور جانوں کی قربانی کے سبب جہاد سے پیچھے بیٹھ رہنے والوں پہ فضیلت عطا کی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں (لا يستوى منكم من انفق من قبل الفتح وقاتل اولئک اعظم درجة من الذين انفقوا من بعد وقتلوا) ہرگز برابر نہیں ہو سکتے جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے انفاق کیا اور قتال کیا، یہ لوگ بہت اعلیٰ درجہ کے لوگ ہیں بنسبت ان لوگوں کے جنہوں نے بعد میں انفاق و قتال کیا۔ اسی طرح حدیث میں آتا کہ جبریل علیہ السلام نے نبی ﷺ سے سوال کیا کہ اصحاب بدر کو آپ ﷺ کیسا شمار کرتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا وہ ہمارے افضل ترین لوگ ہیں تو جبریل علیہ السلام نے فرمایا (کذالک من حضرها من الملائکه) ہمارے بھی افضل فرشتے وہ ہیں جو بدر میں حاضر تھے۔ پس یہ جاننا چاہیے کہ استشہادی کا یہ جری عمل کہ جب وہ ضرار بن الازور رضی اللہ عنہ کی طرح دشمن میں یہ اعلان کرتا ہوا گھستا ہے (تقدم يا عدو الله يا عابد الصليب الى الرجل النجيب ناصر محمد الحبيب ﷺ) اے اللہ کے دشمن، اے صلیب کے پجاری (ہمت ہے تو آگے بڑھ) اس شخص کی طرف جس کی شرافت یہ ہے کہ وہ محمد حبیب ﷺ کے دین کا مددگار ہے، استشہادی کا ایسا عمل عام مجاہد کی نسبت ایک ایسا اعلیٰ وارفع عمل ہے کہ جس کی طاقت دوسروں کو نہ تھی۔ جیسے کہ احد کے دن سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے عرض کی ''یا رسول اللہ ﷺ میں اس کی استطاعت نہ رکھتا تھا جو انس بن النضر رضی اللہ عنہ نے کیا'' پس اس قاعدہ کے تحت استشہادی کا عمل عام مجاہد کی نسبت زیادہ قوی اور اکثر کے زمرہ میں آتا ہے۔

اس کتاب کے متعلق کچھ ایسی وضاحتیں کہ جس کا جاننا قاری کہ لیے ضروری ہے تا کہ کتاب کے پڑھنے میں اس کی دلچسپی قائم رہے۔ کیونکہ شریعتِ اسلامیہ کے مصادر ایک ہی ہیں یعنی قرآن وحدیث۔ اس لیے مختلف علماء نے جب اس مسئلہ کے دلائل کو قرآن وحدیث سے وارد کیا تو قریبا سب کے دلائل ایک جیسے ہی ہیں جس بنا پہ کتاب میں بارہا مرتبہ دلائل کا تکرار ہے۔ لیکن یہ تکرار بھی فوائد سے خالی نہیں۔ اس سے جہاں قاری کے لیے اس مسئلہ کی نصوص کو ازبر کرنا آسان ہوگا وہاں علماء کے ہر دلیل کے ساتھ نئے علمی نکات سے استفادہ کا موقع ملے گا۔ یہ ممکن تھا کہ طویل تکرار سے بچنے کے لیے ہم مکرر نصوص کو خارج کر دیتے لیکن کسی کے مقالے میں تصرف اس کے لکھاری کی اجازت کے بغیر اخلاقی طور پہ بھی روا نہ تھا۔ اسی طرح بعض فقہی عبارات جن میں استثناء، علل اور تعددِ وجوہ کا بیان ہے ان کا ترجمہ ویسے ہی کر دیا گیا ہے اور عبارات کو با محاورہ نہیں لکھا گیا تا کہ فقہی عبارات کا سارا مضمون سمجھ میں آ جائے۔ کیونکہ ہر بنی آدم خطا کار ہے اس لیے کتاب کے متعلق کسی بھی قسم کی غلطی کی نشاندہی کو ہم خوش آمدید کہیں گے تا کہ آئندہ اس کا ازالہ کیا جا سکے۔ اس کے لیے ہمیں ای میل میں ان پیج فارمیٹ کی اٹیچمینٹ فائل بھیجی جا سکتی ہے۔۔ ان شاء اللہ ہم اللہ کے فضل سے با امید ہیں کہ یہ کتاب بہت سے ذہنوں کے فدائی کاروائیوں سے متعلق شبہات واشکالات کو رفع کر دے گی۔

امۃ الاسلام! امت کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے یا اس پہ کوئی آزمائش بن جاتی ہے تو امت کے چند نوجوان جنہیں اللہ عزوجل نے دلِ مومن سے نوازا ہے، جو امت کو ایک جسم کی مانند سمجھتے ہیں، وہ میدان میں اتر پڑتے ہیں۔ اپنا خون پانی کی طرح سستا کر دیتے ہیں تا کہ امت کی مائیں بیٹیاں اور انکی نسل تباہی سے محفوظ رہے۔ لیکن ہمیں چاہیے تو یہ تھا کہ ایسے نوجوانوں کے ہم دست بازو بن جاتے اور انکی حوصلہ افزائی کرتے لیکن جیسے کہ حق کی راہ کے ساتھ دشمنی کا پہلا آغاز ہمیشہ حق سے بیزار گھر

سے ہوتا تھا، آج بھی صورتِ حال کچھ مختلف نہیں۔ موت سے نفرت اور دنیا سے محبت کی وہن نامی بیماری کا تمغہ سینے پہ سجائے ہر کوئی ایسے مجاہد کی راہ میں کھڑا ہو جاتا ہے کہ جناب یہ زمانہ جہاد کا نہیں، مذاکرات کا ہے، یہ جہاد ہی نہیں، یہ دہشت گردی ہے، یہ تو سیاست کا کھیل ہے، یہ لوگوں کے بچے مروا رہے ہیں، ان چند نوجوانوں کے قربانی دینے سے کیا ہوگا، دشمن بہت طاقتور ہے، طاقت کا توازن ہونا چاہیے وغیرہ۔ اس جیسے بے شمار ہوّئے اس کی راہ میں کھڑے کر دیئے جاتے ہیں۔ لیکن اس دور کا کیا کہنا کہ جسمیں جہاد کا نام لینا ہی جرم سمجھا جاتا ہے اور جب کوئی نوجوان دین کی راہ پہ چل نکلتا ہے تو اسے اس کے اپنے ہی کوستے ہیں اس کی راہ میں طرح طرح کے روڑے اٹکاتے ہیں۔ لیکن مومنوں کی ہر طرح آزمائش کرنا اور دنیا میں انہیں تمکنت دینے سے پہلے آزمائش کو شدید کر دینا ہی اللہ بزرگ و برتر کی سنتِ کونیہ ہے جو کبھی نہیں بدلا کرتی۔ پس حق و باطل کا معرکہ ہر دو صورت میں ازل سے جاری ہے اور قیامت کی آمد تک اس قافلے کے پروانے دین کی شمع پہ کٹتے رہیں گے اور اپنی منزلِ مراد پاتے رہیں گے۔ دوسری طرف باطل والے بھی پوری قوت کے ساتھ حق کو روکتے رہیں گے۔ کچھ لوگ ان کے ساتھ کچھ لوگ اسلام والوں کے ساتھ ہوں گے۔ دیکھنا تو یہ ہے کس کے مقدر میں کیا لکھا ہے۔

ایمان و کفر کا یہ معرکہ کیسی کیسی صورتیں بدلتا رہا۔ اللہ نے آدم علیہ السلام کو تخلیق کیا تو شیطان نے مامور سجدہ سے انکار کر کے اس معرکے کا آغاز کیا۔ پھر جب نبیوں کا سلسلہ چل نکلا تو کوئی نبی اس دنیا میں نہ آتا تھا کہ اس کی قوم اس کے ساتھ دشمنی کرتی تھی۔ قرآن میں مذکور نوح، ابراہیم، موسیٰ، عیسی، یحییٰ، صالح، لوط علیہم السلام، کتنے ہی نبی تھے کہ جن کی قوم ان کی راہِ حق میں رکاوٹ بن کے کھڑی ہو گئی۔ پھر نبی کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو کس قدر تکالیف دی گئیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم زخمی ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پتھر مارے گئے، اوباش لڑکے پیچھے لگا کے مذاق اڑایا گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر سجدے کی حالت میں

غلاظت ڈال دی گئی یہاں تک کہ ہجرت کی رات اللہ کے برگزیدہ نبی کو قتل کرنے سازش کی گئی۔ یہ سب کچھ کرنے والے کون تھے؟ اپنے لوگ، اپنے سگے، اپنا خون آپ ﷺ کے چچا ابولہب، ابوجہل جوان ساری مخالفتوں میں پیش پیش ہوتے تھے۔

اسی طرح آپ ﷺ کے اصحاب رضی اللہ عنہم کے ساتھ بھی معاملہ کچھ مختلف نہ تھا۔ یہ **مصعب بن عمیر** رضی اللہ عنہ ہیں مکہ کے امیر کبیر لوگوں میں سے لیکن جب اسلام لائے تو اپنی ماں کہنے لگی میں تجھے خرچہ نہ دوں گی۔ لیکن وہ واپس نہ لوٹے۔ یہ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ تھے جن کا مالک امیہ انہیں بچوں کے حوالے کر دیا کرتا تھا تاکہ وہ ان کے ساتھ کھیلیں اوران کے سینے پہ بھاری بھرکم پتھر رکھ دیتا، عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اسلام لائے توانکی بیوی، بیٹا اور جائیداد سب کچھ چھین لیا گیا۔ یہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ تھے، اپنی ماں سے بہت زیادہ محبت کرنے والے لیکن جب اسلام لائے تو ماں نے کہا بیٹا محمد کا دین چھوڑ دے وگرنہ میں کھانا پینا بند کر دوں گی۔ ماں نے اپنی دھمکی پوری کر دکھائی اور کھانا پینا تین دن تک چھوڑے رکھا۔ ادھر سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ آئے کہنے لگے اے ماں **(ان کانت لک مئة روح فخرجت نفساً نفساً لا أدع دين محمد ابـــدا)** اگر تیری سوروحیں ہوں اور ایک ایک کر کے ساری نکل جائیں تو میں پھر بھی محمد ﷺ کا دین نہیں چھوڑوں گا۔ لہٰذا جو ہم سے کہیں بہتر تھے ان کے ساتھ ایسا ہوا تو ہم کیا ہیں اور اگر مجاہد پہ مصیبت بن آئی ہے تو کوئی اچھنبے کی بات نہیں ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا **(امتی امة مباركة لاتدری اولها خير ام آخرها)** میری امت ایک مبارک امت ہے تو نہیں جانتا کہ اس کے اول میں خیر ہے یا اس کے آخر میں **(رواه ابن عساكر عن عمرو بن عثمان وأشار اليه السيوطی بلفظٍ حسن)** یعنی اس امت کا معاملہ خیر ہی خیر کا ہے (واللہ اعلم)۔ اس لیے باجوداس بات کے کہ مشرق ومغرب میں صہیونی، صلیبی اوران کے تنخواہ دار اتحادی اس بات پہ اکٹھے ہو گئے تاکہ اللہ کے نور کو پھونکوں سے بجھا دیں۔ لیکن ان کی امیدوں پہ پانی پھیرتی ہوئی اسلامی

بیداری جو آج سمع وبصر پہ حاوی ہوتی جارہی ہے اور جس سے منافقین کے دل تھر تھر کانپتے ہیں۔ آج وہ سارے نظام جو انقلاب کا دعویٰ کرتے تھے ناکامی کے گڑھوں میں اوندھے منہ پڑے ہیں۔ بعثیت ڈوب گئی۔ اسلامی مما لک میں سرخ انقلاب کا نام لینے والے مر گئے۔ علاقائیت اور قومیتوں والے اپنی اپنی باری کا انتظار کررہے ہیں۔

اس لیے ناامید ہونے کی ضرورت نہیں بلکہ یہ فدائی تو امید کا مرکز ہیں کہ جس امت میں ایسی اعلیٰ ہمتوں کے مالک لوگ ہوں وہ کبھی بھی شکست نہیں کھاسکتی۔ امام حسن البنا شہید رحمہ اللہ نے کہا تھا ''وہ امت جو اپنی موت کو پانے کا فن جانتی ہے اور یہ بات اچھی طرح جانتی ہے کہ کیسے ایک شرف والی اعلیٰ موت حاصل کی جاتی ہے تو پھر ایسی امت کو اللہ اس دنیا میں بھی ایک عزت والی زندگی عنایت کرتا ہے اور آخرت میں اسکے لیے نعمتوں والی ہمیشہ کی جنت رکھ چھوڑتا ہے۔ وہ وہن جس کے باعث ہم ذلیل ہوگئے، دنیا کی محبت اور موت سے نفرت کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ پس تم اپنے نفسوں کو ایک عظیم عمل کے لیے تیار کرلو اور موت کی حرص کرو تمہیں زندگی ملے گی۔ یہ بات جان لو کہ موت سے کوئی راہِ فرار نہیں اور یہ صرف اس دنیا میں ایک بار ہی آنی ہے، پس اگر تم اسے اللہ کی راہ میں حاصل کرو تو یہ دنیا کا منافع اور آخرت کا ثواب بن جائے گی اور تمہیں کوئی مصیبت نہیں پہنچے گی سوائے اس کے جو اللہ نے تمہارے لیے لکھ دی ہے۔ اللہ عزوجل کے اس قول میں اچھی طرح غور وتدبر کرو (**ثم انزل علیکم من بعد الغم امنة نعاساً**) پھر ہم نے تمہاری تنگی کے بعد تم پہ اونگھ نازل کی (**ال عمران 154**) پس کرامت والی عظیم موت کے لیے عمل کرو تو تم سعادتِ کاملہ کے ساتھ کامیاب ہوجاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو کرامت والی شہید کی موت عطا فرمائے'' (آمین)

اے نوجوان مسلم! یہ مسجدِ اقصیٰ قید میں ہے؟ تو کیا کوئی صلاح الدین ایوبی رحمہ اللہ ہے؟ اے مسلمانو! اپنے بستروں پہ مرنے سے بچو! فلسطین تمہیں پکار رہا ہے اقصیٰ چیخ چیخ کے تمہیں بلا رہی ہے اس کی نداء کا جواب دو اور اقصیٰ کے مبارک

میدانوں میں شہید کی موت مرجاؤ۔ پس کفرتو اپنی آخری سی کوشش کر لینا چاہتا ورنہ اسے معلوم ہو چکا ہے کہ آخری شکست اسی کی ہے۔ اسی لیے اب وہ ہاتھ پیر مار رہا ہے۔ کبھی کسی پہ دھونس جماتا ہے یہ نہ کرو، اس پہ پابندی لگاؤ اور کبھی جارج ڈبلیو بش اپنی تقریر میں (اقبال سے معذرت کے ساتھ) یوں حکم صادر فرماتا ہے۔

وہ فاقہ کش کہ موت سے ڈرتا نہیں ذرا
روحِ محمد اس کے بدن سے نکال دو
فکرِ عرب کو دے کر فرنگی تخیلات
اسلام کو حجاز و یمن سے نکال دو
افغانیوں کی غیرتِ دینی کا ہے یہ علاج
مُلا عمر کو اس کے کوہ و دمن سے نکال دو
اہلِ حرم سے ان کی روایات چھین لو
آہو کو مرغزارِ ختن سے نکال دو

بش کا یہ پیغام اپنے چیلوں کے نام بہت واضح ہے۔ اس لیے اللہ کے اس فرمان پہ تدبر کرو، (**فلیقاتل فی سبیل اللّٰہ الذین یشرون الحیوۃ الدنیا بالاخرہ ومن یقاتل فی سبیل اللہ فیقتل او یغلب فسوف نوء تیہ اجراً عظیما**) ''پس لڑو ان لوگوں سے جو آخرت کو دنیا کی زندگی کے بدلے بیچ دیتے ہیں اور جو کوئی اللہ کی راہ میں قتال کرتے ہوئے قتل کیا جاتا ہے یا وہ مغلوب ہو جاتا ہے تو ہم عنقریب اسے اجرِ عظیم سے نوازیں گے'' (النسآء: 74)۔ جہاں تک جہاد کا مسئلہ ہے تو اس کا حکم بہت واضح ہے کہ ''جب مسلمانوں کی کسی سرزمین کے ایک چپے پہ دشمن قابض ہو جاتا ہے تو جہاد اس علاقے کے لوگوں اور اس کے قریب کے لوگوں پہ فرضِ عین ہو جاتا ہے پس اگر وہ کافی نہ ہوں یا وہ سستی و کاہلی دکھائیں تو فرضِ عین وسعت اختیار کر جاتا ہے ان لوگوں پہ جو ان سے ملحقہ علاقوں میں ہیں یہاں تک کہ اسی طرح

یہ زمین کے مشرق و مغرب پہ حاوی ہو جاتا ہے پھر ایسی حالت میں کسی خاوند کا اپنی بیوی سے اجازت لینا، کسی اولاد کا والدین سے اجازت لینا اور کسی قرض دار کا قرض خواہ سے اجازت لینا ضروری نہیں''۔

جب تک زمین کا کوئی بھی علاقہ جو کبھی اسلام کے زیرِ تسلط تھا، کافروں کے قبضہ میں ہے، اس وقت تک چاہے وہ بوڑھے ہوں یا جوان تمام مسلمانوں کی گردنوں پہ یہ بارِ گراں باقی ہے۔ پھر جس کی جتنی قدرت واستعداد ہے اسی قدر اس کا گناہ بڑا ہے۔ پس علماء، قائدین، اور بڑے بڑے داعیوں کا گناہ بہت شدید ہے بنسبت عامۃ الناس کے۔

آخر میں میں اللہ عزوجل سے دعا گو ہوں کہ وہ اپنے دین کی مدد سے ہماری آنکھوں کو ٹھنڈک عطا کرے، اپنے مجاہد بندوں کی فرشتوں کے لشکروں کے ساتھ مدد کرے اور مشرق و مغرب کے طاغوتوں پہ ہمیں ایسا دن دکھائے کہ جس سے ہمارے سینے ٹھنڈے ہو جائیں اور میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ ہماری ان کتابوں کو ہمارے لیے صدقہ جاریہ بنا دے، ہماری اصلاح فرما دے اور ان کتب کے ذریعے ایسی اعلیٰ فہم کے نوجوان پیدا کرے جو میدانوں میں اتر جائیں اور امت کے لیے بحالی خلافت کی درخشندہ صبح کو روشن کر دیں اور اللہ تعالیٰ ہم سب کو بستر کی موت سے بچائے اور ہمیں جہاد کے میدانوں میں لے جائے (آمین)۔

واللّٰہ غالب علی امرہ ولکن اکثر الناس لا یعلمون

اور اللہ اپنے امر میں غالب ہے لیکن اکثر لوگ اس بات سے بے خبر ہیں

(یوسف 21)

راجی رحمۃ ربہ

ابومحمد عمر الخطاب البدری

29شعبان 1427 ھجری

maazan@maktoob.com

کیا حوا کی بیٹی شہید ہوئی یا اس نے خودکشی کی؟

تالیف:
الشیخ العالم المجاهد یوسف بن صالح العییری شهید رحمہ اللہ
أشرف علی هذه الرسالة
فضیلة الشیخ سلمان بن ناصر العلوان (حفظہ اللہ تعالیٰ)
ترجمة الی الاردیة
ابو محمد عمر الخطاب البدری (حفظہ اللہ تعالیٰ)

تعارف مولف

دین کا ایک ایسا مجاہد عالم کہ جس کے بارے عرب مجاہدین کہتے ہیں کہ اگر ایسا شخص کسی اور امت میں ہوتا تو وہ اسے زمین پہ پاؤں رکھ کے چلنے نہ دیتے لیکن اس امت نے اس کی کیا ہی عزت کی...... کہ جزیرہ محمد ﷺ میں یہودیوں کے کہنے پر اس کا خونِ ناحق بہا ڈالا۔ یہ شہید کے فراق میں بہائے گئے غم کے آنسو ہیں، ذلت کے اس دور میں بلندی وعزت کی داستان ہے اللہ تجھ پہ رحم کرے اے **یوسف العییری** تو نے افغانستان کے محاذوں پہ شہادت کو تلاش کیا پھر تو شہادت کو صومالیہ میں تلاش کرتا رہا لیکن وہ تیرے پاس ایسی حالت میں پہنچی جب تو پیٹھ پھیر کر ہرگز نہیں بھاگ رہا تھا موت نے شہادت کا تاج جب تیرے سر پہ سجایا تو تو جزیرۃ العربیۃ میں تھا۔

جب میں نے اپنے بھائی **الشیخ المجاهد یوسف بن صالح بن فهد العییری** کی اتوار 30/3/1424 ہجری کی رات کو شہادت کی خبر سنی تو مجھے اپنے آپ پر قابو نہ رہا تو میں اس کے غم میں پھوٹ پھوٹ کے رونے لگا۔ کہ ان مشکل ترین ایام میں وہ ہم سے جدا ہو گیا ہے۔ ایسے ایام میں کہ جس میں جزیرۃ العربیہ میں ارتداد کی ایک ایسی لہر اٹھی ہے جس کا مطمع نظر یہ ہے کہ ہر اس مجاہد کو جو صلیبیوں کے خلاف جہاد کا علم سر بلند کیے ہوئے ہے اور مسلمانوں سے ذلت دور کرنے کی سعی کر رہا ہے، اسے مارا جائے، قتل کر دیا جائے یا اندھیرے قید خانوں میں پھینک دیا جائے۔

اسی لمحے میں نے ارادہ کیا تھا کہ میں اس مجاہد عالم بھائی کی زندگی کے گم شدہ اوراق کو سامنے ضرور لاؤں گا۔ وہ شخص کہ ابھی تک ہم نے اس کا نام منظرِ عام پہ نہ لایا تھا جبکہ ہم یہ چاہتے تھے کہ اس کا نام لوگوں کے درمیان معروف ہوتا کہ انہیں پتہ چلے کہ وہ کیسا عالم تھا کہ اس زمانے میں حق کا علم بلند کیے ہوئے تھا۔ لیکن شیخ یوسف ہر بار بہت شدت کے ساتھ

اس سے انکار کردیتے اور کہتے اسکی کوئی ضرورت نہیں مجاہدین کی سیکیورٹی کے حوالے سے۔

شیخ یوسف العییری نے ابتدائیہ اور متوسطہ درجہ تک پڑھا اور میں نہیں جانتا کہ انہوں نے ثانویہ کو مکمل کیا یا نہیں؟ اس کے بعد وہ افغانستان نکل گئے جبکہ ابھی نوجوان تھے اور ان کی عمر بمشکل 18 سال تھی اور یہاں سے جہاد انکے دل میں گھر کر گیا اور انکی روح میں رچ بس گیا۔ اللہ تعالیٰ نے شہید کو بہت ہی عقل والا، صاحبِ رائے اور قوی حافظے والا انسان بنایا تھا یہاں تک کہ وہ معسکر الفاروق میں روس کے خلاف افغان جہاد کے دور میں ہی ایک عسکری استاد کے طور پہ سامنے آئے۔ انہوں نے تربیت کے میدان میں چند سال گذارے اور اسمیں وہ سنجیدگی اور جہد کے ساتھ بہت مشہور ہوئے۔ یہاں تک کہ ایک دفعہ معسکر الفاروق میں انہوں نے ایک عسکری دورہ (کورس) شروع کروایا اور اس میں داخل ہونے والے بھائیوں سے کہا کہ اس دورہ میں میرے ساتھ صرف اولوا العزم لوگ ہی چل سکیں گے۔ میں اس دورہ کو بھاری اسلحہ سے شروع کروں گا اور ہلکے اسلحہ پہ ختم کروں گا۔ مجھے گمان ہے کہ انہوں نے ٹینک کے ساتھ شروع کیا اور چار ماہ گذرنے کے بعد اس دورہ کو پستول پہ ختم کیا جب اس دورہ میں ان کے ساتھ صرف چند ہی بھائی باقی تھے۔

بہت سے بھائی ان کے بارے میں عجائب ذکر کرتے ہیں۔ اسلحہ اور اسکے متعلق معلومات میں ان کا قوتِ حافظہ بلا کا تھا۔ جبکہ وہ معرکے جن میں اپنے قدموں کو غبار آلود کرنے کا اللہ عزوجل نے انہیں شرف بخشا تھا ان میں آنے والی تکالیف اور مصیبتوں پہ وہ انتہائی صابر تھے۔ جب مختلف گروہوں اور علاقوں کے درمیان جنگ و جدال کا سلسلہ شروع ہوا تو اس وقت شیخ یوسف **الشیخ الامام اسامہ بن محمد بن لادن** (حفظہ اللہ) کے ذاتی محافظ تھے۔ جب شیخ اسامہ نے سوڈان کی طرف نکلنے کا ارادہ کیا تو اس وقت انکے ساتھ القاعدہ کی بعض اہم شخصیات بھی تھیں اور شیخ یوسف بھی ان کے ساتھ تھے۔ انہوں نے بطور شیخ اسامہ کے شخصی باڈی گارڈ کے چار ماہ گذارے۔ اس عرصہ کے دوران شیخ اسامہ نے جان لیا کہ شیخ یوسف کے اندر کیسے عبقری مفکر کی

صلاحیتیں پنہاں ہیں اس لیے وہ انہیں اپنے بعض امور سے مطلع کر دیتے تھے۔ مجھے بہت اچھی طرح یاد ہے کہ شیخ یوسف مجھے شیخ اسامہ کی سوڈان میں گذاری ہوئی مصروفیات اور انکے جہاد کے بارے میں بیان کیا کرتے تھے کہ جن کو سن کر ایک آدمی دم بخود رہ جاتا ہے۔ میں انکی باتیں بہت غور سے سنتا تھا اور انکی آنکھوں میں شیخ اسامہ کی محبت کا شوق دیکھا کرتا تھا۔ مجھے یہ بھی اچھی طرح یاد ہے کہ شیخ یوسف مجھے بیان کیا کرتے تھے کہ ابو حفص المصری رحمہ اللہ کیسے عبقری قسم کے عسکری ماہر تھے کہ کیسے وہ صومالیہ میں عسکری کاروائیاں کرتے اور انکی پلاننگ کرتے تھے اور کیسے انہوں نے قرنق (جنوب کے عیسائی علاقے) میں منصوبہ بندی کی اور وہاں خونریزی کی، شیخ اسامہ اور شیخ ابو حفص کے منصوبوں کے مطابق۔ شیخ یوسف نے صومالیہ میں امریکی ظالم افواج کے خلاف برپا ہونے والے معرکوں میں بھی شرکت کی اور انکی شکست و ریخت میں اپنا حصہ ڈالنے کا شرف انہیں بھی حاصل ہوا، وہ بھی ایک ایسے وقت میں جبکہ امت کے نوجوان امت کے مصائب و آلام سے غافل لہولعب میں مشغول تھے۔

اس کے بعد شیخ یوسف جزیرۃ العرب (حجاز) میں واپس آ گئے اور آکر انہوں نے مشہور علماء سے ملاقاتیں کیں جن میں خاص طور پہ **شیخ سلمان العودۃ** قابلِ ذکر ہیں۔ شیخ یوسف نے شیخ سلمان کو اسامہ کی مصروفیات کے بارے میں بتایا۔ شیخ سلمان نے شیخ یوسف سے کہا (**شرف لی ان اکون احد جنود ابی عبد اللہ**) مجھے یہ شرف بخشو کہ میں ابو عبداللہ کی فوج کا ایک سپاہی بن جاؤں۔ اسی طرح کی بات کو اللہ کی قسم میں نے شیخ یوسف سے دو بار سنا جن کے درمیان تقریباً ڈیڑھ سال کا فاصلہ ہے۔ جب بوسنیا کے واقعات ہوئے تو شیخ یوسف نے دمام شہر میں بھائیوں کے ساتھ مل کے بہت کام کیا اور اسطرح کو سوا جہاد کے متعلق بھی کیا جہاں انکے کے لیے چندہ و اموال کو جمع کیے اور انہیں ہر طرح سے فائدہ پہنچایا جو وہ کر سکتے تھے۔ شیخ نے ایک بار جسمانی و عسکری تیاری کے لیے دو ہفتہ کا ایک پروگرام تیار کیا ان بھائیوں کے

لیے جو بوسنیا جہاد پہ روانہ ہونا چاہتے تھے۔

اس کے بعد الخبر شہر کے واقعات رونما ہوئے جہاں زوردار بم دھماکے ہوئے تو شیخ یوسف کو قید کرلیا گیا اور انٹیلی جنس کی جیلوں میں انہیں شدید تعذیب دی گئی اس الزام پہ کہ وہ ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے یہ دھماکے کروائے ہیں۔ وہ بھائی جوان کے ساتھ جیل میں تھے کہتے ہیں ہم دیکھتے تھے تعذیب کے ہر مرحلے کے بعد انہیں سٹریچر پہ اٹھا کے لے جایا جاتا تھا۔ انہیں ان مراحل میں بہت سخت ٹارچر کیا گیا جہاں انہیں کوڑوں کے ساتھ مارا گیا، ڈنڈوں کے ساتھ پیٹا گیا، انکی پاکیزہ داڑھی کو نوچ دیا گیا اور اس کے علاوہ طرح طرح کے عذاب دیے گئے یہاں تک شیخ یوسف آلِ سعود کے انٹیلی جنسی کتوں کے سامنے اعتراف کرنے پہ مجبور ہوگئے کہ انہی نے یہ دھماکے کیے ہیں۔ یہاں میں (مترجم) کہتا ہوں کہ قاری کو نوٹ کر لینا چاہیے کہ یہ سب ایک ایسے ملک میں ہو رہا تھا جسے ہمارے ملک کے چند سعودی تنخواہ دار مُلاں ''بلدۃ التوحید'' کہتے ہیں اور ہر وقت آلِ سلول کے قبیح افعال کی مدح میں رطب اللسان رہتے ہیں **فلینتبه جیداً!**

شیخ یوسف کہتے ہیں کہ جیل میں کچھ عرصہ ہی گذرا تھا کہ میں نے ایک افسر سے کہا کہ میں **مدیر السجن** (جیلر) کو ملنا چاہتا ہوں اور اس کے سامنے بعض اہم اعترافات کرنا چاہتا ہوں تو اس افسر نے فوراً جواب دیا۔ مجھے میرے پنجرہ نماہ کمرہ کے اندر ہی آواز دی گئی اور پھر مجھے وہ ایک فاخرانہ انداز میں ایک کمرے میں لے آئے پھر مجھے مدیر کے ایک بہت بڑے کمرہ میں منتقل کر دیا گیا جہاں اس کے ارد گرد بہت سے افسر براجمان تھے اور ان سب کے ہاتھ میں کاپیاں اور قلم تھے اور وہ چاہتے تھے کہ جو میں کہوں اسے لکھ لیا جائے۔ جب انہوں نے مجھے بٹھایا تو میں زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا تو مجھے جیلر کہنے لگا تمہارے پاس کیا اعترافات ہیں بیان کرو۔

شیخ کہتے ہیں میں نے بہت ٹھنڈے لہجے میں کہا میں جانتا ہوں کہ تم اس بات سے بہت پریشان ہو کہ دھماکے کس نے کیے ہیں لیکن میں تمہاری خاطر یہ

اعتراف کرتا ہوں کہ میں نے ہی یہ دھماکے کیے ہیں اور میں اس بات کے لیے تیار ہوں کہ اس کی سزا میں میری گردن اڑا دی جائے۔جب میں نے شیخ یوسف سے اس کے سبب کے متعلق سوال کیا تو وہ کہنے لگے''اللہ کی قسم ہم عذاب کے متحمل نہ تھے اور قریب تھا کہ ہم دین کے معاملہ میں کسی فتنہ میں مبتلا ہوجاتے تو ایسی حالت میں تعذیب سے بہتر موت ہمارے لیے زیادہ رحم کی صورت تھی''۔شیخ کہتے ہیں کہ ابھی میں نے اپنی بات ختم نہیں کی تھی کہ مدیرالسجن نے ایش ٹرے میں پڑا سگریٹ کا غبار میرے منہ پہ دے مارا اور کہا اسے لے جاؤ اور اسے ادب سکھاؤ۔

تعذیب کا یہ سلسلہ جاری رہا جس کا وصف بیان سے باہر ہے یہاں تک اللہ کے اذن سے بم دھماکوں کا اصلی ملزم پکڑا گیا جیسے کہ انٹیلی جنس والے بیان کرتے ہیں۔جیسے کہ شیخ یوسف بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ ایک افسر میری بیرک کے پاس آیا اور مجھے خوش ہوکے کہنے لگا میں تمہیں خوشخبری دیتا ہوں کہ ہم نے اصلی مجرم کو پکڑ لیا ہے اور وہ تم میں سے نہیں بلکہ رافضہ (شیعہ) میں سے ہے لیکن اس بات کا کسی کو ہرگز نہ بتانا۔پھر انہوں نے مجھے بیرک میں واپس لوٹا دیا۔

اس دن کے بعد سے جہادی نوجوانوں پہ تعذیب کا سلسلہ منقطع ہوگیا خاص طور پہ بم دھماکوں کے مسئلہ میں۔جیلر نے اپنے افسروں کو اکٹھا کیا اور انہیں کہنے لگا ہر ملزم کو بم دھماکے سے پہلے موجود کوئی نہ کوئی الزام لگادو تاکہ ان کا محاکمہ کیا جاسکے۔ پھر واقعتاً انہوں ہر بھائی پہ کوئی نہ کوئی الزام تھوپ دیا مثلاً تکفیر وغیرہ۔پھر اس کے بعد ان پہ سلولی محکموں نے فیصلے سنائے۔اس کے بعد شیخ نے جیل میں کچھ عرصہ رافضہ یعنی شیعہ کے ساتھ گزارا اور ان کے ساتھ جیل میں کوئی''آیۃ''یا''سید''تھا۔شیخ یوسف ان کے ساتھ مناقشہ ومناظرہ کیا کرتے تھے یہاں تک کہ ان کے آیۃ نے اپنے گروہ کے باقی لوگوں کو خطوط کے ذریعے خبردار کیا کہ حالات وامکانیات کے حوالے سے اہداف اور اس کے اختیار میں احتیاط سے کام لیا جائے۔اس سے شیخ یوسف کہتے ہیں کہ میں

انہیں ظاہر کرتا کہ میں سویا ہوا ہوں تو ان کا یہ عالم ''آیۃ'' بات شروع کر دیتا اور درس دینے لگتا تو میں اس کو سننے لگ جاتا یہاں تک کہ جب مجھے فرصت ملتی تو میں اس پہ رد کرتا۔ وہ شیخ یوسف سے بہت تنگ ہوئے کیونکہ وہ قوی حجت کے مالک تھے اور ان کا بیان جاندار ہوتا تھا۔ اس کے بعد شیخ کو عام جیل میں اہل السنۃ کے ساتھ منتقل کر دیا گیا۔ کچھ وقت بعد ہی شیخ نے بھوک ہڑتال کر دی اس مطالبہ پہ کہ وہ تنہائی کی جیل چاہتے ہیں تا کہ وہ اپنے وقت کا بہترین استعمال کر سکیں اور اپنے رب کی عبادت کے لیے خالی ہو سکیں۔ تو ان کی ڈیمانڈ پوری کر دی گئی اور اسطرح انہوں نے تنہائی کی جیل میں ڈیڑھ سال کا عرصہ گزارا اور بعد میں انہیں نکال دیا گیا۔

جب میں نے شیخ یوسف سے قیدِ تنہائی کے فیصلہ کے بارے میں پوچھا کہ آپ کو اس فیصلہ پہ قلق نہ ہوا تو انہوں نے ایک ہی جملہ میں مجھے کہا ''اللہ کی قسم میرے پاس وقت نہ ہوتا تھا کہ میں صرف جنابت سے ہی غسل کرتا اور بہت تھوڑا سوتا تھا اور میں وقت سے مقابلہ کرتا تھا''۔ اس قیدِ تنہائی میں انہوں نے حفظ کیا اور علمی کتب کا مطالعہ کیا۔ پس انہوں قرآن حفظ کر لیا اور بخاری و مسلم کو حفظ کر لیا اور ہر وقت اہل علم کی کتب کے مطالعہ پہ جھکے رہتے۔ ایک دن جیل کا ایک سپاہی ان سے کہنے لگا ''اللہ کی قسم مجھے تیرے حال پہ اور جس پہ تو ہے بہت رحم آتا ہے''۔ تو شیخ یوسف نے اسے کہا اس اللہ کی قسم جس نے تیرے حال پہ رحم کیا ہے اگر مجھے کہا جائے کہ کل دن کے اٹھائیس گھنٹے ہوں گے تو میں مان لوں گا کیونکہ میں، اے مسکین وقت کو ڈھونڈتا ہوں۔ یہ اس لیے تھا کہ وہ سپاہی شیخ کی حالت سے بہت حیران ہوا یہاں تک کہ شیخ سورج کی روشنی کے لیے بھی باہر نہیں نکلتے صرف اس طمع میں کہ وہ وقت کا زیادہ سے زیادہ استعمال کر سکیں۔ وہ مجھے کہا کرتے تھے'' اللہ کی قسم میں جیل میں ایمان کے ساتھ بھرپور لمحے گذارتا تھا اور جیل میں ایسی لذت تھی کہ اسے اللہ کے علاوہ کوئی اور نہ جانتا تھا اور اللہ کی قسم جب خوشخبری دینے والا ایک دن میرے پاس آیا تا کہ مجھے رہائی کی بشارت سنائے تو میں اس کے سامنے غیر شعوری طور پہ

پھوٹ کر رو دیا اور اسے کہا(**الله لا يبشرك بالخير!**)اللہ تجھے کبھی خیر کی بشارت نہ دے۔ یہ مجھ سے غیر ارادی طور پہ ہوا کیونکہ میں جیل میں بہت بڑے فائدہ کی نعمت کو حاصل کر رہا تھا اس علم کے حوالے سے جسے میں نے جیل میں حاصل کیا''۔

جب شیخ یوسف جیل سے رہا ہوئے تو انہوں نے اپنے تعلقات جہاد اور مجاہدین سے پھر استوار کر لیے اور خاص طور پہ شیخ اسامہ بن لادن حفظہ اللہ کے ساتھ۔ پھر چیچنیا کا مسئلہ رونما ہوا اور اس سے پہلے داغستان کے واقعات رونما ہوئے تو شیخ ان کے ساتھ ''حق کی زبان'' لیے کھڑے ہو گئے۔ وہ ''صوت القوقاز'' میں دراسات شرعیہ لکھتے تھے یہاں تک کہ انہوں نے ان کے لیے'' **هداية الحيارى في حكم الاسارىٰ** ''اور'' **العمليات الاستشهادية انتحار ام شهادة** ''جیسی کتب لکھیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے بہت سی سیاسی و دینی کتب تحریر کیں جن میں انکا آخری موضوع تھا'' **المسرح في ماسكو وما ذا استفاد منها المجاهدون** ''۔

شیخ یوسف کے چیچن عرب قائد خطاب رحمہ اللہ سے بھی بہت قریبی تعلقات تھے اور ان کے ساتھ عسکری معاملات میں انکی مراسلت جاری رہتی۔ شیخ کو اللہ نے بہت عسکری مہارت بھی عطا کی تھی جسکو ان کے ساتھ بیٹھنے والا کوئی بھی فرد محسوس کر لیتا۔ جب عام جنگ ختم ہوئی اور گوریلا جنگ شروع ہوا چاہتی تھی اور مجاہدین کے حالات بھی بہت تنگ تھے تو شیخ یوسف نے خطاب کی طرف جنگ کے اٹھارہ احتمالات لکھ کے بھیجے اور انہیں بتایا کہ ہر احتمال میں کیا کریں۔ اس سے قائد خطاب نے بہت استفادہ کیا اور ان کا شکریہ ادا کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ شیخ یوسف چیچنیا کے لیے اموال بھی جمع کرتے تھے یہاں تک کہ انہوں ان کے لیے بہت بڑی رقوم جمع کیں۔ اس دوران ان کے اور بعض علماء کے درمیان بہت سے مباحث بھی ہوئے جہاں ان علماء نے انہیں رسوا کیا جس بھی طریق سے وہ کر سکتے تھے۔ اس میں خاص طور پہ ان کا شیخ سلمان العودۃ کے ساتھ معاملہ ہے کہ جب قائد خطاب نے کہا کہ ہمیں اتنے ملین ڈالر

دے دوتو ہم سردیوں کے آخر تک داغستان میں ٹھہر جاتے ہیں اور روس کے سامنے ڈٹ جاتے ہیں۔تو شیخ یوسف ایک امیر آدمی کے پاس گئے تو وہ 8 ملین ریال دینے پہ راضی ہو گیا اس شرط پہ کہ شیخ سلمان اسے ایک ورق لکھ دیں یا اس سے رابطہ کریں تو شیخ یوسف شیخ سلمان کے پاس گئے لیکن کچھ بھی فائدہ نہ ہوا جہاں شیخ سلمان نے انکار کر دیا یہ کہتے ہوئے کہ وہ دراصل چیچنیا کے مسئلہ پہ قانع یعنی مطمئن نہیں ہیں۔

اس طرح انہوں نے اپنا جہادی سفر جاری رکھا۔ ایک ایسا سفر جس میں قربانیاں اور بھاری بھرکم اعمال تھے جسے انسانوں میں سے بہت کم افراد کرنے کی ہمت رکھتے ہیں۔شیخ یوسف نے اپنا تعلق چیچنیا کے مسئلہ کے ساتھ جوڑے رکھا اور ان کا تعلق اس وقت کچھ کم ہوا جب انہوں نے اپنی توجہ افغانستان اور امارتِ اسلامیہ طالبان کی طرف منتقل کردی۔ جہاں وہ اپنا اکثر وقت اس تحریک کے مطالعہ ومشاہدہ میں گذارتے تھے اور اسکی سچائیوں کو جاننے کی کوشش کرتے تھے۔ پھر وہ مبارک دن آئے کہ جس میں بدھ مت کے بت افغانستان میں اڑا دیئے گئے تو شیخ یوسف نے اس مسئلہ کا بہت اہتمام کیا اور اس کے بعد انہوں نے طالبان کے لیے بہت کام کیا اور افغانستان میں افطار اور قربانیوں کے پروگرام شروع کیے۔پھر انہوں امیر **المومنین ملا محمد عمر حفظه الله تعالى** سے رابطہ کیا اور طالبان کے وزراء سے رابطہ کیا اور اس بات کی کوشش کی کہ انکے اور **شیخ حمود بن عقلا الشعیبی** رحمہ اللہ کے درمیان باہمی ربط پیدا کیا جائے۔ 1421 ہجری میں شیخ یوسف نے طالبان کے بعض وزراء سے ملاقات کی جو حج کے لیے آئے تھے۔اس کے بعد انہوں **شیخ حمود العقلا** رحمہ اللہ اور امیر المومنین کے درمیان ٹیلیفون کے رابطے کا بندوبست کیا اور یہ ایام التشریق کے بعد کی بات ہے جبکہ یہ رات 9 بجے کا وقت تھا۔

شیخ یوسف مجھے بتاتے ہیں کہ ہم مکہ سے نکلے اور ہمارے پاس وقت بہت کم تھا اور ہمارے لیے یہی تھا کہ رکے بغیر چلتے رہیں کیونکہ شیخ حمود قصیم شہر میں تھے اور ہم

سخت تھکے ہوئے تھے کہ ہم نے یہ فیصلہ کیا میں اور میرا ساتھی باری باری گاڑی چلائیں گے اور اس دوران دوسرا سو جائے گا اور آرام کرے گا۔ پس ہم چلے تو میری آنکھیں نیند کے غلبہ سے بند ہوگئی اور وہ اس وقت کھلیں جب گاڑی الٹ چکی تھی۔ پس ہمارے اور شیخ کی ملاقات کے درمیان ایک بُعد پڑ گیا۔ اس کے بعد شیخ کا انٹیلی جنس والوں کے ساتھ عجیب قصہ چلا لیکن اللہ کی توفیق سے وہ گیارہ ستمبر سے پہلے رہا ہو گئے کسی اہم کام کے لیے جس کا اللہ نے ان سے ارادہ کیا تھا۔ جب شیخ جیل سے رہا ہوئے تو شیخ نے جہاد کے بارے میں اپنے قلم کو پھر سے جنبش دی اور منافقین ومخذلین کے شبہات کو اچھی طرح رد کیا اور شیخ انٹرنیٹ پہ پال ٹاک میں کبھی کبھی ''عزام'' کے نام سے چیٹ کرتے تھے۔ اس دوران شیخ یوسف رحمہ اللہ نوجوانوں کو تحریض دلانے اور انہیں افغانستان جانے کی ترغیب دینے میں مشغول رہتے تھے تاکہ وہاں معسکرات میں جا کے وہ ٹریننگ لے سکیں اس کے ساتھ انہوں چار سمعی کیسٹیں بھی نکالیں جس میں انہوں نے جہاد اور تیاری کا بیان کیا۔ یہ کیسٹیں ان کی اپنی آواز میں تھیں۔ اس کے بعد افغانستان کی تاریخ میں ایک بہت بڑا واقعہ رونما ہوا اور وہ تھا خبیث قائد احمد شاہ مسعود کا قتل۔ اس کے بعد شیخ کی خوشی دیدنی تھی۔ مجھے یاد ہے کہ میں انکے پاس سے گذرا تو میں ان سے پوچھا کیا خبر ہے۔ کہنے لگے کہ شیخ اسامہ نے بھائیوں سے کہا کون ہے جو احمد مسعود کو قتل کرے کہ اس نے اللہ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت اذیت پہنچائی ہے تو بعض بھائیوں نے اللہ سے اجر وثواب کی امید رکھتے ہوئے اپنے آپ کو اس کے قتل کے لیے پیش کر دیا۔ اس کے بعد خوشی کی خبر تم نے سن لی ہے۔

اس کے کچھ عرصہ بعد کفر والحاد کے گڑھ امریکہ میں وہ مبارک واقعہ رونما ہوا تو قریب تھا کہ شیخ خوشی سے اڑ جاتے۔ میں نے شیخ سے رابطہ کیا تو انہوں نے کہا میں اس وقت قصیم میں علماء کے ساتھ ہوں جہاں کچھ ایسا ہوا کہ بعض علماء نے ان کارروائیوں کے اوپر جرح کی۔ پھر انہوں نے مجھے بتایا کہ وہاں کیا کیا مناظرہ ہوا اور

کیسی ملاقاتیں ہوئیں اوراس کا جہاد اور مجاہدین کی تائید میں ایک اچھا اثر تھا۔اس کے بعد شیخ نے اپنی مفید کتاب ''**حقیقة الحرب الصلیبیة** ''شروع کی جسمیں انہوں نے استشہادی عملیات کو ثابت کیا اور ہر قسم کے شبہ کو رد کیا اور امت کو رغبت دلائی کہ وہ اٹھ کھڑی ہو۔ یہ انکی بہت اچھی کتاب ہے۔ شیخ نے یہ کتاب نو یا دس دنوں میں مکمل کی۔ یہاں تک کہ جب کتاب شیخ اسامہ کے پاس پہنچی تو انہوں نے بھائیوں سے کہا لگتا ہے کہ یہ کتاب اس کارروائی سے پہلے ہی لکھی گئی ہے کیونکہ اسطرح سرعت کے ساتھ ایسا لکھنا ممکن نہیں۔ میں اللہ کی قسم اٹھاتا ہوں کہ انہوں نے یہ کتاب ان واقعات کے بعد لکھی لیکن وہ اس پہ اس طرح جھک گئے یہاں تک کہ ایسی فقہی اور اصولی بحث لکھی کہ کوئی اس کا رد نہیں کرسکتا۔اس طرح انکی اس کتاب کا اثر تھا کہ انکے مویدین علماء کی تعداد میں اضافہ ہوا جنہوں نے اس کتاب میں موجود قرآن وسنت کے دلائل دیکھ کر گیارہ ستمبر کی کارروائی کی تائید کی۔ جب شیخ اس کتاب سے فارغ ہوئے تو انہوں نے اپنی کتاب ''**المیزان لحرکة طالبان** '' کو آخری شکل دینا شروع کی اور اس کو ختم کرنے کے بعد اسے نشر کر دیا۔اس طرح انکی کتب کا سیلِ رواں چل نکلا جو ہر طرف قرآن وسنت کی روشنی پھیلاتا تھا۔اسی طرح ''**دور النساء فی الجهاد** ''جوکہ عبداللہ زید کے نام سے طبع ہوئی، ''**ثوابت علیٰ طریق الجهاد** '' یہ ان کے چند جمع شدہ حلقات (دروس) تھے۔اس کے ساتھ انکے وہ مشارکات جو 'مرکز الدراسات الاسلامیہ' میں انٹرنیٹ پہ نشر کیے گئے۔اس تمام روداد میں سب سے تکلیف دہ امر یہ تھا کہ علماء نے انہیں بہت رسوا کیا یہاں تک کہ مجھے یاد ہے ایک بار میں نے ان کے سامنے علماء کی رسوائیت پسندی کا تذکرہ کیا کہ علماء جہاد سے منہ موڑے ہوئے ہیں تو انہوں نے بہت مئوثر کلام کیا اور پھر دھاڑیں مار کے رونے لگے۔اسطرح شیخ نے بہت سی کتابیں اور رد لکھے جبکہ ان تمام کا مقصد صرف محاذوں پہ موجود مجاہدین کے بارے میں غلط فہمیوں کو دور کرنا تھا۔اسی طرح انہوں نے ایک کتاب ''**سلسلة الحروب**

الصلیبیۃ علی العراق ''جودراسات کی سائٹ پہ نشر کی گئی اس میں شیخ نے 80% حصہ مدون کیا۔اللہ تعالیٰ نے شیخ کو بہت بلیغ اسلوب کے ساتھ نوازا تھا۔وہ بہت صابر اور محنتی تھے اور اسی بنا پہ شرعی وسیاسی موضوعات پہ کتب تحریر کرتے ہوئے بالکل نہ تھکتے تھے۔اللہ ان پہ اپنی وسیع رحمتیں نازل فرمائے (آمین)

شیخ کی ان مذکورہ صفات کے بہت سے علماء بھی معترف تھے اور وہ ان کی فضیلت وسبقت سے اچھی طرح آگاہ تھے۔شیخ یوسف مصیبتوں اور تکالیف پہ بھی بہت صابر واقع ہوئے۔کتنی بار ایسا ہوا کہ ان کا کوئی ساتھی یا دوست کسی جہاد کی سر زمین میں شہید ہو جاتا، یا گرفتار ہو جاتا لیکن وہ ہر حال میں اللہ کی مشیت پہ راضی رہتے اور اپنے مولا کے آگے سرِ تسلیم خم کیے رہتے تھے۔شیخ یوسف بہت نرم دل تھے کسی بات کا اثر جلد پکڑنے والے اور بہت زیادہ آنسو بہانے والے تھے۔خاص طور پہ جب کبھی جہاد اور مجاہدین کی قربانیوں کا ذکر کیا جاتا۔وہ منظر میں کبھی نہ بھلا سکوں گا جب انہوں نے ایک بار امریکہ میں قید ہمارے بھائی ''ابو ھاجر العراقی ''اور اسکی سیرت کا تذکرہ کیا پھر وہ بہت شدید روئے۔جب وہ اللہ اور آخرت کے اور جہاد کے متعلق کوئی وعظ کرتے تو ان کا خشوع اور رونا قابلِ دید ہوتا تھا۔وہ جہاد کے ساتھ رابطہ رکھنے، صحیح عقیدہ اپنانے اور دینی علوم کے حصول پہ بہت زور دیا کرتے تھے وہ کہا کرتے تھے کہ ہمیں چاہیے کہ لوگوں کو بیان کریں کہ جہاد فی سبیل اللہ لا الــہ الا اللّٰــہ مـحـمـد رسـول اللّٰہ کے نفاذ اور اس کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے ہے اس طرح ہم ہر دو جہتوں سے لوگوں کے لیے جہاد کی اہمیت واضح کریں۔وہ مجھے اکثر شیخ عبد اللہ عزام شہید کا یہ قول نقل کیا کرتے تھے ''جو بندہ ایک صورتِ حال دیکھ کے جہاد کی طرف آتا ہے تو دوسری صورت اسے واپس لوٹا دیتی ہے''۔اس سے انکی مراد یہ ہوتی تھی کہ بعض لوگ جہاد پہ اسطرح جاتے ہیں کہ کوئی صورتِ واقعہ دیکھ کر ان کے دل اسکے لیے نرم ہو جاتے ہیں جیسے کہ انہوں نے کہیں کسی مسلمان کی تعذیب ہوتے یا کسی مسلمان عورت کی عزت

لٹنے کا منظر دیکھ لیا۔ یہ ایک اچھی تاثیر ہے لیکن اس سے بھی اچھا عمل یہ ہے کہ مجاہد اپنے اندر گہرا جہادی نظریہ وعقیدہ لے کر کر نکلے اور وہ اس کے وجوب، عقیدہ توحید کی اہمیت، اسکا لوگوں میں پھیلانا اور اس پہ ایک اسلامی حکومت کے قیام کا عزم لیکر گھر سے نکلے۔

دنیا اپنے سارے ساز وسامان کے ساتھ شیخ کے لیے جمع ہو چکی تھی لیکن انہوں نے دنیا کو تین طلاقیں دے دیں اور عزت کی زندگی کو ترجیح دی یہاں تک کہ انہوں نے اپنی خواہش (شہادت) کو حاصل کر لیا۔ ان کے والد تاجر تھے اور اللہ نے انہیں بہت سہولت عنایت کی تھی لیکن شیخ یوسف کو یہ دنیا اس قدر اچھی نہ لگی اور ان کے والد شیخ کے اس جہاد وعمل پہ ان کے موید تھے اور ان کے اعمال پہ بہت راضی تھے۔ ان کی والدہ محترمہ بھی بہت زیادہ ان کو ثابت قدمی کی نصیحت کیا کرتیں تھیں اور اکثر انہیں کہا کرتیں کہ بیٹا کبھی بھی اپنے آپکو دشمن کے حوالے نہ کرنا۔ ہائے اس ماں کے نصیبے کہ جس نے اپنے بطن سے ایسا بطل وشجاع مجاہد جنا کہ جو خواہشوں کا قیدی ہرگز نہ تھا۔

شیخ یوسف اس قدر متواضع تھے کہ جب کوئی ان کے ساتھ بیٹھ جاتا تو وہ دوسرے کو ایسا خیال کرتے تھے کہ یہ مجھ سے زیادہ علم والا اور سمجھ دار ہے اور کبھی بھی کسی طالب علم یا عالم کے سامنے پہلے بات شروع نہ کرتے تھے۔ وہ متواضع تھے اور اس میں ان کے اندر کوئی بناوٹ یا تکلف نہ تھا بلکہ یہ صفات انہیں اللہ عزوجل نے عطا کی تھیں۔ شیخ ہر چیز میں ایک چلتی پھرتی ڈکشنری تھے۔ جب کوئی ان سے کوئی شرعی مسئلہ دریافت کرتا تو کہتا یہ بہت بڑا عالم وفقیہ ہے اور جب کوئی سیاست کے بارے میں بات کرتا تو کہتا یہ بہت اعلیٰ درجہ کا سیاسی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ کمپیوٹر کے بہت سے علوم کے ماہر تھے۔ جبکہ ان کا عسکری علوم پر بھی وسیع احاطہ تھا۔ وہ ایک عسکری ماہر بھی تھے جن کو ٹیکنالوجی، ٹوپوگرافی اور الیکٹرونکس پہ عبور حاصل تھا۔

اللہ تعالیٰ نے شیخ یوسف رحمہ اللہ کے لیے لوگوں کے دلوں میں ''قبول'' رکھ دیا تھا پس انہیں جو کوئی بھی ملتا تو ان سے محبت کرنے لگتا اور میں نہیں جانتا کبھی کسی نے

انکی کوئی برائی بیان کی ہو بلکہ وہ اپنے اعلیٰ اخلاق اور حسنِ سیرت کے باعث لوگوں میں ہردل عزیز تھے(**نحسبه كذلك ولا نزكي على الله احداً**)۔شیخ نوجوانوں کو جہاد کی طرف بلاتے اور انہیں دنیا کی عیش وعشرت کو ترک کرنے کی دعوت دیتے تھے اور کہتے کہ اپنے نفسوں کو صبر اور مشقت کا عادی بناؤ تا کہ جہاد کے میدان میں تمہارے لیے آسانیاں پیدا ہوں کیونکہ وہاں کھانے کے لیے بہت کم ہی ملتا ہے حالانکہ جہاد کے احوال میں آسانیاں بھی ہیں لیکن وہ ایسا اس لیے کہتے تھے تا کہ مشقتوں کی مشق ہو جائے۔وہ بہت کریم النفس اور سخی دل کے مالک تھے اور وہ اپنے ساتھیوں کو بہت زیادہ عنایات نہ دیتے بلکہ امین تھے اور اس بات کے حریص ہوتے کہ مجاہدین کے پاس جو بھی اموال پہنچیں وہ اس کے مستحق کے پاس جانے چاہیں۔

آل سلول (سعود) نے انکو دھتکار دیا اور ان سے طلب کیا کہ اپنے آپ کو حوالے کر دیں کیونکہ انہیں امریکہ نے طلب کیا تھا تو انہوں نے انکار کر دیا اور دین کے معاملے میں کسی بھی ذلت کو پسند نہ کیا۔اللہ کا شکر ہے کہ انہوں نے ایسا کیا اور امت اور دین کے لیے چند سالوں میں کتنے ہی جلیل القدر اعمال پیش کیے جبکہ ایسے کاموں کو آدمی پانچ سال کی مدت میں بھی پورا نہیں کرسکتا۔یہ بات میں محض کسی مبالغہ کی بنا پہ نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ مشاہدہ کے حوالے سے وہ بات ذکر کر رہا ہوں جو میں نے خود دیکھی ہے۔کام میں انہیں گھنٹوں گذر جاتے اور وہ آرام نہ کرتے بلکہ کئی دن انہوں نے نیند کے بغیر بھی گذارے اور انکے یومیہ نظام الوقات میں نیند کا بہت کم حصہ تھا کہ جس سے وہ اپنی کمر سیدھی کرسکیں۔ان برسوں کو انہوں نے بہت احتیاط کے ساتھ گزارا ہر وقت احتیاط وحذر کے ساتھ،ان کا اسلحہ کسی وقت بھی ان سے جدا نہ ہوتا تھا اور وہ ہمیشہ ایسے ہی رہتے اور دشمن پہ نظر رکھتے تھے۔ وہ مجھے کہا کرتے تھے ''اے میرے بھائی ہم صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے زیادہ فضیلت والے لوگ نہیں ہیں جبکہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے مدینہ میں اپنی زندگیاں خوف و دہشت کی حالت میں گذاریں یہاں تک کہ انہوں نے یہودیوں کو

جلاوطن کیا اور پھر انہوں نے ایک صحابی رضی اللہ عنہ کا قول ذکر کیا جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہو کے عرض کی تھی (**وما بنا یا رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم الا الخوف وسیف احدنا علی عاتقه**) اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں ہر وقت خوف رہتا ہے اور ہماری تلواریں ہمارے کندھوں پہ رہتی ہیں۔تو شیخ یوسف صحابہ کے احوال سے اپنے آ پکو تسلی دیا کرتے تھے۔

شیخ یوسف اپنے والدین سے بہت زیادہ ملاقات کرتے تھے یہاں تک کہ آخری عرصہ میں انکا رابطہ کچھ عرصہ کے لیے منقطع ہو گیا جب ان کے بارے میں تلاش شدت اختیار کر گئی بلکہ یہاں تک کہ وہ اپنی تین چھوٹی بیٹیوں سے بھی نہ مل سکے جن میں سب سے بڑی کا نام مریم تھا۔انہوں نے اپنی بیٹیوں کے لیے ایک قصیدہ بھی لکھا جو بعد میں شہادت سے قبل ان کے رسالے میں چھپا۔شیخ آخری ایام میں اسی طرح غریب الوطن رہے اور وہ اپنے ہی شہر و ملک میں اجنبی بننے پہ مجبور تھے یہاں تک کہ انہیں شہید کر دیا گیا جبکہ انہوں نے جیسے بھی ہوسکا اپنا دفاع کیا اور اللہ کی راہ میں شہادت کو ترجیح دی بجائے اس کے کہ وہ جزیرۃ العرب کے طاغوتوں کی قید کو قبول کر لیتے۔ان کی سیرۃ اس جلیل القدر صحابی کی مانند ہے کہ جب انہیں طلب کیا گیا تو وہ کہنے لگے (**اما انا فلا انزل الیوم فی ذمة کافرٍ**) میں آج کسی کافر کے ذمہ میں ہرگز نہیں آؤں گا۔اور شیخ گویا زبان،حال سے کہہ رہے ہوں

ولست ابالی حین اقتل مسلما علیٰ ای جنب کان فی اللّٰہ مصرعی
وذلک فی ذات الالٰہ وان یشأ یبارک علیٰ اوصالِ شلو ممزع

مجھے کوئی پرواہ نہیں کہ میری لاش کس کروٹ گرتی ہے جب کہ میں مسلمان قتل کیا جارہا ہوں۔

میں اللہ کی راہ میں قتل ہو رہا ہوں اب یہ اس کی مرضی ہے کہ میرے کٹے ہوئے جسم کے ٹکڑوں پر برکت نازل کرے۔

ابو محمد ہم سے جدا ہو گیا جبکہ وہ مغموم تھا بہت سے لوگ اسے جانتے تک نہ تھے لیکن ان کا نہ جاننا کیا اسے نقصان دے گا جبکہ اللہ اسے جانتا ہے اور اس کی عظیم جدو جہد کی گواہی وہاں قائم کی جائے گی۔ وہ جدوجہد جسے اس نے اس دین کی نصرت کے لیے پیش کیا جس کے ذریعہ اس نے مجاہدین کو بہت نفع پہنچایا۔ اس لیے کہ وہ اس امت کے بہترین لوگوں میں سے تھا۔ اس کی زندگی ختم ہونے سے ایک نوجوان عالمِ دین کی کی جوانی ختم ہوگئی جس کی شخصیت میں علم، دعوت ، جہاد اور عبادت جیسی بہت سی خصوصیات بہتر صورت پہ جمع کر دی گئیں تھیں اور ان شاءاللہ ہر نوجوان جو اس راہ پہ صبر کے ساتھ چلے گا وہ ہدایت کے رستے کو پالے گا پس تجھے مبارک ہو اے ابو محمد! اللہ کی قسم! ہم تیرے غم میں بہت روئے یہاں تک کہ اپنے کسی قریبی کے لیے اتنا نہ روئے تھے ہم تیرے فراق میں روتے رہے اور ہم اللہ سے امید کرتے ہیں کہ وہاں تیرے لیے بہتر جزا ہے لیکن ہم تو تجھ سے امیدیں لگائے بیٹھے تھے اس مسکین امت کی خاطر کہ کوئی تو اٹھے گا جو اس امت کا مددگار رہنے گا اور اللہ کی شریعت کو اس میں قائم کرے گا لیکن ایسے لوگ بہت کم ہی ہیں۔

اے ابو محمد! ہم تجھے نہ بھولیں گے اللہ کی قسم جس نے بھی تیرے ساتھ وقت گذارا اس کے لیے ممکن نہیں کہ اپنی زندگی میں تیری حیاتِ سعیدہ کی تاثیر محسوس نہ کر سکے ہم نے تجھے دیکھا کہ تو نے جہاد کے لیے وہ کچھ کیا جو بڑی بڑی تنظیمیں اور ادارے نہ کر سکے تھے تو ایک نادر مثال تھا اور تیرا سارا وقت جہاد اور مجاہدین کے لیے ہی تھا۔

رحمک اللّٰہ یا ابا محمد

رحمک اللّٰہ یا ابا محمد

رحمک اللّٰہ یا ابا محمد

تحریر کردہ:

محمد بن احمد السالم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ دراسہ شرعیہ ایک ایسے وقت میں سامنے آ رہا ہے جبکہ پچھلے کچھ عرصہ میں بہت زیادہ کثرت سے ایسی عملیات یا کارروائیاں کی گئی ہیں جنہیں استشہادی عملیات کا نام دیا جاتا ہے۔ اس میں ہم نے یہ کوشش کی ہے کہ قاری ان عملیات کا حکم جان لے اور ان کی شرعی حیثیت سے آگاہ ہو خاص کر جب ایسی کارروائیاں کسی ارضِ حرب میں کی جا رہی ہوں (جیسا کہ اس دراسہ میں واضح ہے) جبکہ وہ عملیات جو ارضِ حرب کے علاوہ کی جاتی ہیں تو وہ اس دراسہ کا موضوع نہیں ہیں۔

اولاً	مقدمۃ
ثانیاً	عملیات استشہادیہ کی تعریف
ثالثاً	مسئلہ کے دلائل
رابعاً	اکیلے دشمن پہ حملہ کرنے پہ علماء کے دلائل
خامساً	مسئلہ تترس
سادساً	اعانتِ قتل میں جمہور کے اقوال
سابعاً	شہید کی تعریف
ثامناً	خودکش کی تعریف
تاسعاً	خلاصہ بحث
عاشراً	خاتمہ بحث

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ رب العلمین القائل فی کتابہ (ولولا دفع اللّٰہ الناس بعضھم ببعض لفسدت الارض) اور اگر اللہ لوگوں کے گروہوں کو ایک دوسرے کے ساتھ نہ ختم کرتا تو زمین میں فساد برپا ہوجاتا)، **والصلاۃ والسلام علی امام الھدیٰ وسید المرسلین القائل (والذی نفسی بیدہ لوددت ان اقتل فی سبیل اللّٰہ ثم احیا فأقتل ثم احیا فأقتل ثم احیا فأقتل)** اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں پسند کرتا ہوں کہ اللہ کی راہ میں شہید کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر شہید کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر شہید کیا جاؤں)اور آپ ﷺ نے فرمایا **(اعملوا فکل مسیر لما خلق لہ)** عمل کرو پس تم میں ہر کسی کو اسی رستہ پہ چلنا جسکے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے۔ **فعلیہ افضل الصلاۃ واتم التسلیم و علیٰ آلہ وصحبہ اجمعین وبعد!**

اللہ عزوجل نے اس امت کی عزت و رفعت کے لیے جہاد فی سبیل اللہ کو مشروع ٹھہرایا یہ بات جاننے کے باوجود کہ جہاد ہمیں ناگوار گذرتا ہے ۔ اللہ نے فرمایا **(کتب علیکم القتال و ھو کرہ لکم وعسیٰ ان تکرھو شیئا وھو خیر لکم وعسیٰ ان تحبو اشیئا وھو شر لکم واللّٰہ یعلم وانتم لا تعلمون)** تم پہ جہاد فرض کیا گیا اور وہ تمہیں ناگوار گذرتا ہے اور ہوسکتا ہے کہ ایک چیز جسے تم پسند کرتے ہو تمہارے لیے بری ہو اور وہ چیز جسے تم ناپسند کرتے ہو وہ تمہارے لیے اچھی ہو۔ لیکن امت نے اس عظیم فریضہ سے بے رغبتی برتی اور دنیا کی حقیر زندگی کو ترجیح دی اور اسی پہ تکیہ کر بیٹھی اور یہ گمان کرنے لگی کہ اس نے جس چیز کو پسند کیا ہے وہی اس کے لیے اچھی ہے۔ جبکہ اگر امت اس بات پہ تدبر کرتی جسکا اللہ نے اسے حکم دیا ہے تو وہ جان لیتی کہ خیر اسی میں ہے جسکا اسے اللہ نے حکم دیا ہے چاہے وہ نفس کو کتنا ہی برا لگے۔

اللہ عزوجل نے ہم پہ یہ احسان کیا کہ ہمیں ارضِ چیچنیا میں مللِ کفر سے لڑنے کے لیے ہمیں محاذ مہیا کر دیا (یہ دراسہ اس وقت لکھا گیا تھا جب ماسکو (روس) کے ایک تھیٹر میں مجاہدین کو شہید کر دیا گیا اور اس میں ہماری ایک چیچن بہن (حوّا ابرایف) بھی شہید ہو گئی جس نے اپنے جسم کے ساتھ فدائی کارروائی کے لیے بارود باندھ رکھا تھا) پس ہم اللہ سے سوال کرتے ہیں کہ ہمیں ثابت قدم کر دے اور ہماری مدد کرے۔ خیر تو صرف وہی خیر ہے جسے اس نے ہمارے لیے مقدر کر دیا ہے۔ اس طرح ہم اس کی حمد بیان کرتے ہیں کہ اس نے اپنے دشمنوں کی گردنوں پہ ہمیں مسلط کر دیا یہاں تک کہ ہم بلندیوں پہ بلندیاں طے کرنے لگے۔ پس ہم میں سے کچھ ایسے ہیں کہ اللہ سے کیا ہوا وعدہ پورا کر گئے اور کچھ ابھی تک انتظار میں ہیں اور اللہ نے ہمارے ساتھ اپنا وعدہ سچا کر دیا اور ہمیں ذلت کے بعد جہاد کے ساتھ عزت دی۔

ہمارے شہید بھائیوں نے اپنے خون کے ساتھ ایسی تاریخ رقم کی ہے کہ جس کے ساتھ ہم قوموں میں اپنا سر فخر سے بلند کرتے ہیں۔ ان کے خون لا الہ الا اللہ کی خاطر بہ نکلے (**نحسبهم كذلك ولا نزكي على الله احداً**) اور ان کے مقدس لہو سے ہماری زمینیں سیراب ہوئیں اور ہمارا رب ہم سے راضی ہو گیا۔ اللہ کی راہ میں ہمارے بھائیوں کے چیتھڑے اڑائے گئے، ان کے سر ہواؤں میں بکھر گئے اور آنے والے موعود کل کو ہم اپنے محبوبوں سے ملیں گے محمد ﷺ اور ان کے اصحاب رضی اللہ عنہم سے۔ کیا ہی فرحت ہے ایسے شخص کی جو اللہ کو اس حال میں ملا کہ اللہ اس سے راضی ہو گیا تو ایسا شخص نبیوں، صدیقوں، شہداء اور صالحین کا ساتھی ہوگا اور وہ کیا ہی بہترین ساتھی اور رفیق ہیں۔

اللہ کی قسم! ہم سارے کے سارے وہ لوگ ہیں کہ جن کے اذہان میں ہر وقت عمیر بن حمام رضی اللہ عنہ کا قول گردش کرتا رہتا ہے جن کو بدر کے پیچھے جنت کی خوشبو آ رہی تھی تو انہوں نے کہا (**ان حييت حتى آكل تمراتي هذه انها لحياه طويلة**) اگر میں

اس قدر زندہ رہوں کہ اپنی کھجوریں ہی کھالوں تو یہ بہت طویل زندگی ہوگی۔ پس اگر ہمیں مسلمانوں کی کم ہمتی کا گلہ نہ ہوتا تو ہم اس میں مقابلہ بازی کرتے جیسا کہ انہوں نے کیا۔ ہم اللہ سے دعا گو ہیں کہ ہمیں انہی کے نہج ورستے پہ ثابت قدم رکھے یہاں تک کہ ہم ان سے جاملیں۔ چیچنیا کے غازیوں نے جو تاریخ رقم کی ہے جس نے روسیوں کے ہوش اڑا دیئے ہیں اوران کو رعب میں مبتلا کر دیا ہے۔ وہ فدائی کارروائیاں کہ جس کے کرنے والوں نے اپنی روحوں کو فدا کر دیا اوران کے ذریعے ایک ایسی قیمت ادا کی تاکہ وہ اس سے قیمتی چیز کو جلدی سے حاصل کرلیں۔ جب وہ شوق کے ساتھ ان گھروں کی طرف لپکے کہ جنکا مالک اپنے وعدے کا خلاف نہیں کرتا اوروہ اکرم الاکرمین ہے۔

آج امت پھر چاہتی ہے کہ اسکی تاریخ کے ایسے آزاد مردوں کے تذکروں پھر زندہ ہو جو اپنے دین کے لیے اپنی روحوں کو نثار کردیتے ہیں۔ لیکن آج کے اس عہد میں عورتوں نے اپنے خون کے ساتھ ایسی تاریخ رقم کی ہے کہ جو مردوں پہ بھی سبقت لے گئی ہے۔ اسلام کی وہ بیٹی شہیدۃ ہے۔ انشاءاللہ...... حوّا برایيف رحمہا اللہ...... وہ ان عورتوں میں سے ہے جن کا نام تاریخ ہمیشہ یادرکھے گی۔ اس نے فداکاری کی اعلیٰ ترین مثال رقم کی ہے اور روس اس وقت ہر سمت سے موت کا سامنا کر رہا تھا اور اس عورت کی وجہ سے ان کے دلوں میں رعب بیٹھ گیا اور ہر حاسد کو جائز تھا اس عورت کی بہادری دیکھ کے ڈوب مرتا اور ہر ذلت پہ راضی فرد کے لیے جائز تھا کہ یہ منظر دیکھ کر اپنا سر مٹی میں دبالیتا کہ اس عورت نے ایسا کام کیا جو کوئی مرد بھی نہیں کر سکے۔ اس لیے ہر مددگار کے لیے یہ بھی جائز تھا کہ وہ بھی ایسے جرات مندانہ اقدام کے لیے آگے آکر مثال پیش کرتا اور اس کے لیے جائز تھا کہ ایسی مثال دیکھ اپنا سر فخر سے بلند کر لیتا۔ ہمیں اس بات کا اسی لیے یقین ہے کہ وہ امت جس میں ایسے لوگ موجود ہیں وہ کبھی خیر سے خالی نہیں ہوگی (ان شاءاللہ)۔

جب جہاد کے انصار کو اپنی بہن کی اس خبر سے بہت خوشی پہنچی اور ایسے وقت میں جب ہماری زبانیں اس عورت کے لیے دعائیں کرتی رہتی تھیں، اے اللہ اس پہ رحم

فرما، ایسی حالت میں وہ بات ہمیں ای میل کے ذریعے موصول ہوئی جس نے ہماری خوشی کو نابود کرنا چاہا۔ ایسی خبر ہمیں کسی دشمن یا حاسد کی طرف سے نہ آئی تھی بلکہ ایسے لوگوں کی طرف سے آئی جن کی طرف ہم اچھا گمان رکھتے ہیں کہ وہ امت کی خیر اور بھلائی چاہتے ہیں۔ لیکن اس بار انہوں نے غلطی کی...... انہوں نے چیچنیا میں مجاہدہ عورتوں کی سردار ''حوا برایف'' کے بارے میں کہا کہ اس نے خودکشی کی ہے اور اس کے لیے ایسا کرنا جائز نہ تھا اور اس بات سے بھی انہوں نے انکار کر دیا کہ وہ اس خبر کو اپنی ویب سائٹ پہ نشر کریں۔ انہوں اس کے ساتھ کچھ دلائل بھی ذکر کیے جن کے سمجھنے میں انہوں نے غلطی کھائی۔ ہم یہاں وہ بات بیان کریں گے جس سے پتہ چلے گا کہ حوا برایف، عبدالرحمٰن الشیشانی، قاضی، مولادی، خاتم اور اس کا بھائی علی اور عبدالملک وغیرہم اللہ کے اذن سے جنات الخلد میں ہیں اور انکی روحیں سبز پرندوں کے پوٹوں میں اور عرش کے ساتھ معلق قندیلوں میں ہیں(**نحسبهم كذالك ولا نزكى على الله احداً**)۔

قبل اس کے کہ ہم عملیات استشہادیہ کا شرعی حکم بیان کریں یہ بات ہمیں بہتر معلوم ہوتی ہے کہ ہم مختصراً اس بندے کا قول رد کریں جس نے ہم پہ ان عملیات کا رد پیش کیا ہے۔ اس لیے ہم اسے کہتے ہیں۔

اولاً...... ہم آپ سے وہی کہتے جو نبی ﷺ نے اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم سے فرمایا جبکہ وہ ہم سے بہتر تھے(**ألا سألوا اذا لم يعلموا فانما شفاء العى السوال**)وہ کیوں سوال نہیں کرتے جب وہ نہیں جانتے کیونکہ جہالت کا علاج ہی سوال ہے۔ پس جو کوئی کسی حکم سے جاہل ہوتا ہے تو اسے چاہیے بغیر حق کے مطلق عبارات ظلم کے ساتھ نہ القاء کرے قبل اس کے کہ وہ اس بات کا حکم جان نہ لے۔ اگر ہماری طرف مسئلہ کی مخالفت کرنے والا تھوڑی سی تلاش کر لیتا تو کم از کم اس پہ یہ بات تو واضح ہو جاتی کہ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے۔

ثانیاً...... ہم اپنے بھائیوں کو خبردار کرتے ہیں کہ ہماری کسی بات کو رد نہ کریں مگر صرف

علماء کے اقوال اور فہم سلف الصالح کے ساتھ۔

ثالثاً...... اے محترم! اس سے پہلے کہ یہ مسئلہ متنازع بن جائے اور اس کا انکار بڑھ جائے اس لیے ضروری ہے کہ اس کے متعلقات کو اچھی طرح جان لیا جائے۔ پس ہر کاروائی استشہادی کاروائی نہیں ہے اور نہ ہی ہر کارروائی مطلقا یا عمومی طور پہ محرم ہے بلکہ اس میں تفاصیل ہیں۔ تفصیل کی یہ عمارت دشمن کی حالت اور جنگ کی کیفیت پہ، ایسے شخص کے حالات پہ اور علمی تفاصیل کے ساتھ کھڑی ہوتی ہے۔ اس لیے ایسی کسی بھی کارروائی کے بارے میں حکم اس کے حقائق کو جاننے کے بعد ہی لگایا جانا چاہیے کیونکہ کسی چیز پہ حکم اس کی فرع پہ بھی جاری کیا جاتا ہے۔ پس کیسے آپ لوگ ہمیں جہالت کے ساتھ منسوب کرتے ہیں اور آپ نہیں جانتے کہ ہماری وضع اور حالت کیا ہے اور علمی طور پہ اس مسئلہ کی کیا حالت ہے۔

جہاد کے سارے احکام جہاد کے میدان کی واقفیت پہ منحصر ہیں۔ پس جہاد کی فقہ کا انحصار جہاد کے رفقاء کے اوپر ہی ہوتا ہے بنسبت دوسرے فقہی مسائل کے۔ پس جو کوئی جہاد کے معین مسائل کے بارے میں حکم لگانا چاہتا ہے پس اسے چاہیے اہلِ جہاد کے پاس جا کے پہلے حقیقتِ واقعہ کو معلوم کرے پھر اس کے بعد اس پہ حکم لگائے۔ جہاد کے متعلق حقائق مجاہدین سے ہی معلوم کیے جائیں گے نہ کہ ملحدین سے!

فصل اول

استشہادی عملیات کی تعریف اور اس کا دشمن پہ اثر

استشہادی کارروائی یا فدائی کارروائی یہ ایسی کارروائیوں کی اقسام میں سے ہے جسے فرد یا افراد اپنے سے بڑے دشمن کے خلاف کرتے ہیں جو طاقت وقوت میں ان سے بڑھ کر ہے۔ یہ بات جانتے ہوئے وہ افراد آگے بڑھتے ہیں کہ ان کا رستہ سیدھا موت کی طرف ہے یا اس کا انہیں یقین ہے یا غالب گمان ہے۔

وہ اسلوب جو ہمارے آج کے دور میں اکثر استعمال کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ جسم یا گاڑی کو بارود کے ساتھ بھر کے یا کسی بیگ کو اور پھر دشمن کی بھیڑ میں گھس جانا یا اس کی اہم عمارتوں میں اصل ہدف کا دھیان رکھتے ہوئے پھر وہاں اسے پھاڑ دینا ایک خاص وقت اور مناسب جگہ پہ۔ جس سے دشمن کے مقتولوں کی تعداد بڑھ جاتی ہے اور اس کے خسائر دوگنا ہو جاتے ہیں۔ اس میں اچانک پن اور گہرائی کا خیال رکھا جاتا ہے۔ جبکہ اس کے طبعی حال میں اس کارروائی کو نافذ کرنے والا سب سے پہلے مقتولوں میں شمار ہوتا ہے کیونکہ وہ غالب طور پہ پھٹنے والے بارود کے قریب تر ہے۔

ایک دوسرا طریقہ یہ ہے کہ مجاہد دشمن کی بھیڑ پہ اچانک حملہ آور ہوتا اور اس پہ بہت قریب سے فائر کرتا ہے یہ بات جانتے ہوئے کہ وہ اس کارروائی میں ایسے داخل ہوا ہے کہ نکلنے کا راستہ اس کو معلوم نہیں ہے اور نہ ہی اس نے نکلنے کی اس سے پہلے کوئی منصوبہ بندی کی ہے جبکہ اس کا ہدف صرف یہ ہے کہ دشمن کی کثیر تعداد کو قتل کرے اور خود یقینی موت کی گود میں جا پہنچے۔ یہ فدائی کارروائیوں کے وہ اسلوب ہیں جنہیں اس دور میں استعمال کیا جاتا ہے۔

جن لوگوں نے استشہادی یا فدائی کارروائیوں کو خودکش حملوں کے نام سے

موسوم کیا ہے انہوں نے غلطی کی ہے۔ اوران دونوں صورتوں میں مشرق ومغرب کا بُعد پایا جاتا ہے۔ خودکش پہ تو اللہ کی لعنت ہے اور اس کے لیے جہنم کی آگ ہے اور اسکی پکڑ ہے اور اس کے لیے اللہ نے عذابِ عظیم تیار کر رکھا ہے۔ خودکش ایسے قدام پہ جزع اور عدم صبر، کمزوری ایمان اور اسکی نفی کرتے ہوئے بڑھتا ہے۔ لیکن فدائی پہ تو اللہ عزوجل مسکراتے ہیں اور اس سے راضی ہوتے ہیں اور اسے بھی راضی کر دیتے ہیں اور جس بندے پہ رب مسکرائے تو اس کے بعد اس پہ کوئی حرج نہ ہوگا۔ مجاہد اس عمل کی طرف صرف اپنے پختہ ایمان، یقین اور اللہ کے دین کی نصرت کی خاطر بڑھتا ہے اور اپنے نفس کو اللہ کے کلمہ کے لیے فدا کر دیتا ہے۔ یہی وہ بات ہے جسے ہم ان شاء اللہ اس بحث میں بیان کریں گے۔

جہاں تک دشمن پہ اس کارروائی کے اثر کا سوال ہے تو اس کو ہم اپنی حقیقی دنیا میں محسوس کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں۔ ہم نے دشمن میں اس کا اثر عظیم دیکھا بلکہ کوئی دوسری ایسی کارروائی نہیں جس کا دشمن پہ اس سے زیادہ رعب ودبدبہ ہو۔ بلکہ ان کارروائیوں کے سبب ہی دشمن آبادی کے علاقوں میں آنے اور وہاں عصمتوں سے کھیلنے سے ڈرتا ہے۔ آج دشمن اپنی توانائیوں کو اس بات پہ صرف کرنے پہ مجبور ہے کہ کس طرح ان کارروائیوں کو وقوع پذیر ہونے سے پہلے روکا جائے۔ پس دشمن اس میں مصروف ہوگیا (**ولِلّٰہ الحمد**)۔

یہ جارحانہ کارروائیاں دشمن کے اندر خسائر کو بڑھانے کا بہترین اسلوب ہیں اور اس میں اپنا نقصان کم ہے جیسے کہ دوسری اقدامی کارروائیوں میں ہوتا ہے۔ بڑی کارروائیوں کے لیے امکانیات اور قوات کو جمع کرنا پڑتا ہے پھر حملہ کیا جانا ممکن ہوتا ہے۔ بسا اوقات حملوں میں دشمن کے قلعہ بند ہونے کے سبب نقصانات زیادہ ہوتے ہیں۔ جبکہ فدائی کارروائی کا نقصان صرف ایک بشر کا ہے فقط ایک مجاہد کا اور اس کی تکالیف ایسی نہیں جو قابلِ ذکر ہوں جیسی کہ بڑے حملہ کے لیے جمع کی جاتی ہیں۔ اس کارروائی میں کیا جانے والا خرچہ (بجٹ) اس قدر نہ ہوگا جتنا کہ 50 مجاہدین کو کسی

حملہ میں گاڑی کے ذریعے ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے میں آتا ہے۔معنوی اعتبار سے اس کارروائی کی تاثیر بہت واضح ہے۔ یہ دشمن کے دل توڑ دیتی ہے اوران کےاوپر رعب طاری کردیتی ہےاوران کےمورال کوگرادیتی ہے۔مادی اعتبار بھی اس میں دشمن کےنقصانات بڑھتے ہیں۔جبکہ مجاہدین کی نسبت مادی اعتبار سے اس کے نقصانات بہت کم ہیں جس قدرایک بڑے حملہ میں متوقع ہوتے ہیں۔جبکہ بشری نقصانات میں توصرف ایک شہید(باذن اللّٰہ)ہے۔

ہم نے پچھلے کچھ عرصہ میں کی جانے والی کارروائیوں میں دیکھا کہ اس سے دشمن کی صفوں مادی اور بشری نقصانات کا گراف بہت بلند تھا۔ان کے بشری نقصانات کا حجم 1600 مقتول وزخمی فوجی کا تھااوراس کےساتھ روسی افواج کی اہم ترین بلڈنگیں جوچیچنیا میں تھی مکمل طور پہ تباہ ہوگئیں۔اس کے ساتھ ساتھ اسلحہ کے ذخائراور بہت سی گاڑیاں بھی تباہ ہوگئیں۔معنوی اعتبار سے روسی فوجیوں کے دلوں میں بہت زیادہ رعب بیٹھ گیااوران کا مورال بہت زیادہ گرگیا۔اس کےساتھ ساتھ انکے بہت سارے منصوبے جوانہوں نے بنارکھے تھےان پہ پانی پھرگیا۔

اس کے بعدروسی صدر پیوٹن نے وزیرِدفاع اور وزیرِ داخلہ کو بڑے سخت لہجے میں مخاطب کرتے ہوئے واقعات کا ذمہ دارٹھہرایا بلکہ اس نے ساتھ یہ بھی کہا کہ وہ بڑے پیمانے پردونوں وزارتوں میں تبدیلیاں لائے گا۔مجاہدین کےان حملوں کے بعدان دونوں وزارتوں میں مذکورتبدیلیاں کی گئیں جبکہ ان وزارتوں پہ خیانت کے الزام لگائے گئے۔ان کارروائیوں کے بعدروسی افواج ابھی تک چیچنیا میں متردد ہیں اورسارے چیچنیا میں پھیلی ہوئی ہیں۔ان کا ایک جزہرلمحہ اس کوشش میں لگارہتا ہے کہ ایسی کسی بھی متوقع کارروائی کوروکا جائے۔جبکہ دوسراجزروسی تباہ شدہ عمارتوں سےمقتولوں کی لاشیں نکالنےاورانکی مرہم پٹی کرنے میں مصروف ہے۔جبکہ ہم نے ایک بطل کواللہ کی جنتوں کی طرف روانہ کردیاہے(ان شاءاللہ)۔جبکہ ہم خوداس امید سے ہیں کہ ہم بھی ان

کے ساتھ جا ملیں۔ پس ہم اللہ سے اپنے لیے اور انکی قبولیت کے لیے دعا گو ہیں۔ وہ گاڑیاں جن میں یہ کارروائیاں کی گئیں وہ سب کی سب مالِ غنیمت میں حاصل کی گئی گاڑیاں تھیں۔ ہم نے روسی افواج کی چیزیں اپنے خاص طریقے سے انہی کو واپس لوٹا دی۔ پس تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے یہ مدد اور توفیق وعنایت عطا فرمائی۔

ہم نے یہ جتنے آثار ذکر کیے ہیں یہ ایک ہزار مجاہدین کے حملے سے بھی حاصل کرنا ممکن نہ تھے۔ بلکہ روس میں وہ صرف چار ابطال تھے اور ہمارے پاس ایسے لوگ بہت ہیں۔ اس طریقہ کار سے ہمیں یہ امید ہے کہ دشمن ہماری زمین پہ ایک لمبے عرصہ کے لیے براجمان نہ ہو سکے گا۔ پس صرف دس کے قریب ایسی کارروائیاں دشمن کی عقل کو ٹھکانے لگانے کے لیے کافی ہیں تا کہ وہ ذلیل ورسوا ہو کر ہماری زمینوں سے بھاگ کھڑا ہو (ان شاء اللہ) اور اگر دشمن ہمیں ان حملوں سے روکنا چاہے گا تو وہ دوہرے قتل کا شکار ہوگا جس میں ایک کے بعد ایک حملہ ہو اور ہر حملہ پہلے سے بدتر ہو۔ پھر اگر دشمن ان کاروائیوں کے خوف سے ایک جگہ اکٹھا ہونے سے اجتناب برتے گا تو وہ مجاہدین کا آسان ہدف بن جائے گا۔ اسی طرح جب دشمن مجاہدین کے خلاف حملہ کے لیے جمع ہوگا تو پھر فدائی کارروائی اسکی قوت کو توڑ دے گی اور اسکی جمعیت کو منتشر کر دے گی۔ پھر اگر دشمن ہر شہر میں ان کارروائیوں کو روکنے کی ٹھان لے گا تو اسے کم از کم تین لاکھ زائد فوجیوں کی ضرورت ہوگی۔ تا کہ ان کارروائیوں کو روکا جا سکے۔

نوٹ: (مئولف نے یہاں چیچنیا کے حالات لکھے ہیں لہٰذا قاری نوٹ کر لیں)

ہر تبصرہ نگار کو چاہیے کہ وہ ہمارے بھائیوں کی فلسطین میں حالت پہ نظر ڈالے کہ کیسے ان کارروائیوں نے صیہونیوں کے دلوں میں رعب ڈال دیا ہے۔ اس لیے تمام لوگوں کو یہ بات جاننی چاہیے کہ وہ چیز جس نے اسرائیلیوں کو مجبور کیا ہے کہ وہ فلسطینیوں کو انکی ذاتی حکومت دیں وہ یہی امید ہے کہ ایسی حکومت ان فدائی حملوں کو روکنے میں مددگار ہوگی اور مجاہدین کو ایک ایسی تنگ زمین کی طرف دھکیل دے گی تا کہ

یہودی امن کے ساتھ رہ سکیں۔لیکن ان کی یہ خواہش کیسے پوری ہو جب کہ مجاہدین کے دل ارضِ مقدس میں اٹکے ہوئے ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ انبیاءعلیہم السلام کے ساتھ اسی زمین پہ جمع کیے جائیں۔ان فدائی کارروائیوں نے چیچنیا میں بہت ہی زیادہ کارگر اثر ڈالا ہے کیونکہ روسی افواج کی قلعہ بندیاں بنسبت دوسروں کے بہت کم ہیں۔ پس اگر فلسطین میں یہودی ان کارروائیوں پہ وحشیانہ جوابی کارروائی کرتا ہے تو ارضِ شیشان میں ایسی کوئی قابل ذکر بات اب تک دیکھنے میں نہیں آئی۔

مسئلے کے دلائل کے بارے میں:

اس سے پہلے کہ ہم فدائی کارروائیوں کے حکم کی بحث کریں اوراقوال علماء وارد کریں اور بعض اشکالات کا جواب دیں ہم بہتر جانتے ہیں کہ پہلے شرعی دلائل پیش کریں اوراسکی کی بعض توجیہات کو بیان کریں اوران میں **وجہ الدلیل** کوبھی بیان کریں۔اس مسئلہ میں دلائل کی کثرت کے باعث ہم ہر مسئلہ کی سند علیحدہ ذکر نہیں کریں گے بلکہ اصل مسئلہ کی ادلۃ پہ ہی اکتفاء کریں گے جو صحیحین میں وارد ہیں اور باقی جوان میں ضعیف ہیں وہ ان کوتقویت دیں گی۔پس ہم کہتے ہیں۔

1۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا(**ان اللّٰہ اشتری من الموء منین انفسھم و اموالھم بان لھم الجنۃ یقاتلون فی سبیل اللّٰہ فیقتلون ویقتلون و عداًعلیہ حقا فی التوراۃ والانجیل والقرآن ومن اوفیٰ بعھدہ من اللّٰہ فا ستبشروا ببیعکم الذی بایعتم بہ وذالک ھو الفوز العظیم**)بے شک اللہ نے خرید لیا ہے مومنوں کی جانوں اوران کے اموال کو جنت کے بدلے کہ وہ اللہ کی راہ میں قتل کرتے ہیں اور قتل ہوتے ہیں۔یہ سچا وعدہ ان کے ساتھ تورات،انجیل اورقرآن میں کیا گیا ہے اوراللہ سے بڑھ کرکون وعدہ پورا کرنے والا ہے پس خوش ہو جاؤ اس تجارت پہ جوتم نے کی ہے(التوبہ 111)یہ آیت بندے اوراس کے رب

کے درمیان عقدِ بیع کی اصل ہے پس کسی حال میں بھی مجاہد جیسے بھی اسکی قیمت ادا کرتا ہے اور اسے قبول کرنے والا جیسے چاہے قبول کر لے تو یہ جائز ہے یہاں تک کہ کوئی ایسی دلیل موجود ہو جو اس کے خلاف دلالت کرتی ہو۔

2۔ اللہ عزوجل فرماتے ہیں (**کم من فئة قليلة غلبت فئة كثيرة با ذن اللّٰه و اللّٰه مع الصابرين**) کتنی ہی چھوٹی جماعتیں ہیں جو اللہ کے حکم سے اپنے سے بڑی جماعتوں پہ غالب آ جاتی ہیں اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے (البقرة 249)۔ یہ آیت اس بات پہ دلالت کرتی ہے کہ غلبہ کا معیار شریعت میں دنیاوی اوزان ومقیاس پہ نہیں ہے۔

3۔ اللہ فرماتے ہیں (**و من الناس من يشری نفسه ابتغاء مرضات الله و اللّٰه رء وف بالعباد**) اور لوگوں میں کوئی ایسا بھی ہے کہ جو اپنی جان اللہ کی رضا جوئی کی تلاش میں بیچ دیتا ہے۔ **يشری** کا معنی یہاں **يبيع** کے معنی میں ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جو اس آیت کی تفسیر کی ہے جو کہ آگے آئے گی اس میں اس بات کی دلالت ہے کہ جس نے اپنے آپ کو اللہ کے لیے بیچ ڈالا وہ کسی طور بھی خودکش نہیں ہو سکتا چاہے مجاہد دشمن کے ہزاروں کی تعداد میں موجود لشکر میں ہی کیوں نہ جا گھسے۔

4۔ مسلم نے اپنی صحیح میں اصحاب احدود (خندقوں والوں) کا تذکرہ کیا ہے اور اس حدیث میں اس مسئلہ پہ واضح دلالت ہے۔ جیسے کہ اس لڑکے کا قول ہے (**ثم جیء بالغلام فقيل له ارجع عن دينک فأبیٰ فدفعه الی نفر من اصحابه فقال اذهبو ابه الی الجبل كذا و كذا فاصعدوا به الجبل فاذا بلغتم ذروته، فان رجع عن دينه والا فاقذفواه، فذهبوا به، فصعدوا به الی الجبل فقال اللهم اكفنيهم بما شئت، فرجف بهم الجبل فسقطوا و جاء يمشی الی الملک فقال له مافعل اصحابک قال كفانيهم الله فدفعه الی نفر من اصحابه...... الی آخر الحديث**) پھر اس لڑکے کو لایا گیا

اور اسے کہا گیا اپنے دین سے کہ جس پہ تو ہے پھر جا تو اس نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا تو بادشاہ نے اسے اپنے چند آدمیوں کے سپرد کیا اور انہیں کہا، فلاں فلاں پہاڑ پہ اسے لے جاؤ اور اسے لے کر اس پہاڑ پہ چڑھو پس جب تم اس کی چوٹی پہنچ جاؤ تو اگر تو یہ اپنے دین سے پھر جائے تو ٹھیک ورنہ اسے پہاڑ سے نیچے پھینک دو تو وہ اسے لے کر پہاڑ پہ چڑھے تو اس لڑکے نے کہا اے اللہ کیسے بھی ہو ان کو میرے لیے کافی ہو جا۔ پہاڑ لرزنے لگا تو وہ لوگ پہاڑ سے گر گئے اور یہ چلتا ہوا بادشاہ کے پاس جا پہنچا تو بادشاہ کہنے لگا تیرے ساتھ جو بندے تھے کدھر گئے۔ کہنے لگا اللہ مجھے ان کے لیے کافی ہو گیا۔ پھر بادشاہ نے اسے اپنے بندوں کے ایک گروہ کے حوالے کیا اور انہوں نے اسے ایک کشتی میں سوار کیا کہ اگر یہ دین سے پھر جائے تو ٹھیک ورنہ اسے سمندر میں ڈبو دو تو وہ کہنے لگا اے اللہ ان کو میرے لیے کافی ہو جا تو کشتی غوطے کھانے لگی اور وہ ڈوب گئے اور یہ بادشاہ کے پاس پہنچ گیا تو وہ کہنے لگا تیرے ساتھ جو لوگ تھے ان کا کیا بنا تو یہ کہنے لگا اللہ مجھے ان کے لیے کافی ہو گیا اور کہنے لگا اے بادشاہ تو مجھے قتل نہیں کر سکتا یہاں تک کہ تو وہ کام نہ کرے جس کا میں تجھے حکم دیتا ہوں۔ بادشاہ نے کہا وہ کیا ہے۔ کہنے لگا تو لوگوں کو ایک کھلے میدان میں جمع کر پھر تو ایک تیر لے کر اسے کمان میں چڑھا لے پھر کہ اللہ کے نام سے جو اس بچے کا رب ہے پھر مجھے مار تو اگر تو نے ایسا کیا تو مجھے قتل کرنے کے قابل ہو جائے گا۔ بادشاہ نے لوگوں کو ایک میدان میں جمع کیا اور اسے سولی پہ لٹکا دیا پھر اس نے ترکش سے ایک تیر لیا اور اسے کمان میں چڑھایا اور کہا اللہ کے نام سے جو اس بچے کا رب ہے پھر تیر مارا تو تیر اسکی شہ رگ پہ لگا تو اس نے اپنی شہ رگ پہ ہاتھ رکھ لیا جہاں اسے تیر لگا تھا اور وہ مر گیا۔ تو سب لوگ کہنے لگے ہم اس بچے کے رب پہ ایمان لے آئے......**امنا برب الغلام** ......**امنا برب الغلام** پھر بادشاہ آیا تو اسے کہا گیا تو نے دیکھ لیا اس بات کو جس سے تو ڈرتا تھا پس اللہ نے تیرا ڈر واقع کر دیا ہے۔ دیکھ لوگ ایمان لے آئے تو اس نے خندقیں کھودنے کا حکم دیا اور اسمیں لکڑیاں ڈال دی گئیں

اور پھر خوب آگ کو بھڑکایا گیا تو بادشاہ نے کہا جو اپنے دین سے نہیں پھرے گا اس کو اس آگ میں ڈال دو تو انہوں نے ایسا ہی کیا یہاں تک کہ وہ جب ایک عورت کے پاس پہنچے تو اس نے تھوڑا پس وپیش کے ساتھ کام لیا کہ وہ اس آگ میں کودے تو اس کا شیر خوار بچہ بول اٹھا اے ماں صبر کر بے شک تو حق پہ ہے۔اس حدیث میں واضح دلالت ہے کہ جب بچے نے اپنے قتل کا حکم دیا تا کہ وہ دین کے لیے فدا ہو جائے تو ایسا کرنا اسکے لیے مشروع ٹھہرا اور اسے خودکشی کا نام نہیں دیا جا سکتا باوجود اس کے کہ اسے یہ کام وحی کیا گیا تھا اور وہ پہلے سے نہیں جانتا تھا کہ اسکے اس کام کا نتیجہ کیا نکلے گا۔

5۔ امام احمد اپنی مسند (310/1) میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔(قال رسول اللّٰہ ﷺ لما کانت اللیلة التی اسری بی فیھا أتت علی رائحة طیبة فقلت یا جبریل ما ھذة الرائحة الطیبة فقال ھذہ رائحة ماشطة ابنة فرعون واولادھا، قال قلت ما شأنھا قال بینا ھی تمشط ابنة فرعون ذات یوم اذ سقطت المدری من یدھافقالت بسم اللّٰہ فقالت ابنة فرعون أبی قالت لا ولکن ربی ورب ابیک اللّٰہ قالت اخبرہ بذالک قالت نعم فأخبرته فدعاھا فقال یا فلانة ان لک ربا غیری قالت نعم ربی وربک اللّٰہ فامرہ ببقرة من نحاس فأحمیت ای قدر کبیر ثم امر بھا ان تلقیٰ ھی و اولادھا فیھا قالت له ان لی الیک حاجة قال وماحاجتک ؟ قالت أحب ان تجمع عظامی وعظام ولدی فی ثوب واحد وتدفننا قال ذلک لک علینا من الحق فامر بأولادھا فالقوا بین یدیھا واحداً واحداً الی ان انتھی الی صبی لھا مرضع، و کأنھا تقاعست من اجله قال یا امه اقتحمی فان عذاب الدنیا اھون من عذاب الآخرة فاقتحمت) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب معراج کی رات مجھے آسمانوں پہ لے جایا گیا تو مجھے بہت ہی اعلیٰ پاکیزہ خوشبو آئی میں نے کہا اے جبریل

علیہ السلام یہ پاکیزہ خوشبو کیسی ہے تو جبریل کہنے لگے یہ فرعون کی بیٹی اور اسکی اولاد کو کنگھی کرنے والی کی خوشبو ہے میں نے کہا اس کا کیا قصہ ہے تو جبریل علیہ السلام نے کہا کہ وہ ایک دن فرعون کی بیٹی کو کنگھی کر رہی تھی کہ وہ اس کے ہاتھ سے گر گئی تو اس نے کہا بسم اللہ تو فرعون کی بیٹی کہنے لگی یعنی میرا باپ اس نے کہا نہیں بلکہ میرا اور تیرے باپ کا رب اللہ ہے تو وہ کہنے لگی جا اسے خبر دے دے تو اس نے کہا میں ایسا ہی کروں گی پھر اس نے اپنے باپ کو خبر دی تو اس نے اسے بلایا اور کہنے لگا اے فلانہ کیا تیرا میرے علاوہ بھی کوئی رب ہے۔ کہنے لگی ہاں میرا اور تیرا رب اللہ ہے تو فرعون نے ایک بڑی دیگ میں گائے کی چربی کو ابالنے کا حکم دیا پھر اس عورت اور اسکی اولاد کو اس میں ڈالنے کا حکم دیا وہ عورت کہنے لگی مجھے تجھ سے ایک کام ہے۔ کہنے لگا کیا کام ہے اس نے کہا تو میری اور میری اولاد کی ہڈیاں ایک کپڑے میں جمع کر کے انہیں دفن کر دینا تو فرعون نے کہا کہ یہ تیرا ہم پہ حق ہے۔ پھر اسکی اولاد کو ایک ایک کر کے اس دیگ میں ڈالنا شروع کیا گیا یہاں تک کہ اس عورت کے دودھ پیتے بچے کی باری آئی تو اس عورت نے کچھ پس وپیش سے کام لیا تو وہ بچہ بول اٹھا اے ماں دنیا کا عذاب آخرت کے عذاب کے مقابلے میں کچھ وقعت نہیں رکھتا تو اس میں کود جا تو وہ کود گئی۔ اس حدیث کے رجال ثقات ہیں سوائے **ابو عمر الضریر** کے جس کے بارے میں امام الذہبی اور ابوحاتم کا قول ہے کہ وہ صدوق ہے اور ابن حبان نے اسے ثقہ کہا ہے۔

اس حدیث سے واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بچے سے کلام کروایا کہ وہ اپنی ماں کو آگ میں کود جانے کا حکم دے اور یہ بالکل اصحاب اخدود والے بچے کی طرح ہے۔ اگر موت کے یقین کے ساتھ اپنے نفس کو قتل کرنے میں کوئی رکاوٹ ہوتی تو شارع اس فعل پہ مدح نہ فرماتے جبکہ بچے کا کلام کرنا اللہ کی طرف سے ایک نشانی تھا تا کہ اس فعل کی فضیلت کو بیان کیا جائے۔

6۔ ابوداؤد (27/3) اور ترمذی (280/4) نے روایت کیا اور اسے صحیح کہا

اور یہ لفظ ترمذی کے ہیں۔ **اسلم ابی عمران** سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم روم کے شہر کے پاس تھے تو رومی ایک جمِ غفیر کو لے کر ہمارے سامنے نمودار ہوئے تو مسلمان بھی انہی کی مانند ان کے سامنے آئے۔ اہل مصر کی قیادت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کے پاس اور باقی جماعت کی قیادت فضالۃ بن عبید رضی اللہ عنہ کے پاس تھی۔ تو مسلمانوں کی صف میں سے ایک آدمی نے دشمن پہ حملہ کر دیا اوران کے اندر گھس گیا تو لوگ شور مچانے لگے اور کہنے لگے سبحان اللہ اس نے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال دیا تو ابوایوب الانصاری رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے اے لوگو تم یہ تاویل کرتے ہو جبکہ یہ آیت ہمارے انصار کے گروہ کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ جب اللہ تعالیٰ نے اسلام کو عزت دی اوراس کے مددگاروں کی تعداد بہت بڑھ گئی تو ہم میں سے بعض نے رسول اللہ ﷺ سے رازداری کے ساتھ دوسرے سے کہا ہمارے اموال ضائع ہوگئے اور اللہ نے اسلام کو عزت بخش دی اوراس کے مددگار بڑھ گئے تو اگر ہم اپنے اموال میں جا کر ان کی اصلاح کر لیں تا کہ ان کا خسارہ پورا ہوجائے تو اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل کی اوراللہ کی راہ میں خرچ کرواوراپنے آپکو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ تو ہلاکت اموال میں مشغول ہونا تھا اور جہاد کو چھوڑنا تھا تو ابوایوب رضی اللہ عنہ وہیں کھڑے رہے یہاں تک کہ روم میں دفن کیے گئے۔ (اسے حاکم نے **علیٰ شرط الشیخین صحیح** کہا اورالذھبی نے اسکی موافقت کی اوراسے ابن حبان اورنسائی نے روایت کیا۔ بیہقی نے سنن میں باب باندھا " آدمی یا آدمیوں کے دشمن کے ملک میں انفرادی حملہ کرنے کے جواز میں" جماعت پہ حملہ کے جواز پہ استدلال کرتے ہوئے جہاں غالب یقین ہو کہ وہ قتل ہوجائے گا پھرانہوں نے **ابی عمران** کی مذکورحدیث نقل کی)۔ اس حدیث میں **ابو ایوب الانصاری** رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تفسیر یہ بتائی کہ یہ اس بندے کے اوپر جو اکیلا دشمن پہ حملہ آور ہو منطبق نہیں ہوتی باوجوداس بات کے کہ لوگوں کو یہ ظاہر ہو کہ اس نے اپنے نفس کو ہلاکت میں ڈال دیا۔ ان کی اس تفسیر کو تمام صحابہ

رضی اللہ عنہم نے مقرر رکھا۔

7۔ ابن ابی شیبۃ نے اپنی مصنف (338/5) میں روایت کیا کہ **معاذ بن عفراؓ** نے کہا (**یا رسول اللّٰہ ما یضحک الرب من عبدہ؟ قال غمسہ یدہ فی العدو حاسراً فالقی درعا کانت علیہ وقاتل حتی قتل**) اے اللہ کے رسول ﷺ بندے کے کس عمل پہ رب خوش ہوتا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا دشمن کے اندر ننگے جسم گھس جانا تو یہ بات سن کر انہوں نے اپنی وہ زرہ جوان کے اوپر تھی اتار پھینکی اور قتال کرنے لگے یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ ابن نحاس رحمہ اللہ کہتے ایسے ہی ابن ابی شیبہ کی یزید سے روایت میں آیا ہے۔ جبکہ مشہور بات ابن اسحاق وغیرہ کی سیرت میں یہ ہے کہ جس نے یہ فعل کیا تھا وہ عوف بن عفرا رضی اللہ عنہ تھے جو معاذ بن عفرا رضی اللہ عنہ کے بھائی تھے جبکہ عفرا رضی اللہ عنہا ان دونوں کی ماں تھیں۔ عوذ رضی اللہ عنہ اور معوذ رضی اللہ عنہ دونوں ان کے بھائی تھے اور یہ سب عفرا رضی اللہ عنہا کے بیٹے ہیں اور ان کے والد **الحارث بن رفاعۃ النجاری** بدری ہیں (واللہ اعلم)۔

یہ حدیث اور اسکے بعد آنے والی حدیث ایسے جہادی اعمال پہ واضح دلالت کرتی ہے جس میں غالب گمان یہ ہو اس کا فاعل ہلاک ہو جائے گا۔ جہاد کے لیے ایسی خاص ادلۃ ہیں کہ ایسی چیزوں کو جائز ٹھہراتی ہیں جو دوسرے مواقع پہ ممنوع ہوں۔

8۔ ابن مبارک نے **کتاب الجہاد** (85/1) میں اوزاعی رحمہ اللہ سے **بسند معضل** اور دوسروں نے اسے متصلاً یحیٰی بن ابی کثیر سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (**افضل الشھدآ الذین یلقون فی الصف فلا یلفتون وجوھھم حتی یقتلوا ولٓئک یلبطون فی الغرف العلا من الجنۃ. یضحک الیھم ربک. ان ربک اذا ضحک الی قوم فلا حساب علیھم**) افضل ترین شہداء وہ لوگ ہیں کہ جب وہ صف میں دشمن سے ملتے ہیں تو پیچھے مڑ کے نہیں دیکھتے یہاں تک کہ قتال نہ کریں یہی وہ لوگ ہیں جو جنتوں کے اعلیٰ

مکانوں میں جلوہ افروز ہوں گے اوران کا رب انکی طرف دیکھ کے مسکرائے گا اور تیرا رب جب کسی قوم کی طرف مسکرائے تو اس پہ کوئی حساب نہیں۔

9. طبرانی نے الکبیر میں بسند حسن ابی درداء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا(**ثلاثة يحبهم الله ويضحک اليهم ويستبشر بهم الذى اذا انكشفت فئة قاتل ورائها بنفسه، والذى له امرأة وفراش لين حسن فيقوم من الليل، فيقول يذر شهوته ويذكرنى ولو شاء رقد والذى اذا كان فى سفر وكان معه ركب فسهروا ثم هجعوا فقام فى السحر فى الضراء والسراء**) تین قسم کے لوگ ہیں جن سے اللہ محبت کرتے ہیں اور انکی طرف مسکرا کے دیکھتے ہیں اوران کو بشارت دیتے ہیں۔ ایسا شخص کہ جب لشکر شکست کھا جاتا ہے اور وہ اس کے پیچھے اکیلا لڑتا رہتا ہے اور وہ شخص کہ جس کے پاس بیوی بھی ہو اور نرم وگداز بستر بھی موجود ہوتو وہ اٹھتا ہے اور اپنی شہوتوں کو چھوڑ کر مجھے یاد کرتا ہے حالانکہ اگر وہ چاہتا تو سو جاتا۔ اور وہ شخص جو کسی سفر میں تھا اور اسکے ساتھ اور بھی سوار تھے تو وہ تھوڑی دیر جاگتے رہے پھر سو گئے اور یہ اٹھا اور تنگی وآسانی میں رب کو یاد کرنے لگا۔ **الهيثمى مجمع الزوائد** (255/2) میں کہتے ہیں کہ اس کے رجال ثقات ہیں۔

10۔ امام احمد نے اپنی مسند (22/6) میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا(**عجب ربنا من رجلين رجل ثار عن وطأته ولحافه من بين اهله وحبه الى الصلاة فيقول الله عزوجل انظروا الى عبدى ثار عن فراشه ووطأته من بين حبه واهله الى الصلاة رغبة فيما عندى وشفقة مما عندى ورجل غزا فى سبيل الله فانهزم اصحابه وعلم ما عليه فى الانهزام وماله فى الرجوع فرجع حتى يهريق دمه فيقول الله انظروا الى عبدى رجع رجاء فيما عندى وشفقة مما عندى حتى يهريق دمه**) ہمارا رب دو قسم کے آدمیوں کو دیکھ کے بہت خوش ہوتا ہے ایک وہ ہے جو اپنے بستر کو اور

اپنے لحاف کو نماز کی محبت میں اپنے اہل وعیال کے درمیان چھوڑ کے اٹھ کھڑا ہوتا تو اللہ فرماتے میرے اس بندے کو دیکھو جس نے اپنے بستر کو چھوڑ دیا ہے اور وہ جو کچھ میرے پاس اس کے لیے ہے اس کی حرص میں وہ اٹھ کھڑا ہوا ہے اور دوسرا وہ شخص جو اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہے تو اس کے ساتھی شکست کھا جاتے ہیں اور وہ جانتا ہے کہ اب اسکی کیا ذمہ داری ہے (یعنی جہاد کی کس قدر ضرورت ہے) تو وہ واپس لوٹ جاتا ہے یہاں تک کہ اپنا خون اللہ کی راہ میں بہا دیتا ہے تو اللہ فرماتے ہیں میرے اس بندے کو دیکھو وہ جو کچھ میرے پاس اس کے لیے ہے اسکی حرص کرتے ہوئے آیا یہاں تک کہ اس نے اپنا خون بہا ڈالا۔ احمد شاکر کہتے ہیں اس کی اسناد صحیح ہیں اور الھیثمی نے مجمع (255/2) میں کہا کہ اسے احمداور ابو یعلیٰ اور طبرانی نے الکبیر میں روایت کیا اوراس کی اسناد حسن ہیں جبکہ ابو داو داورحاکم نے اسے مختصراً روایت کیا۔ ابن نحاس کہتے ہیں کہ اگر اس باب میں صرف یہ حدیث صحیح ہی ہوتی تو ہمیں دشمن کے اندر گھس جانے پہ استدلال کرنے پہ کافی تھی (واللہ اعلم)۔

11۔ ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف (289/5) میں زید بن ظبیان سے روایت کیا جسے انہوں نے ابی ذر رضی اللہ عنہ کی طرف مرفوع کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (ثلاثة یحبهم اللّٰه فذکر احدهم کرجل کان فی سریة فلقوا العدو فهزمو فأقبل بصدره حتیٰ یقتل او یفتح له) کہ تین آدمی جن سے اللہ محبت کرتے ہیں ان میں سے ایک وہ جو ایک سریۃ میں جہاد کر رہا تھا تو انہیں شکست ہوگئی تو وہ سینا تان کے دشمن کی طرف بڑھا یہاں تک کہ شہید ہوگیا یا اسے فتح ہوگئی۔ اسے حاکم نے روایت کیا اور کہا کہ یہ صحیح الاسناد ہے اور ابن المبارک نے کتاب الجہاد (84/1) میں روایت کیا مگر انہوں نے کہا (رجل کان فی فئة او سریة فانکشف اصحابه فنصب نفسه ونحره حتی قتل او یفتح له) ایک آدمی جو کسی گروہ یا چھوٹی سی جماعت میں تھا تو اس کے ساتھی شکست کھا گئے تو اس نے اپنے سینے کو دشمن

کے سامنے تان لیا یہاں تک کہ قتل ہو گیا یا اس کو فتح دے دی گئی۔

12۔ مسلم نے ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (**من خیر معاش الناس لهم رجل ممسک عنان فرسه فی سبیل اللّٰه یطیر علی متنه کلما سمع هیعة او فزعة طار علیه یبتغی القتل او الموت مظانه**) لوگوں میں سب سے بہتر معاش اس شخص کی ہے جو اللہ کی راہ میں اپنے گھوڑے کی لگام پکڑے ہوئے ہے اور ہوا کے دوش پہ سوار ہے جہاں کہیں بھی وہ چیخ و پکار سنتا ہے اڑ کے پہنچ جاتا ہے موت اور قتل کو اسکی جگہ پہ تلاش کرتا ہے۔ یہ حدیث اور اسکے بعد آنے والی احادیث اس بات پہ دلالت کرتی ہیں کہ موت اور قتل اور شہادت کو تلاش کرنا مشروع اور قابل ستائش فعل ہے۔

13۔ ابو عوانہ نے اپنی مسند (59/5) میں ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا کہ (**یاتی علی الناس زمان احسن الناس فیهم رجل آخذ بعنان فرسه فی سبیل اللّٰه کلما سمع هیعة استوی علی متنه ثم طلب الموت مظانه**) لوگوں پہ ایک ایسا زمانہ آنے کو ہے کہ ان کا بہترین فرد وہ ہوگا جو اللہ کی راہ میں اپنے گھوڑے کی لگام پکڑے ہوئے ہے جہاں کہیں سے وہ کوئی آواز سنتا ہے اس کے رخ پہ چل دیتا پھر موت کو اسکی جگہ پہ تلاش کرتا ہے۔

14۔ مسلم نے اپنی صحیح میں انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ رضی اللہ عنہم بدر کی طرف سبقت کرتے ہوئے دشمن سے پہلے وہاں پہنچ گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی بھی تم سے کسی چیز کی طرف سبقت نہ کرے یہاں تک کہ میں خود تمہیں خود اسکا حکم نہ دوں۔ تو پھر مشرکین پہنچے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (**قوموا الی جنة عرضها السموات والارض**) اس جنت کی طرف بڑھو جس کی وسعت زمین و آسمان کے برابر ہے تو **عمیر بن حمام** رضی اللہ عنہ کہنے لگے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنت کی وسعت زمین و آسمان کے برابر! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں۔ کہنے لگے بخ بخ تو رسول اللہ

ﷺ نے فرمایا کہ کیا مطلب ہے تمہارا بخ بخ کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ یہ تو صرف امید ہے کہ میں اس جنت کے اہل میں سے ہوں گا تو آپ ﷺ نے فرمایا(**فانک من اهلها**)تو اسی جنت کے اہل میں سے ہے تو انہوں نے اپنی پوٹلی سے کھجوریں نکال کے کھانا شروع کر دیں پھر کہنے لگے کہ اگر مجھے اتنی زندگی ملی کہ میں اپنی کھجوریں ہی کھا لوں تو یہ بہت لمبی زندگی ہوگی تو انہوں نے اپنی کھجوریں پھینک دیں اور قتال کرنے لگے یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ وجہ استدلال اس حدیث میں یہ ہے کہ نبی ﷺ نے بدر میں صحابہ کو حکم دیا کہ صرف صف باندھ کے ہی لڑیں اور آپ نیزہ لے کر ان کی صفیں درست فرما رہے تھے تا کہ کوئی صف سے آگے نہ بڑھا ہوا ہو۔ پھر جب **عمیر** رضی اللہ عنہ نے وہ بات سنی جس میں انہوں نے اس عمل کی فضیلت سنی تو وہ صف سے نکلے اور دشمن پہ اکیلے ہی حملہ کر دیا تو نبی ﷺ نے اس کا انکار نہیں کیا جبکہ ان کے اس فعل کا نتیجہ یقینی موت تھا۔

15۔ صحیحین میں **انس بن مالک** رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میرے چچا **انس بن نضر** رضی اللہ عنہ غزوہ بدر میں کسی وجہ سے حاضر نہ ہو سکے تو وہ کہنے لگے **(یا رسول اللّٰہ غبتُ عن اول قتال قاتلت المشرکین، لئن اشهدنی قتل المشرکین لیرین اللّٰہ ماذا اصنع، فلما کان یوم احد وانکشف المسلمون، فقال اللھم انی اعتذر الیک مما صنع ھئولآء یعنی اصحابه وأبرأ الیک مما صنع ھوء لآء یعنی المشرکین ثم تقدم فاستقبله سعد بن معاذ فقال یا سعد بن معاذ ،الجنة ورب النضر انی أجد ریحها دون احدٍ قال سعد فما استطعت یا رسول اللّٰہ ماصنع قال انس فوجدنا به بضعاً وثمانین ضربة بالسیف، او طعنة برمح او رمیة بسهم ووجدناه قد قتل وقد مثل به المشرکون فما عرفه احد الا اخته ببناته فقال انس کنا نری او نظن ان هذه الایة نزلت فیه وفی اشباهه (من الموء منین رجال صدقوا ما عاهدوا اللّٰہ علیه فمنهم من قضیٰ**

نحبه ومنهم من ينتظر وما بدلوا تبديلاً (الاحزاب 23)۔

یا رسول اللہ ﷺ میں اس پہلے قتال میں غائب تھا جو آپ ﷺ نے مشرکین کے ساتھ کیا اور اگر اب مجھے مشرکین کے ساتھ قتال کرنے کا موقع ملا تو اللہ تعالیٰ دیکھے گا کہ میں کیا کرتا ہوں۔ پھر جب احد کا دن آیا اور مسلمان شکست کھا گئے تو وہ کہنے لگے اے اللہ میں آپکی طرف معذرت کرتا ہوں جو کچھ میرے ساتھیوں نے کیا اور میں معذرت کرتا ہوں جو کچھ ان مشرکوں نے کیا پھر وہ آگے بڑھے، انہیں رستے میں سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ ملے تو وہ کہنے لگے اے سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ...... جنت، اور نضر کے رب کی قسم مجھے احد پہاڑ سے جنت کی خوشبو آ رہی ہے۔تو سعد رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میں اس کی طاقت نہ رکھتا تھا جو اس نے کیا۔انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ہم نے ان کے جسم پہ نیزوں، تیروں اور تلواروں 80 سے اوپر زخم تلاش کیے اور ہم نے انہیں مقتول پایا جبکہ مشرکین نے انکا مثلہ کر دیا تھا اور انہیں ان کی بہن کے سوا کوئی نہ پہچان سکا جس نے انہیں انگلیوں کے نشان سے پہچانا تو انس رضی اللہ عنہ کہتے کہ ہم خیال کیا کرتے تھے کہ یہ آیت انس بن النضر رضی اللہ عنہ اور اس کے جیسے افراد کے بارے میں نازل ہوئی'' مومنوں میں سے کچھ ایسے سچے مرد ہیں کہ جو انہوں نے اللہ سے عہد و پیمان باندھا تھا اسے پورا کر دکھایا ان میں کچھ ایسے ہیں کہ اپنے عہد کو نبھا چکے اور کچھ ایسے ہیں کہ ابھی تلک انتظار میں ہیں اور انہوں نے اپنے عہد کو بالکل نہیں بدلا (یہ لفظ بخاری کے ہیں)۔

16۔ بیہقی نے سنن الکبریٰ (100/9) میں مجاہد سے باسناد صحیح روایت کیا وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے **عبد اللّٰہ بن مسعود** رضی اللہ عنہ اور **خباب** رضی اللہ عنہ کو ایک سریۃ میں بھیجا اور دُحیہ کو اکیلے ایک سریۃ میں بھیجا۔ یہ حدیث اور اسکے بعد والی اس بات کی دلیل کہ جہادی اعمال میں خطرہ جس قدر بھی زیادہ ہو اس کا کوئی اعتبار نہیں بلکہ وہ اصلِ مشروع ہے اور جتنا زیادہ خطرہ ہوگا اسی قدر وہ عمل ثواب میں زیادہ ہوگا

اور یہ بات آئندہ بحث میں واضح ہو جائے گی۔

17۔ بیھقی نے سنن الکبریٰ (100/9) میں روایت کیا کہ نبی ﷺ نے عمرو بن امیه رضی اللہ عنہ اور انصار کے ایک آدمی کو ایک سریۃ میں بھیجا اور عبد اللّٰه بن انیس رضی اللہ عنہ کو اکیلے ایک سریۃ میں بھیجا۔

18۔ بیھقی نے سنن الکبریٰ (100/9) میں روایت کیا کہ امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ایک آدمی بئرِ معونہ کے واقعہ میں پیچھے بچ گیا تو اس نے پرندوں کو اپنے ساتھیوں کی لاشوں پہ منڈلاتے ہوئے دیکھا تو کہنے لگا (ساقدم علی هئولاء العدو فيقتلونی ولا اتخلف عن مشهد قتل فيه اصحابنا ففعل فقتل) میں اس دشمن پہ حملہ کروں گا چاہے وہ مجھے قتل کر دیں اور میں ایسے موقع سے پیچھے نہیں ہٹ سکتا جہاں میرے ساتھی قتل کر دیے گئے ہوں تو اس نے ایسا ہی کیا اور قتل ہو گیا۔ تو عمرو بن امیه جب لوٹ کے آئے اور انہوں نے سارا واقعہ رسول اللہ ﷺ کو سنایا تو آپ ﷺ نے ان کے بارے میں اچھی بات کہی اور عمرو بن امیہ سے کہا (فهلا تقدمت ؟) پھر تو کیوں نہ آگے بڑھا؟ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے اس شخص پہ انکار نہیں کیا جو اس طرح حملہ آور ہوا باوجود اس کے کہ اسکے علم تھا کہ وہ قتل ہو جائے گا بلکہ وہ جو وہاں سے واپس آ گیا تھا اسے آپ ﷺ نے ابھارا کہ تو اپنے ساتھیوں کی طرح قتل کیوں نہ ہو گیا۔

19۔ بخاری نے اپنی صحیح (1008/3) میں ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے دس افراد کو ایک سریہ میں روانہ کیا اور ان پہ عاصم بن ثابت الانصاری رضی اللہ عنہ (جد عاصم بن عمر) کو امیر مقرر فرمایا وہ چلے یہاں تک کہ جب وہ ہداء کے پاس پہنچے جو کہ مکہ اور عسفان کی وادی کے درمیان ہے تو ان کا گذر ہذیل کے علاقے سے ہوا جنہیں بنولحیان کہا جاتا تھا تو وہ سو کے قریب افراد ان کی طرف نکلے۔ وہ سب مضبوط لوگ تھے انہوں نے ان کے آثار کا پیچھا کیا تو وہاں انہیں ان

کے زادِراہ کی کھجوریں ملیں جو وہ مدینہ سے ساتھ لائے تھے۔ وہ کہنے لگے یہ تو مدینہ کی کھجوریں ہیں۔ تو وہ ان کے آثار پہ چلنے لگے یہاں تک کہ جب عاصم رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے انہیں دیکھا وہ فدفد کی طرف ہو گئے اور قوم نے ان کو گھیرے میں لے لیا تو وہ کہنے لگے نیچے اترو اور ہمارے ساتھ عہد و میثاق لے لو اور ہم کسی کو بھی قتل نہیں کریں گے۔ تو امیر السریۃ عاصم نے کہا(**اما انا فلا انزل الیوم فی ذمة کافر اللھم اخبر عنا نبیک** صلی اللہ علیہ وسلم) میں آج کسی کافر کے ساتھ معاہدہ نہیں کروں گا اے اللہ ہماری خبر اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچا دے۔ تو مشرکوں نے انہیں نیزہ دے مارا اور عاصم سمیت ان کے سات ساتھیوں کو شہید کر دیا اور باقی تین نے ان کے ساتھ عہد و میثاق کر لیا جن میں **خبیب** رضی اللہ عنہ **الانصاری ، ابنِ دثنہ** اور ایک اور صحابی رضی اللہ عنہ تھے ۔ جب انہوں نے ان پہ غلبہ پالیا تو ان کی نیت بدل گئی تو انہوں نے ان کی مشکیں کس دیں تو تیسرے آدمی نے کہا یہ پہلی غداری ہے اللہ کی قسم میں تمہارے ساتھ نہ چلوں گا تم میں ایسی برائی ہے کہ تم ہمیں قتل کرنا چاہتے ہو۔ انہوں نے اسے گھسیٹا اور اسے قابو کرنا چاہا مگر اس نے انکار کر دیا تو اسے قتل کر دیا اور خبیب رضی اللہ عنہ اور ابنِ دثنہ رضی اللہ عنہ کو مکہ میں لا کر بیچ دیا۔

20۔ مسلم نے اپنی صحیح میں کتاب الجہاد میں **انس بن مالک** رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احد کے دن انصار کے سات اور قریش کے دو آدمیوں کے ساتھ اکیلے رہ گئے تو جب مشرکوں نے حملہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا(**من یردھم عنا فله الجنة**) کون انہیں ہم سے دور کرے گا تو اس کے لیے جنت ہے تو انصار میں سے ایک آدمی آگے آیا اور قتال کرتا ہوا شہید ہو گیا۔ پھر حملہ ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کون ہے جو انکو ہم سے دور کرے گا تو اسکے لیے جنت ہے یا وہ میرا جنت میں ساتھی ہو گا تو انصار میں سے ایک آدمی آیا یہاں تک کہ شہید ہو گیا اور ایسا ہی ہوتا رہا یہاں تک کہ سات صحابہ شہید ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا(**ما انصَفْنَا اصحابنا**)

ہم نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ انصاف نہیں کیا۔

21۔ ابن کثیر رحمہ اللہ نے البدایة والنهایة(34/4) میں روایت کیا کہ ابو دجانہ نے نبی ﷺ کے لیے اپنے آپ کو ڈھال بنالیا اور آپکی طرف آنے والے نیزوں کو اپنی پشت پہ روکتے تھے وہ ایسا کرتے رہے جبکہ نیزے اور زیادہ بڑھتے گئے۔اس حدیث میں اور جو اس کے بعد ہے اس میں جواز ہے کہ قائد کے لیے فدا ہوا جاسکتا ہے اور یہ نبی ﷺ کے ساتھ ہی خاص نہیں جبکہ قائد کے لیے فدا ہونا قلیل درجہ کا عمل ہے تو پھر دین کے لیے فدا ہونا کیسا ہے؟

22۔ صحیحین میں ابی طلحه رضی اللہ عنہ کے مناقب میں انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب احد کا دن تھا تو لوگ نبی ﷺ کے پاس سے شکست کھا گئے اور ابوطلحہ نبی ﷺ کے پاس ہی ٹھہرے رہے اور چمڑے کی بنی ہوئی ڈھال کے ساتھ نبی ﷺ کا دفاع کرنے لگے کہ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ بہترین نشانہ باز تھے یہاں تک کہ انہوں نے اس دن دو یا تین کمانیں توڑ دیں اور جو بھی شخص وہاں سے گذرتا اور اسکے پاس ترکش ہوتا تو نبی ﷺ فرماتے اسے ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے لیے یہاں ڈال دو تو نبی ﷺ سامنے ہو کر مشرکوں کی طرف دیکھتے تو ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کہتے اے اللہ کے نبی ﷺ میرے ماں باپ آپ ﷺ پہ قربان ہوں آپ ﷺ سامنے مت ہوئیے کہ کوئی تیرِ ناہنجار آپ ﷺ کو نہ لگ جائے میرا سینہ آپ کے سینے کی ڈھال ہے۔

23۔ بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کیا کہ قیس بن حازم نے کہا میں نے طلحہ کا وہ ہاتھ دیکھا جس کے ساتھ وہ نبی ﷺ کو بچا رہے تھے وہ شل ہو چکا تھا۔

24۔ صحیحین میں یزید بن ابی عبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے سلمہ بن الاکوع سے کہا کہ تم لوگوں نے کس بات پہ حدیبیہ کے دن نبی ﷺ کی بیعت کی تھی کہنے لگے (علی الموت)موت پہ!

25۔ مسلم نے کتاب الجہاد اور امام احمد نے اپنی مسند(52/4) میں سلمہ بن

الا کــو ع ﷛ سے روایت کیا کہ ہم حدیبیہ کے زمانے میں نبی ﷺ کے ساتھ مدینہ آئے تو میں اور رباح ﷛ (نبی ﷺ کے غلام) نکلے اور آپ کو پیچھے چھوڑ دیا۔ میں طلحہ بن عبید اللہ کے گھوڑے پہ سوار تھا میں چاہتا تھا کہ میں اونٹوں کیساتھ جاملوں مگر جب وہ غلس میں پہنچے تو عبدالرحمٰن بن عیینہ نے نبی ﷺ کے اونٹ پہ حملہ کردیا اور اس کے چرانے والے کو قتل کردیا اور اونٹوں کو گھوڑوں پہ ہانکتا ہوا اپنا ساتھیوں کے ساتھ لے اڑا تو میں نے کہا اے رباح اس گھوڑے پہ سوار ہوجا اور یہ گھوڑا طلحہ کو پہنچادے اور اللہ کے رسول ﷺ کو خبردے کہ آپ ﷺ کے ریوڑ پہ حملہ کیا گیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں اٹھا اور اپنا منہ مدینہ کی طرف کر کے میں نے تین مرتبہ یا صباحاہ پکارا (یعنی مدد کے لیے اپنے ساتھیوں کو پکارا)۔ پھر میں نے ان لوگوں کا اپنی تلوار اور نیزہ لے کر پیچھا کرنا شروع کردیا انہیں مارتا جاتا تھا اور انہیں زخمی کرتا جاتا تھا۔ پھر وہ کہتے ہیں کہ یہی میرا حال رہا میں ان کا پیچھا کرتا رہا اور ان پہ حملے کرتا رہا یہاں تک اللہ نے جیسے چاہا نبی ﷺ کے ساتھ معاملہ کیا اور میں نے آپ ﷺ کو بہت پیچھے چھوڑ دیا اور میں نے ان سے اونٹوں کو چھڑوالیا اور میں تاک تاک کے ان کے نشانے لیتا رہا یہاں تک کہ انہوں نے تیس کے قریب نیزے گرادیئے اور تیس کے قریب ڈھالیں اور اس سے وہ اپنا وزن ہلکا کیے جارہے تھے۔ وہ جوبھی چیز گراتے جاتے میں اس پہ نشانی کے طور پہ ایک پتھر رکھ دیتا اور پیچھے نبی ﷺ کے رستے میں یہ ساری چیزیں جمع کرتا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ جب صبح کا سورج بلند ہوا تو عیینہ بن بدر الفرازی ان کی مدد کے لیے ثـــنیة ضیـفه میں پہنچا تو میں پہاڑ پہ چڑھ گیا اور میں ان سے اونچا تھا تو عیینہ نے کہا یہ کیا ہے؟ یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں؟ کہنے لگے اس سوار نے ہمیں بہت تکلیف پہنچائی ہے یہ سحری کے وقت سے ہمارے پیچھے لگا ہوا ہے اس نے ہم سے ہر چیز لے لی ہے اور اسے اپنے پیچھے جمع کرتا گیا ہے۔ تو عیینہ نے کہا اگر اسے پتہ نہ ہوتا کہ اس کے پیچھے اس کے لیے مدد آرہی ہے تو یہ ضرور تمہیں چھوڑ جاتا۔ کہنے لگا تم میں سے ایک گروہ اسکی طرف جائے

تو ان میں سے چار لوگ کھڑے ہوئے اور وہ پہاڑ پہ چڑھنے لگے۔تو جب میں نے انکی آواز سنی تو میں نے کہا کیا تم مجھے جانتے ہو؟ کہنے لگے تو کون ہے؟ میں نے کہا میں ابن الاکوع ہوں اس ذات کی قسم جس نے محمد ﷺ کے چہرہ مبارک کو عزت بخشی تم میں جو آدمی مجھے مقابلہ کے لیے طلب کرے گا تو وہ مجھے تیار پائے گا اور میں اسے طلب کروں گا تو کوئی نہ آئے گا تو ایک آدمی ان میں سے کہنے لگا میں ایسا ہی گمان کرتا ہوں۔سلمہ کہتے ہیں ابھی میں اپنی جگہ سے ہلا بھی نہ تھا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے شہسواروں کو درختوں کے جھنڈ میں نمودار ہوتے دیکھا اور ان میں سب سے آگے اُخرم اُلاسدی رضی اللہ عنہ تھے اور ان کے پیچھے شہسوار ابوقتادہ رضی اللہ عنہ تھے۔تو اخرم رضی اللہ عنہ نے پہاڑ سے نیچا اترنا چاہا تو میں نے اسے روک لیا اور اس کے گھوڑے کی لگام تھام لی اور کہا اے اخرم رضی اللہ عنہ جا کے قوم کو خبردار کرو کیونکہ میں اس بات سے امن میں نہیں کہ نبی ﷺ کے آنے سے پہلے وہ تجھے کاٹ ڈالیں گے۔تو اخرم کہنے لگے اے سلمہ رضی اللہ عنہ اگر تو اللہ اور آخرت پہ ایمان رکھتا ہے اور جانتا ہے جنت اور آگ حق ہیں تو میرے اور جنت کے درمیان حائل نہ ہو تو سلمہ کہتے ہیں کہ میں نے اس کے گھوڑے کی لگام چھوڑ دی تا کہ وہ جا کے عبدالرحمٰن بن عیینہ سے ملے اور عبدالرحمٰن اس پہ کوئی نرمی کرے تو ان دونوں کے نیزے آپس میں ٹکرائے تو اخرم نے عبدالرحمٰن بن عیینہ کو نیزہ مارا اور عبدالرحمٰن نے بھی انہیں زخمی کر دیا اور قتل کر دیا تو عبدالرحمٰن اخرم کے گھوڑے پہ سوار ہو گیا تو پھر وہ ابوقتادہ سے ملا تو ابوقتادہ نے اسے نیزہ مارا اور اسے قتل کر دیا اور خود اخرم کے گھوڑے پہ سوار ہو گئے یہاں تک کہ وہ (سلمہ) کہتے کہ میں پھر نبی ﷺ کے پاس آیا تو میں نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ مجھے اپنے اصحاب میں سے 100 سوار منتخب کرنے کی اجازت دیجیے تا کہ میں ان کافروں کے گروہ پہ ہلہ بول دوں تو ان پھر ان میں سے کوئی مخبر نہ بچا یہاں تک کہ میں نے اسے قتل کر دیا۔تو نبی ﷺ نے فرمایا (**اکنت فاعلاً ذالک یا سلمۃ**) اے سلمہ کیا یہ سب تو نے کیا؟ تو میں نے کہا ہاں اس ذات کی قسم جس

نے آپ ﷺ کو عزت بخشی میں نے ہی کیا! تو رسول اللہ ﷺ مسکرائے یہاں تک کہ میں نے آپ ﷺ کے مبارک دانتوں کو سورج کی روشنی میں چمکتے ہوئے دیکھا۔ یہاں تک کہ سلمہ بیان کرتے ہیں جب صبح ہوئی تو نبی ﷺ نے فرمایا (**خیر فرساننا الیوم ابو قتادة وخیر رجالتنا سلمه**) آج ہمارے بہترین سوار ابو قتادہ رضی اللہ عنہ اور بہترین پیادہ سلمہ بن الاکوع تھے۔ تو نبی ﷺ نے مجھے مالِ غنیمت میں سے پیادہ اور سوار دونوں کا حصہ دیا۔ اس حدیث میں نبی ﷺ نے سلمہ بن الاکوع کے فعل کا نہ تو انکار کیا کہ انہوں نے اکیلے اور اجازت کے بغیر دشمن سے قتال کیا بلکہ انکی تعریف کی۔ اسی طرح آپ نے اخرم رضی اللہ عنہ کا قوم کے ساتھ اکیلے لڑنا بھی برا نہ جانا۔ تو یہ اس بات کی واضح دلیل ہے جہاد بغیر امام کے اذن کے بھی ہوسکتا ہے اور یہ کہ دشمن کی تعداد اور تیاری کے تفوّق و برتری کے باوجود اس کے ساتھ قتال کیا جا سکتا ہے۔

26۔ **بیھقی** نے **سنن الکبریٰ کتاب السیر** (44/9) میں روایت کیا ہے جب جنگِ یمامہ کے دن بنوحنیفہ نے مسیلمۃ کذاب کے باغ میں پناہ لی، وہ باغ جو بعد میں ''رحمٰن کا باغ'' اور ''موت کا باغ'' کے نام سے مشہور ہوا تھا، تو براء بن مالک رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ مجھے **جفنة** میں ڈال دو (جفنہ اس کمان کو کہتے ہیں جو چمڑے کی بنی ہوتی ہے اور اس میں پتھر ڈال کے دشمن پہ پھینکے جاتے ہیں) اور باغ کے اندر پھینک دو۔ تو انہوں نے انہیں باغ کے اندر پھینک دیا پھر انہوں نے اکیلے قتال کیا اور دسیوں افراد کو قتل کر کے مسلمانوں کے لیے دروازہ کھول دیا ان کو اس دن 80 سے زائد زخم آئے یہاں تک کہ مسلمانوں کو فتح ہوگئی اور ان پہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے انکار نہیں کیا۔ صحابہ کا اس عمل کو مقرر رکھنا اس بات کی دلیل ہے ہر وہ جہادی عمل جائز و درست ہے چاہے اس میں ہلاکت کس قدر یقینی ہو۔

27۔ ایک جماعت نے محمد بن ثابت بن قیس بن شماس سے روایت کیا ہے کہ جب یمامہ کے دن مسلمانوں کو شکست ہوئی تو **سالم مولیٰ ابی حذیفه** رضی اللہ عنہ کہنے

لگے ہم رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ایسا تو نہیں کیا کرتے تھے تو انہوں نے اپنے لیے ایک گڑھا کھودا اور مہاجرین کا جھنڈا لے کر اس میں کھڑے ہو گئے اور قتال کرتے رہے یہاں تک کہ یمامہ کی جنگ میں شہید ہو گئے۔ یہ حدیث اور اس کے بعد آنے والی اس بات پہ دلالت کرتی ہے کہ ثابت قدمی مطلوب ہے اگر چہ ایسا کرنے میں موت ہی کیوں نہ آ جائے۔ سالم نے ایسے فعل کو نبی ﷺ تک مرفوع بھی کیا ہے۔

28۔ ابنِ جریر الطبری اپنی تاریخ (151/2) میں روایت کرتے ہیں کہ معرکہ موءتہ میں: آپ ﷺ نے فرمایا (**ثم اخذ الراية جعفر بن ابی طالب فقاتل بها حتی اذا الحمه القتال اقتحم عن فرسه له شقراء فعقرها ثم قاتل القوم حتی قتل فكان جعفر اول رجل من المسلمين عقر فی الاسلام فرسه**) پھر جھنڈا **جعفر بن ابی طالب** رضی اللہ عنہ نے تھام لیا اور اسے ساتھ لیے قتال کرنے لگے یہاں تک کہ جب لڑائی خوب بھڑک اٹھی وہ اپنے گھوڑے سے اترے اور انہوں نے اپنے شقرأ گھوڑے کی کونچیں کاٹ ڈالیں اور پھر قتال کرنے لگے یہاں تک کہ شہید ہو گئے تو جعفر اسلام میں پہلے شخص تھے جنہوں نے اپنے گھوڑے کی کونچیں کاٹ ڈالیں اور یوں اپنے بچاؤ کے تمام ظاہری اسباب کو خود ختم کر دیا۔

29۔ ابن عساکر نے تاریخ دمشق (101/6-7) میں اپنی اسناد کے ساتھ عقبہ بن قیس الکلابی سے روایت کیا کہ ایک آدمی نے **ابو عبیدة بن الجراح** رضی اللہ عنہ سے یرموک کے دن عرض کی جنابِ امیر (**انی قد أجمعت علیٰ امری أن أشد عليهم فهل توصونی الی نبيكم** ﷺ **بشیء فقال تقرئوه السلام و تخبره أنا قد وجدنا ماوعدنا ربنا حقاً**) میں دشمن کے اوپر ٹوٹ پڑوں لگا تو کیا آپ کے پاس کوئی پیغام ہے میں اسے جنابِ محبوبِ جہادیاں محمد رسول اللہ ﷺ کو پہنچا دوں تو امیر ابو عبیدة رضی اللہ عنہ نے کہا انہیں سلام کہنا اور انکی جناب میں عرض کرنا کہ ہم نے اپنے رب کے تمام وعدوں کو سچا پایا۔ یہ حدیث اور اسکے بعد والی احادیث اس بات پہ دلالت کرتی ہیں

کہ ایسا حملہ جو سیدھا موت کی طرف لے جانے والا ہو وہ صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین رحمہم اللہ میں ایک مشہور امر تھا۔علامہ محمد اقبال رحمہ اللہ نے اس واقعہ پہ اپنی ایک مشہور نظم بھی کہی ہے......

صف بستہ تھے عرب کے جوانانِ تیغ بند		تھی منتظر حنا کی عروسِ زمین شام
اک نوجوان صورتِ سیماب مضطرب		آ کر ہوا امیر عساکر سے ہمکلام
اے ابو عبیدہؓ رخصتِ پیکار دے مجھے		لبریز ہوگیا ہے میرے صبروسکوں کا جام
بیتاب ہورہا ہوں فراقِ رسول میں		اک دم کی زندگی بھی محبت میں ہے حرام
جاتا ہوں حضورِ رسالت پناہ میں		لے جاؤں گا خوشی سے اگر ہو کوئی پیام
یہ ذوق شوق دیکھ کے پرنم ہوئی وہ آنکھ		جس کی نگاہ تھی صفتِ تیغِ بے نیام
بولا امیر فوج کہ وہ نوجواں ہے تو		پیروں پہ تیرے عشق کا واجب ہے احترام
پوری کرے خدائے محمد تیری مراد		کتنا بلند ہے تیری محبت کا مقام
پہنچے جو بارگاہِ رسولِ امیں میں تو		کرنا یہ عرض میری طرف سے پس از سلام
ہم پہ کرم کیا ہے خدائے غیور نے		پورے ہوئے جو وعدے کیے تھے حضور نے

(بانگِ درا/علامہ محمد اقبال رحمہ اللہ)

30۔ ابنِ جریر الطبری اپنی تاریخ (338/2) میں معرکہ یرموک کے احداث میں ذکر کیا کہ جب لڑائی طویل ہوگئی تو عکرمہ رضی اللہ عنہ بن ابی جھل ایک دن کہنے لگے وہ دن کہ جب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہر جگہ پہ قتال کیا تھا اور آج میں تم سے بھاگتا ہوں یعنی رومیوں سے تو انہوں نے پکارا (من يبايع على الموت) کون ہے جو موت پہ بیعت کرے گا؟ تو حارث بن هشام اور ضرار بن الازور رضی اللہ عنہما نے 400 سو صحابہ رضی اللہ عنہم کی معیت میں ان کے ہاتھ پہ بیعت کی تو انہوں جنابِ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے گروہ کے سامنے بہت سخت لڑائی کی یہاں تک کہ

ثابت قدم رہے، قتل ہوئے اور زخمی ہوئے سوائے اس کے جو بچ گیا اور ان میں ضرار بن الازور بھی تھے۔ پھر جب معرکہ ختم ہوا تو جناب قائد خالد بن ولید رضی اللہ عنہ زخمی عکرمہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو انہوں نے عکرمہ رضی اللہ عنہ کا سر اپنے ران پہ رکھا اور عمرو بن عکرمہ رضی اللہ عنہ کا سر اپنی پنڈلی پہ رکھا اور ان کے چہرون کو پونچھنے لگے اور ان کے حلق میں میں پانی کے قطرے ٹپکانے لگے اور کہنے لگے ابن الحنتمة غلط کہتا تھا کہ ہم شہید نہیں ہوں گے۔

31۔ ابنِ مبارک نے کتاب الجہاد (88/1) میں روایت کیا اور بیہقی نے اپنی سنن مین ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ عکرمہ رضی اللہ عنہ کیسے شہید ہوئے۔ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے انہیں کہا اے عکرمہ رضی اللہ عنہ ایسا نہ کر (یعنی تم حملہ کے لیے نہ جاؤ) کیونکہ تیرا قتل مسلمانوں کے لیے بہت شدید ہوگا تو وہ کہنے لگے اے خالد میرا راستہ چھوڑ دے تو نے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی بہت وقت گذارا ہے جبکہ میں اور میرا والد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف تمام لوگوں سے زیادہ سخت تھے تو وہ چلے گئے یہاں تک کہ شہید ہوگئے۔

32۔ مسلم نے اپنی صحیح میں ابوبکر بن عبداللہ بن قیس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں میں نے اپنے باپ کو سنا اور وہ دشمن کے سامنے تھے اور کہ رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (ان الجنة تحت ظلال السیوف) بے شک جنت تلواروں کے سائے تلے ہے۔ تو قوم کا ایک ادنیٰ ترین آدمی اٹھا اور کہنے لگا اے ابوموسی رضی اللہ عنہ کیا تو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا فرماتے ہوئے سنا ہے؟ کہنے لگے ہاں تو وہ اپنے ساتھیوں کے پاس واپس لوٹ گیا اور انہیں کہنے لگا السلام علیکم پھر اس نے اپنی تلوار کی میان توڑ دالی اور اپنی تلوار لے کر دشمن کی طرف چل پڑا اور انہیں مارا یہاں تک کہ شہید ہوگیا۔

33۔ ابنِ جریر نے اپنی تاریخ (194/5) میں روایت کیا ہے کہ جنگِ جمل کے دن ابنِ زبیر رضی اللہ عنہ کا مقابلہ اشتر نخعی سے ہوگیا اور انکی ضربیں آپس میں

ٹکرائیں تو جب ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ وہ ان سے بچ نکلنے میں کامیاب ہو جائے گا تو انہوں نے آواز لگائی (اقتلونی و مالکاً) مجھے اور مالک کو قتل کردو۔ امام الشعبی کہتے ہیں کہ لوگ اشتر نخعی کو مالک کے نام سے نہیں جانتے تھے اور اگر ابن زبیر یہ کہہ دیتے کہ مجھے اور اشتر کو قتل کردو تو پھر اگر اشتر کے پاس ایک ہزار جانیں بھی ہوتیں تو کبھی نہ بچ سکتا پھر وہ ابن زبیر کے ہاتھ میں مضطرب رہا یہاں تک کہ نکل گیا۔ اس روایت میں ابن زبیر کا اپنے ساتھیوں سے مطالبہ کرنا کہ انہیں اور اشتر کو قتل کر دیا جائے یہ اس بات پہ دلیل ہے کہ جب حالات متقاضی ہوں تو دین کی مصلحت کی خاطر اپنے نفس کو بھی قتل کیا جا سکتا ہے۔

34۔ قرطبی نے اپنی تفسیر (363/2) میں ذکر کیا کہ جب مسلمانوں کا لشکر فارسیوں سے ٹکرایا تو ان کے گھوڑے ہاتھیوں سے بدک کے بھاگ کھڑے ہوئے اور یہ جنگِ جسر کا مشہور واقعہ تھا۔ پھر مسلمانوں کے ایک آدمی نے مٹی کا ایک ہاتھی بنایا اور اپنے گھوڑے کو اس کے ساتھ مانوس کرنے لگا یہاں تک کہ اگلے دن کی لڑائی میں اس کا گھوڑا ہاتھیوں سے بدک کر بالکل نہ بھاگا تو وہ اس ہاتھی پہ حملہ آور ہو گیا جو اسکی طرف آرہا تھا تو اسے کہا گیا کہ یہ تجھے مار دے گا وہ کہنے لگا (**لاضیر أن أقتل ویفتح للمسلمین**) کوئی پرواہ نہیں کہ اگر میں قتل ہو جاؤں اور مسلمانوں کو فتح مل جائے۔

35۔ ابنِ عساکر نے تاریخ دمشق (220/24) میں عبدالرحمٰن بن الاسود عبد یغوث سے روایت کیا کہ انہوں نے دمشق کا محاصرہ کیا تو قبیلہ اسد کا ایک آدمی دشمن پہ اکیلا ٹوٹ پڑا تو مسلمانوں نے اس بات پہ عیب لگایا تو جب یہ معاملہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا جو اس وقت ایک لشکر کی قیادت کر رہے تھے تو عمرو رضی اللہ عنہ جواب میں کہا (**ان اللّٰہ یحب الذین یقاتلون فی سبیله کانهم بنیان مرصوص**) بے شک اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو پسند کرتا ہے جو اس کی راہ میں صف بستہ ہو کے لڑتے ہیں اور کہا (**و لا تلقوا بأیدیکم الی التهلکة**) اپنے آپ کو ہلاکت

میں مت ڈالو تو اس آدمی نے کہا میں اے عمرو میں تجھے اس اللہ کی یاد دلاتا ہوں جس نے تجھے کفر کی قیادت کرتا ہوا پایا تو تجھے اس نے اسلام کی قیادت سونپ دی کہ تو مجھے ایسے کام سے مت روک جس کا عزم میں نے کرلیا ہے میں چاہتا ہوں کہ میں جاؤں تا کہ یہ ہٹ جائے اور اشارہ سامنے برف کے پہاڑ کی طرف کیا۔تو وہ عمرو رضی اللہ عنہ سے جھگڑا کرتا رہا یہاں تک کہ عمرو رضی اللہ عنہ نے اس کا رستہ چھوڑ دیا۔وہ چلا گیا یہاں تک کہ رات ہوگئی اور دشمن کی جانب اندھیرا چھا گیا پھر وہ واپس لوٹ آیا تو مسلمانوں نے کہا اللہ کا شکر کہ جس نے تجھے واپس لوٹا دیا ہے تیری رائے سے۔وہ کہنے لگا اللہ کی قسم میں ابھی تک اسی پہ قائم ہوں لیکن میں نے رات کی تاریکی کو دیکھا تو دل میں خیال کیا کہ میں کہیں ایسے ہی ضائع نہ ہوجاؤں۔جب صبح ہوئی تو وہ اکیلا دشمن پہ ٹوٹ پڑا اور قتال کرتا ہوا شہید ہوگیا۔ابن نحاس کہتے ہیں عمرو بن العاص کا یہ قصہ سلمہ بن اکوع کے اخرم الاسدی کے قصہ کے ساتھ مشابہ ہے۔

36۔ **ابوالحجاج المزی الحافظ** اور **ابنِ عساکر** نے تاریخ دمشق (149/10) میں اسماعیل بن عیاش سے اور انھوں نے ابوبکر بن مریم سے اور وہ روایت کرتے ہیں **العلاء بن سفیان الحضرمی** سے،**ابنِ حبان** نے بھی اس کا ذکر کر کے سکوت کیا ہے وہ کہتے ہیں **بسر بن ارطاۃ** رضی اللہ عنہ نے روم سے جہاد کیا تو ان کے لشکر میں ساقہ پہ بار بار حملہ کیا جاتا اور اس پہ کمین لگائی جاتی اور انہیں نقصان ہوتا تو جب انھوں نے یہ دیکھا تو وہ اپنے لشکر کے سو آدمیوں کے ساتھ پیچھے ہولیے یہاں تک کہ وہ رومیوں کی ایک وادی میں اکیلے ہی نکل کھڑے ہوئے تو وہاں تیس کے قریب ٹٹو (ترکی گھوڑے) بندھے ہوئے تھے اور ایک جانب ایک کنیسہ تھا جس میں ان ٹٹوؤں کے سوار چھپے ہوئے تھے جو ان پہ حملے کیا کرتے تھے تو وہ اپنے گھوڑے سے نیچے اترے اور اسے باندھ دیا اور پھر کنیسہ میں داخل ہوگئے اور اندر داخل ہوتے ہی انھوں نے دروازے کو کنڈا چڑھا دیا۔رومی ان کا یہ فعل دیکھ کر بہت حیران ہوئے اور ابھی انھوں نے

اپنے نیزے سیدھے بھی نہ کیے تھے کہ انہوں نے تین رومیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ جب ان کے لشکر نے انہیں گم پایا تو وہ ان کی تلاش میں نکلے یہاں تک کہ ان کا گھوڑا انہیں کنیسہ کے باہر ملا لیکن کنیسہ کا دروازہ بند تھا تو انہوں چھت کو پھاڑا اور اس سے نیچے اترے تو کیا دیکھتے ہیں کہ بسر رضی اللہ عنہ نے اپنی کچھ آنتیں ہاتھ میں پکڑی ہیں اور ان کی تلوار ان کے دائیں ہاتھ میں ہے تو جب ان کے ساتھیوں نے کنیسہ پہ غلبہ پالیا تو بسر رضی اللہ عنہ غشی کھا کے گر پڑے تو ن کے ساتھی کنیسہ والوں قتل کرنے لگے اور کئی کو گرفتار کرلیا۔ جب قیدی ان کے پاس آئے تو کہنے لگے تمہیں اللہ کی قسم ہے بتاؤ تو یہ کون شخص ہے؟ کہنے لگے یہ **بسر بن ارطاۃ** رضی اللہ عنہ ہیں تو عیسائی قیدی کہنے لگے اللہ کی قسم کسی ماں نے ان کی جیسا جوان نہیں جنا۔ تو پھر انہوں نے ان کی انتڑیوں کو واپس لوٹایا اور ابھی کوئی بھی نہ کٹی تھی اور اپنے عماموں سے ان کے زخموں کو باندھ دیا اور انہیں اٹھا کے لے گئے اور ان کا علاج کیا یہاں تک کہ وہ بالکل صحیح ہو گئے۔ یہ بسر رضی اللہ عنہ **امت** کے بہادروں اور ابطال میں سے ہیں۔ یزید بن ابی حبیب کہتے ہیں کہ **بسر** رضی اللہ عنہ تلوار کے بہت دھنی تھے اور (**و رب فتح قد فتحه اللّٰه علی یدیه**) کتنی ہی فتوحات ہیں جو اللہ نے ان کے ہاتھ پہ کروائیں۔ روایت میں آتا ہے کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ جو بھی حدیبیہ میں حاضر تھا اسے 200 دینار دو اور اپنے آپکو بھی اور اتنے ہی **خارجہ بن الحذافہ** رضی اللہ عنہ کو انکی ضیافت کے عوض دو اور اتنے ہی بسر بن ارطاۃ رضی اللہ عنہ کو ان کی شجاعت کے عوض دو۔

37۔ **المزی** رحمہ اللہ اپنی سند کے ساتھ ابن اسحٰق سے اور ابن سمعان سے ان کے بعض مشایخ کے ذریعے دمشق کے حصار کے قصے میں روایت کیا، وہ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کا ایک آدمی حمص کے قریب دریا کے پاس پہنچا تو اس نے اپنے گھوڑے کو پانی پلایا تو اس کی طرف اہل مصر کے تیس کے قریب آدمی نکلے تو انہوں نے جب اکیلے آدمی کو دیکھا تو اس کی طرف لپکے ادھر یہ اپنے گھوڑے سے نیچے اترا اور اس نے دریا پار کیا

اوران کے اوپر حملہ آور ہو گیا پھر اس نے اپنی طرف آنے والے پہلے سوار کو قتل کیا پھر دوسرے کو پھر تیسرے کو پھر انہیں وہ ایک ایک کر کے قتل کرتا گیا یہاں تک کہ وہ ساحل کے پاس ایک محل کے قریب پہنچا تو انہوں نے اس کے اندر سے اس پہ حملہ کیا جبکہ وہ انکے دس آدمی جہنم رسید کر چکا تھا تو محل والوں نے اس پہ پتھر پھینکا اور اسے قتل کر دیا۔

38۔ بیھقی نے اپنی اسناد کے ساتھ سیار بن مالک سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے مالک بن دینار سے سنا وہ کہتے کہ جب الزوایة کا دن تھا تو عبداللہ بن غالب کہنے لگے میں ایک ایسا معاملہ دیکھتا ہوں جس پہ مجھے صبر نہیں ہوتا، ہمیں جنت میں پہنچا کے خوشی دو تو انہوں نے اپنی تلوار کی میان توڑ ڈالی اور آگے بڑھے اور قتال کیا یہاں تک کہ قتل کر دیئے گئے۔ کہتے ہیں کہ ان کی قبر سے کستوری کی خوشبو آتی تھی۔ مالک کہتے ہیں کہ پھر میں انکی قبر پہ گیا اور وہاں سے مٹی لیکر اسے سونگھا تو اسمیں میں نے کستوری کی خوشبو پائی۔

39۔ طرطوشی اور قرطبی وغیرہما نے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ روم کا بادشاہ قسطنطینیہ سے اپنے لشکر سے 6000 ہزار مقاتل لیکر نکلا جنہوں نے خود اپنے آپ کو پیش کیا جبکہ ان کی تعداد ایسے تھی کہ ان کی کوئی طرف معلوم نہ ہوتی تھی نہ ان کی گنتی ممکن تھی گروہ در گروہ ......وہ بلند پہاڑوں کی مانند نکل کھڑے ہوئے اور انہوں نے اپنے ساتھ ایسے ایسے ہتھیار لیے تھے کہ ان کا وصف کرنا ممکن نہیں۔ انہوں نے اپنے درمیان دنیا کو تقسیم بھی کر لیا اور ہر 100 آدمیوں کے لیے ایک ہزار قطر مقرر کیے اور سارا عجم اور عراق بادشاہ کے لیے مقرر کر دیا، مضر و ربیعہ کے علاقے بادشاہ کے لیے، مصر اور المغرب بادشاہ کے لیے، حجاز اور یمن بادشاہ کے لیے، ہند اور چین بادشاہ کے لیے اور روم بادشاہ کے لیے۔ تو اسلامی مما لک یہ خبر جان کر بہت مضطرب ہوئے اور انہیں بہت خوف لاحق ہوا حتی کہ بعض ان کے خوف سے بھاگ کھڑے ہوئے اور ان کے لیے شہر خالی کر دیئے۔

اس وقت الپ ارسلان الترکی عراق اور عجم کا بادشاہ تھا۔اس نے اپنی مملکت کے سرکردہ افراد کو جمع کیا اور کہنے لگا تم جانتے ہو کہ مسلمانوں کو کیا مصیبت پہنچی ہے تو تمہاری کیا رائے ہے؟ وہ کہنے لگے ہم تو تیری رائے کی ہی پیروی کریں گے اور ایسا لشکر تو کسی کے لیے بھی نہیں آیا تو بھاگنے کا راستہ کہاں ہے؟ سوائے موت کے کچھ بھی باقی نہیں بچا! پس تم اچھی اور کریم موت مرو۔ وہ کہنے لگے اگر آپ ہمیں اجازت دیں تو ہم آپ کے بدلے اپنی جانیں فدا کردیں گے تو انہوں نے دشمن سے ملنے کا ارادہ کرلیا۔تو اس (بادشاہ) نے کہا ہم انہیں اپنے ملک آخری سرحدوں پہ ملیں گے تو وہ 20,000 منتخب بہادر سوار لیکر نکل کھڑا ہوا تو جب ان کے لشکر کے سامنے کرنے کا وقت آیا تو اس نے انہیں صرف 15000 افراد پایا اور پانچ ہزار لوٹ گئے۔اور جب دوسرا مرحلہ آیا جہاں اس کے لشکر کو سامنے لانا پڑا تو اس کے ساتھ صرف 12,000 بارہ ہزار لوگ باقی رہ گئے تھے۔

لیکن جب اگلے دن صبح ہوئی تو اس نے وہ منظر دیکھا جو آنکھوں کو حیرت میں ڈال دیتا تھا اور عقل کو خراب کیے دیتا تھا جبکہ مسلمانوں کی تعداد ایک کالے شیر کے جسم میں ایک نقطہ کی مانند تھی۔تو وہ کہنے لگا میں نے ارادہ کیا ہے کہ میں زوال کے بعد ان پہ حملہ کروں گا وہ کہنے لگے کہ ایسا کیوں ہے اس نے کہا اس لیے اس وقت تک زمین پہ کوئی منبر بھی ایسا نہ ہوگا جس پہ ہمارے لیے دعا نہ کی جائے گی وہ جمعہ کا دن تھا تو لشکری کہنے لگے ٹھیک ہے ایسا ہی کیجیے۔جب زوال ہوا تو انہوں نے نماز پڑھی اور بادشاہ کہنے لگا تم میں سے ہر ایک دوسرے کو الوداع کرلے اور اسے وصیت کرلے۔تو انہوں نے ایسا ہی کیا تو بادشاہ نے کہا کہ میں نے ایک منصوبہ ترتیب دیا ہے کہ جب میں حملہ کروں تو میرے ساتھ حملہ آور ہو جاؤ اور ایسے ہی کرو جیسا میں کروں۔

مشرکوں نے اپنی بیس صفیں بنائیں ہر صف دوسری صف کی انتہا کو نہ دیکھ پاتی تھی پھر اس بادشاہ نے کہا **بسم اللّٰہ وعلیٰ برکۃ اللّٰہ** ......میرے ساتھ مل کے

حملہ کرو اور کوئی بھی تم میں سے کسی کو تلوار نہ مارے اور نہ ہی کوئی تیر یہاں تک کہ میں ایسا نہ کروں۔تو اس نے حملہ کیا اور مسلمانوں نے اس کے ساتھ حملہ کیا یہاں تک کہ وہ مشرکین صف در صف کاٹتے چلے گئے اور کوئی چیز ان کو روک نہ سکی۔حتیٰ کہ وہ بادشاہ کے ہودج کے پاس پہنچ گئے اور اس کا گھیراؤ کر لیا جبکہ وہ گمان نہ کرتا تھا کہ اس تک کوئی پہنچ پائے گا۔اسے پتہ ہی اس وقت چلا یہاں تک کہ مسلمانوں نے اسے قابو کر لیا اور اس کے ارد گرد تمام افراد کو قتل کر دیا اور ان کے بادشاہ کا سر کاٹ ڈالا اور اسے نیزے پہ بلند کیا اور انہوں نے آواز لگائی بادشاہ قتل ہو گیا تو رومی منہ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوئے یہاں تک کہ ان میں پھر کوئی نہیں بچا یا وہ مقتول تھا یا قیدی......

شباب ذللوا سبل المعالی   وماعرفوا سوی الا سلام دینا

تعهدهم فانبتهم نباتاً   کریماً طاب فی الدنیا الغصونا

اذا شهدوا الوغیٰ کانوا کماة   یدکون المعاقل والحصوناً

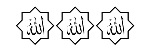
وہ ایسے نوجوان تھے جو بلند رستوں کے خوگر تھے اور اسلام کے سوا کوئی دین نہ جانتے تھے۔

اسلام کی تربیت نے انہیں ایسا کریم درخت بنایا کہ جس کی شاخیں ساری دنیا میں پھیلی تھیں۔

وہ جب معرکے کے میدانوں میں اترتے تو اسطرح چھا جاتے کہ مضبوط قلعوں اور پناہ گاہوں کو تہ و بالا کر دیتے تھے۔

40۔ الطرطوشی اپنی کتاب **سراج الملوک** میں اور قرطبی اپنی تاریخ میں ذکر کرتے ہیں کہ طارق بن زیاد رحمہ اللہ اندلس میں داخل ہوئے تو ان کے ساتھ صرف 1700 افراد کا لشکر تھا۔تذ فیر اندلس کے بادشاہ ذریق کا نائب تھا۔انہوں نے تین دن لڑائی لڑی پھر اس کے بعد اس نے ذریق کو لکھا ہمارے پاس ایک ایسی قوم آئی ہے ہم نہیں جانتے کہ وہ زمین سے تعلق رکھتے ہیں یا آسمان سے۔ہم نے ان کے

ساتھ لڑائی کی لیکن ہمارے پاس ان کے ساتھ لڑنے کی طاقت نہیں ہے اس لیے تو خود آ کے مقابلہ کر۔ تو زریق 90000 ہزار فوج لے کر آوارد ہوا۔ قرطبی کہتے ہیں کہ ستر ہزار لیکر آیا تو اس نے مسلمانوں کے ساتھ تین دن تک شدید قتال کیا اور مسلمان سخت مصیبت میں مبتلا ہوئے تو طارق نے کہا کہ تمہارے لیے کوئی جائے پناہ نہیں ہے سوائے تمہاری تلواروں کے۔ تم کہاں جاؤ گے جبکہ تم ان کے ملک کے وسط میں ہو اور سمندر تمہیں پیچھے سے گھیرے ہوئے ہے میں ایک ایسا کام کرنے لگا ہوں جس میں یا فتح ہے یا موت ہے۔ کہنے لگے وہ کیا؟ میں ان کے بڑے طاغوت پہ حملہ کروں گا اور جب میں حملہ کروں تو تم سب میرے ساتھ مل کے حملہ کرنا۔ انہوں نے ایسا ہی کیا یہاں تک کہ ذریق قتل ہو گیا اور اسکے بہت سے ساتھی بھی مارے گئے اور اللہ نے انہیں شکست سے دوچار کیا اور مسلمانوں نے تین دن تک انکا پیچھا کیا اور ان کا شدید قتل کیا اور مسلمانوں میں سے بہت تھوڑے لوگ قتل ہوئے۔



فصل دوم

دشمن پہ اکیلے حملہ کرنے والے کے بارے میں علما کے اقوال

پچھلے صفحات پہ ہم نے دلائل کے ساتھ یہ ثابت کیا کہ اکیلے آدمی کا دشمن پہ حملہ کرنا موت کے یقین کے ساتھ جائز و مشروع ہے۔ پس ہم کہتے ہیں کہ فدائی یا استشہادی کارروائیاں اسی اصل سے متفرع ہیں اور ان کا جواز سابقہ ذکر کی گئی ادلتہ سے واضح ہے جبکہ ہم نے یہ جان لیا کہ کسی نفس کو قتل کرنا اس کے ایمان کی نفی یا نقص پہ منحصر ہے۔

ہم نے خودکشی کرنے والے میں اس چیز کو واضح بیان کیا۔ مگر سلف صالحین استشہادی عملیات کو موجودہ صورت پہ نہ جانتے تھے کیونکہ زمانے میں قتال کے اسلوب تبدیل ہو گئے جنکا بعینہ موجود ہونا اس وقت ممکن نہ تھا۔ لیکن انہوں نے اس سے مشابہ افعال کے متعلق بحث کی جیسے کہ کسی کا انفرادی طور پہ دشمن پہ رعب ڈالنے کے لیے اور اس کا نقصان کرنے کے لیے حملہ کرنا باجود اس کے کہ ایسے حملہ میں موت کا یقین ہو۔ انہوں نے اس کے لیے ایسے قواعد وضع کیے جس میں آج کی استشہادی کارروائی بھی داخل ہوتی ہے۔ جبکہ وہ دلائل جن سے انہوں نے استدلال کیا ہے وہی ہیں جنہیں ہم نے پچھلے صفحات پہ ذکر کر دیا ہے۔

”اس لیے اس مسئلہ کا اصل ہے دشمن کے اندر اکیلے یا ایک چھوٹی سی جماعت کے ساتھ گھس جانا باوجود موت کے یقین اور محقق ہونے کے۔ دشمن کے اندر گھسنے اور استشہادی کارروائی میں فرق یہ ہے کہ دشمن کے اندر گھسنے والا پہلی صورت میں دشمن کے ہاتھوں سے قتل ہوتا ہے اور دوسری صورت میں اپنے ہاتھ سے قتل ہوتا ہے۔ یہ

’’فارق‘‘اصل مسئلہ کے حکم پہ کوئی فرق نہیں ڈالتا۔اوراس کوہم بعد میں بیان کریں گے۔
اس فصل میں حق کے متلاشی کے لیے ہم اس مسئلہ میں بعض سلف کے اقوال ذکر کریں گے کیونکہ اسی مسئلہ کی فرع میں استشہادی کارروائیوں کا مسئلہ داخل ہے۔ اسی طرح ہم اس مسئلہ پہ بعض علماء کی تعلیقات کا بھی ذکر کریں گے جو انہوں بعض دلائل کے ساتھ ذکر کی ہیں ۔لیکن تکرار سے بچنے کے لیے ہم صرف کلامِ علماء پہ ہی اکتفاء کریں اوران کے اقوال کے ساتھ جو ادلہ تھیں ہم ان کی طوالت کے باعث انکی طرف دلیل کے نمبر کے ساتھ صرف اشارہ کریں گے جو پچھلے صفحات پہ گذر چکی ہیں۔

1۔ ابن مبارک رحمہ اللہ اورابنِ ابی شیبہ نے (303/5) میں بسندِ صحیح مدرک بن عوف الاحمسی سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس تھا جب ان کے پاس نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ کا قاصد آیا تو عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے لوگوں کے متعلق پوچھا کہنے لگا فلاں فلاں زخمی ہوگیا اور فلاں اور باقیوں کو میں نہیں جانتا۔تو عمر رضی اللہ عنہ نے کہا لیکن اللہ انہیں جانتا ہے۔تو وہ کہنے لگا اے امیر المومنین ایک آدمی جس نے اپنا آپ بیچ ڈالا تو مدرک نے کہا اے امیر المومنین اللہ کی قسم ایسا آدمی بالکل خالی ہے! لوگ سمجھتے ہیں کہ اس نے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال دیا تو عمر رضی اللہ عنہ نے کہا (کذب اولئک و لکنه من اشتریٰ الآخر ۃ بالدنیا)لوگوں نے جھوٹ کہا بلکہ وہ ان لوگوں میں سے جنہوں نے آخرت کو دنیا کے بدلے خرید لیا ہے۔بیہقی نے ذکر کیا کہ یہ معرکہ نہاوند کا قصہ ہے۔

2. ابن ابی شیبه نے اپنی مصنف (322/5) میں ابنِ عون سے روایت کیا وہ محمد سے روایت کرتے ہیں کہ کافروں کا ایک لشکر مشرق کی جانب سے آیا تو انہیں انصار کا ایک آدمی ملا تو اس نے ان پہ حملہ کیا اور صفوں کو کاٹتا ہوا ان کے اندر گھسا پھر نکل آیا اس نے ایسا دو یا تین بار کیا۔ تو جب سعد بن ہشام نے یہ واقعہ ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا تو انہوں یہ آیت تلاوت کی (ومن الناس من یشری نفسه

ابتغاء مرضات اللّٰہ) اورلوگوں میں سے وہ ہیں جواللہ کی رضا کی تلاش میں اپنے آپ کو بیچ ڈالتے ہیں۔

3۔ حاکم نے کتاب التفسیر 275/2)اور ابن حاتم (128/1) میں ابواسحاق سے روایت کیا وہ براء رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے انہیں کہایا ابا عمارۃ اللہ کا یہ فرمان(ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ)اور اپنے آپکو ہلاکت میں مت ڈالو کیا یہ وہ آدمی ہے جو دشمن پہ حملہ آور ہوتا ہے یہاں تک کہ قتل ہوجاتا ہے؟انہوں نے کہانہیں بلکہ وہ آدمی جو گناہ کرتا ہےاور پھر کہتا ہے کہ اللہ مجھے یہ گناہ نہیں بخشے گا۔(حاکم نے اسے صحیح کہا شیخین کی شرط پہ)۔

4۔ اس حدیث کی روایت میں ابنِ عساکر وغیرہ نے کہا ابواسحاق کہتے ہیں میں نے براء رضی اللہ عنہ سے سنااوران سے ایک آدمی نے سوال کیااس آیت کے متعلق(ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ)اوراپنے آپکو ہلاکت میں مت ڈالو۔کہ کیا یہ وہ آدمی ہے جو دشمن پہ حملہ آور ہوتا ہے جبکہ دشمن ہزاروں کی تعداد میں ہواورتلوار اسکے ہاتھ میں ہو؟ انہوں نے کہانہیں۔لیکن وہ آدمی جو گناہ کرتا ہےتو اپنے آپ سے کہتا ہے میرے لیے کوئی توبہ نہیں۔

5 . ابن جریر اپنی تفسیر (584/3) میں کہتے ہیں کہ یہی تاویل مروی اس آیت کے ضمن میں حذیفہ، ابنِ عباس، عکرمہ رضی اللہ عنہم، حسن، عطاء، سعید، ابنِ جبیر، ضحاک، السدی اور مقاتل وغیرہم رحمہم اللہ اجمعین سے۔

6. ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف (331/5) میں باسناد جید کے ساتھ مجاہد سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ جب تو دشمن سے ملےتو اس پہ خوب رعب ڈال کہ یہ آیت نفقہ کے باب میں اتری ہے۔

7. ابن نحاس، مشارع الاشواق (528/2) میں کہتے ہیں کہ قاسم بن مخیمرۃ جو کہ بہت بڑے تابعی ہیں ان سے مروی ہے۔وہ اللہ تعالیٰ کے اس قول ولا

تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ اور اپنے آپکو ہلاکت میں مت ڈالو...... کے متعلق کہتے ہیں کہ ہلاکت انفاق فی سبیل اللہ کو ترک کرنے میں ہے اور اگر ایک آدمی دس ہزار پہ بھی اکیلا حملہ آور ہو تو اس پہ کوئی حرج نہیں ہے۔

8 . **بیہقی** رحمہ اللہ نے اپنی سنن (43/9) میں باب باندھا'' وہ کہ جو خود تبرعاً قتال کے لیے بڑھ گیا ، امام الشافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ کی موجودگی میں مبازرت طلب کی گئی اور ایک انصاری آدمی بدر کے دن ننگے جسم مشرکین پہ چڑھ دوڑا جب نبی ﷺ نے اس کے متعلق اعلان کیا تھا۔ یہ دیکھتے ہوئے کہ اس میں خیر ہے وہ قتل ہو گیا۔

9 . **قرطبی** اپنی تفسیر (267/8) میں کہتے ہیں کہ اصل خریداری خالق اور اس کے بندے کے درمیان یہ ہے کہ اس چیز کا عوض تلاش کرے جوان کے ہاتھ سے نکل گئی ہے اس چیز کے ساتھ جوان کے لیے بہت زیادہ نفع مند ہے یا اس کے مثل جو نفع مندی میں ان سے چھوٹ گئی ہے۔ پس اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے بندوں سے ان کی جانوں اور مالوں کا اتلاف ، اور ان چیزوں کا اسکی رضا جوئی میں خرچ کیا جانا خرید لیا ہے اور اس کا عوض سبحانہ وتعالیٰ نے جنت دیا۔ جب بندے یہ فعل کریں گے تو عوض میں ملنے والی چیز ایسی ہے کہ اس کا کوئی موازنہ نہیں اور نہ ہی اس کو کسی چیز پہ قیاس کیا جا سکتا ہے۔ تو اس بیع کو محض مجازی معنوں پہ جاری کیا گیا تا کہ وہ اس شراء کے ذریعے اسے جان لیں جس سے وہ متعارف ہیں۔ پس بندے سے مطلوب ہے اپنے نفس کو بیچ ڈالنا اور اللہ پہ اس کا ثواب دینا اس لیے اسے خریداری یا شراء کہا گیا۔

10 . **ابن العربی احکام القرآن** میں کہتے ہیں کہ جب ابن عباس رضی اللہ عنہ نے یہ آیت پڑھی (**ان اللہ اشتریٰ من المومنین انفسھم واموالھم ......الخ**) تو کہا اللہ نے ان کی قیمت لگا دی اور بہت مہنگی قیمت لگائی کہ اس نے اس تجارت میں انہیں دی گئی چیز سے بڑھ کر عطا کیا اور بیچی گئی چیز سے کوئی بھی منافع نہیں لیا بلکہ اس پہ زیادہ دیا اور

خوب منافع دیا۔

11. **ابن العربی اپنی تفسیر احکام القرآن (116/1)** میں اور **قرطبی** اپنی تفسیر (364/2) میں کہتے ہیں اس آیت کی تفسیر میں (**ولا تلقوا بایدیکم الی التهلكة**) اور اپنے آپکو ہلاکت میں مت ڈالو......کہ ''**التهلكة**'' کے بارے میں پانچ اقوال ہیں۔(۱) کہ نفقہ کو ترک نہ کرو (۲) بغیر زادِراہ کے نہ نکلو (۳) جہاد کو ترک نہ کرو (۴) ایسا لشکر جسکی تم میں طاقت نہیں اس میں مت داخل ہو (۵) مغفرت سے مایوس مت ہو۔

پھر **الطبری** کہتے ہیں کہ یہ آیت ان تمام باتوں میں عام ہے اور اس میں کوئی تناقص نہیں۔ وہ کہتے کہ اوپر مذکور تمام باتیں درست ہیں مگر بڑے دشمن پہ حملہ کرنے کے بارے میں یہ رائے درست نہیں۔یعنی قولِ رابع کے بارے میں۔ کہ علماء نے اس میں اختلاف کیا اور ہمارے علماء **قاسم بن مخیمره ، قاسم بن محمد** اور **عبد الملک** نے کہا کہ اکیلے آدمی کا دشمن کے جیشِ عظیم پہ حملہ آور ہونے میں کوئی حرج نہیں۔ جب کہ ایسے عمل میں قوت ہو اور ایسا فعل کرنے والا اللہ کے لیے اپنی نیت خالص رکھتا ہو اور اگر ایسے معاملے میں دشمن کے خلاف کوئی قوی عمل نہ ہو تو یہ ہلاکت ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ جب تو نے شہادت کی نیت کی اور اپنی نیت کو خالص کر لیا تو پھر حملہ کر دے کیونکہ اس کا مقصد ہے کہ وہ کسی ایک مشرک کو قتل کر دے اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں بہت واضح ہے (**ومن الناس من يشرى نفسه ابتغاء مرضات الله**) اور لوگوں میں سے وہ ہے جو اللہ کی رضا کی خاطر اپنے نفس کو بیچ ڈالتا ہے۔ پھر **طبری** نے کہا کہ صحیح میرے نزدیک یہ ہے کہ جس لشکر کی طاقت نہ ہو اس پہ حملہ کرنا جائز ہے کیونکہ اس میں چار وجوہ ہیں۔

(۱) شہادت کی طلب کرنا۔ (۲) دشمن کے اندر تباہی پھیلانا۔

(۳) مسلمانوں کو جرات دلانا۔ (۴) دشمن کے اندر ضعف پیدا کرنا۔

تاکہ دشمن دیکھ لے کہ اگر ایک آدمی ایسا حملہ کرتا ہے تو پھر سارے مل کر کیسا

حملہ کریں گے اور یہ ساری وجوہ عملیات استشہادیۃ میں بھی بالا ولی محقق ہیں۔

12. الشوکانی اپنی تفسیر **فتح القدیر** (297/1) میں اللہ تعالیٰ کے قول (**ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ**) میں کہتے ہیں، حق یہ ہے کہ اعتبار یہاں عموم اللفظ کا ہے نہ خصوصی سبب کا۔ پس ہر وہ چیز جو ثابت ہو جائے کہ وہ دین و دنیا میں ہلاکت کا باعث ہے تو وہ اس میں داخل ہے۔ یہی بات **ابنِ جریر الطبری** نے بھی کہی ہے۔ بالجملہ جو بات اس آیت میں داخل ہوتی ہے کہ آدمی جنگ میں دشمن پے حملہ آور ہو ایسی حالت میں کہ پھر وہ اس سے خلاصی پانے کی قدرت نہ رکھتا ہو اور اس پہ کوئی تاثیر نہ ڈال سکے لیکن مجاہدین کو اس سے نفع ہو۔ ان کے کلام کا مفہوم یہ ہے کہ جب یہ بات ثابت ہو تو ایسا عمل جائز ہے۔

13. قرطبی اپنی تفسیر میں (364/2) **محمد بن حسن الشیبانی** رحمہ اللہ (شاگردِ رشید امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ) کا قول نقل کرتے ہیں کہ اگر ایک آدمی مشرکین کے ایک ہزار کے لشکر پہ اکیلا حملہ کر دے تو اس میں کوئی حرج نہیں جبکہ وہ نجات کی طمع رکھتا ہو یا دشمن میں تباہی پھیلانے کی اسکی نیت ہو۔ اگر ایسا نہیں تو وہ مکروہ عمل ہے کیونکہ اس نے آپ آپکو ایسے عمل کے لیے پیش کیا ہے جسمیں مسلمانوں کے لیے کوئی نفع نہیں ہے۔ اسی طرح جس کی نیت یہ ہو کہ اس کے اس عمل سے مسلمانوں کو حوصلہ ملے یہاں تک کہ وہ بھی ایسا کریں تو اس کا جواز بھی رد نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اس میں بھی مسلمانوں کے لیے منفعت ہے۔ اور اگر اس کی نیت دہشت پھیلانے کی ہوتا کہ مسلمان دین میں مضبوطی کو جان لیں تو یہ بھی جائز ہے اور اگر اس نے اپنے نفس کو دین کے غلبہ اور کفر کی توہین کے لیے تلف کر دیا ہے تو یہ بھی جائز ہے اور ایسا مقام ہے کہ جسکی اللہ عزوجل نے تعریف فرمائی ہے۔ اللہ فرماتے ہیں (**ان اللّٰہ اشتریٰ من المومنین انفسھم و اموالھم بان لھم الجنۃ**) بے شک اللہ عزوجل نے مومنوں سے انکی جانوں اور مالوں کو خرید لیا ہے جنت کے بدلے میں ......! اسی طرح

دوسری آیات جسمیں اللہ عزوجل نے اسکی راہ میں جان لٹانے کی تعریف فرمائی ہے۔

14. قرطبی اپنی تفسیر (364/2) میں کہتے ہیں کہ ابن خویز منداد نے کہا کہ آدمی اگر سو آدمیوں پہ حملہ کردے یا پورے لشکر پہ یا چوروں کی ایک جماعت پہ یا محاربین اور خوراج پہ تو یہ دو حالتوں پہ ہے۔

(پہلی حالت) اگر وہ جان لے اور اسے یہ غالب گمان ہو کہ وہ قتل ہو جائے گا اگر وہ حملہ آور ہو گیا اور اگر بچ گیا تو بہتر ہے اور اسی طرح (دوسری حالت) اسے گمان ہو کہ وہ قتل ہو جائے گا لیکن دشمن کے اندر تباہی پھیلا دے گا یا کوئی ایسا کام دکھائے گا کہ دشمن کو مصیبت میں مبتلا کردے گا یا کوئی ایسا اثر دکھائے گا جو مسلمانوں کو نفع دے گا تو یہ جائز ہے پھر انہوں اس پہ سابقہ مذکور دلیل نمبر 34 ذکر کی۔

15. الجزری المالکی کہتے (القوانین الفقهیة 165) اگر مسلمان یہ جان لیں کہ وہ قتل کر دیے جائیں گے تو اس پہ ہی چلنا اولیٰ ہے اور اگر وہ جان لیں کہ اس عمل کی دشمن پہ کوئی تأثیر نہ ہوگی تو پھر فرار واجب ہے۔

16. ابن عابدین شامی، حاشیه(303/4) میں کہتے ہیں کہ آدمی کے اکیلا حملہ آور ہونے میں کوئی حرج نہیں اگر چہ اسے گمان ہو کہ وہ قتل ہو جائے گا اور وہ کوئی ایسا عمل کرے گا جس سے دشمن زخمی یا شکست کھائے گا تو یہ صحابہ کی ایک جماعت سے منقول ہے کہ انہوں نے نبی ﷺ کی موجودگی میں احد کے دن ایسا عمل کیا تو نبی ﷺ نے ان کے اس عمل کی تعریف فرمائی۔ لیکن اگر اسے علم ہو کہ یہ عمل دشمن میں تباہی نہیں پھیلائے گا تو اس کے لیے جائز نہیں کہ ایسا حملہ کرے کیونکہ ایسی صورت میں اس کے اس عمل سے دین کا غلبہ حاصل نہیں ہوگا۔

17. مغنی المحتاج (219/4) میں خطیب الشربینی کا قول ہے اس بارے میں کہ جب مسلمان کسی ملک پہ چڑھائی کریں اور ایسے ملک یا شہر کے لوگ مسلمانوں کے ایسے حملہ سے متاثر نہ ہوں کہ ان پہ اچانک حملہ ہو گیا ہے تو ایسی حالت

میں مکلفین میں چاہے وہ غلام ہو یا عورت یا مریض وغیرہ وہ مسلمانوں کے دفاع کے لیے کوئی ایسا ممکن عمل کرے اگر چہ اسے معلوم ہو کہ وہ پکڑا گیا تو اسے قتل کر دیا جائے گا۔ اگر ایسا مکلّف اپنے لیے صرف قید ہونے کا ہی احتمال رکھتا ہو تو اس میں اختلاف ممکن ہے۔ یہ اس صورت میں ہے جب اسے معلوم ہو کہ اگر اس نے اپنے آپ کو حوالے نہ کیا تو وہ قتل ہو جائے گا ورنہ دوسری صورت میں اسے حوالگی سے اجتناب کرنا ہوگا۔

18. مطیعی نے **تکملة المجموع** (291/19) میں اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اگر کافروں کی تعداد مسلمانوں کی تعداد کے دوگنا ہو اور مسلمانوں کو ہلاکت کا اندیشہ نہ ہو تو ثابت قدمی واجب ہے اور اگر انہیں یقین ہو کہ وہ ہلاک ہو جائیں گے تو اس کی دو توجیہات ہیں۔

(ا) اگر وہ اللہ کے اس قول کی طرف رجوع کریں (**ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکة**) اور اپنے آپ کو ہلاکت میں مت ڈالو (ب) اور اگر وہ اللہ کے اس قول کی طرف رجوع کریں (**اذا لقیتم فئة فاثبتوا**) جب تم دشمن کے لشکر سے ملو تو ثابت قدم رہو۔ چونکہ مجاہد اس بات کے لیے لڑتا ہے کہ یا تو وہ قتل کرے یا پھر قتل ہو جائے۔ پس اگر کافروں کی تعداد ان کی تعداد سے زیادہ ہے اور انہیں غالب گمان ہو کہ وہ قتل نہ ہوں گے تو انہیں ثابت قدمی اختیار کرنا چاہیے تاکہ مسلمان ان پہ انکار نہ کریں اور اگر انہیں غالب گمان ہو کہ وہ قتل ہو جائیں گے پھر یا تو وہ اپنے آپکو ہلاکت میں نہ ڈالنے پہ محمول کریں یا پھر ثابت قدم رہیں کیونکہ اگر وہ قتل ہو جائیں گے تو شہادت کے ساتھ کامیابی پا جائیں گے۔

19۔ **ابو حامد الغزالی، اتحاف سعادةالمتقین شرح احیاء علوم الدین** (26/7) میں لکھتے ہیں کہ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ ایک مسلمان کے لیے جائز ہے کہ وہ کافروں کی پوری صف پہ حملہ آور ہو اور قتال کرے اور اگر چہ اسے علم ہو کہ وہ قتل ہو جائے گا جیسے کہ اس کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ کافروں سے قتال کرے

یہاں تک کہ قتل ہو جائے۔ اور ایسا ہی معاملہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ہے۔ لیکن اگر وہ دیکھتا ہے کہ اس کے حملہ سے دشمن کے اندر کوئی تباہی نہ پھیلے گی جیسے کہ کوئی اندھا یا عاجز اپنے آپ کو دشمن کی صف پہ پھینک دے تو یہ حرام ہے اور آیتِ تہلکہ کے عموم میں داخل ہے۔ یہ اقدام اس کے لیے اسی صورت جائز ہے جب اسے معلوم ہو کہ وہ اس وقت تک قتل نہ ہوگا حتی کہ قتال نہ کر لے یا ایسی صورت میں کہ وہ جان لے اس کا عمل کافروں کے دل توڑ دے گا جب وہ اسکی جرات دیکھیں گے اور سارے لشکر کے بارے میں اسی پہ قیاس کریں گے کہ وہ اسی طرح شہادت فی سبیل اللہ کا متلاشی ہوں گے تو اس سے انکی شوکت ٹوٹ جائے گی۔

20. **ابن حزم ، المحلی** (294/7) میں کہتے ہیں کہ ابوایوب الانصاری رضی اللہ عنہ اور ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ نے اس بات پہ انکار نہیں کیا کہ آدمی اکیلا ایک لشکرِ جرار پہ حملہ نہ کرے اور ثابت قدمی اختیار کرے یہاں تک کہ قتل ہو جائے۔ اس باب میں ایک حدیثِ مرسل ذکر کی جاتی ہے جو کہ حسن رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ مسلمانوں کا مشرکین سے آمنا سامنا ہوا تو ایک آدمی نے کہا یا رسول اللہ (**أشد علیهم او أحمل علیهم**) کہ میں ان پہ ٹوٹ پڑوں یا حملہ کے وقت حملہ کروں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (**أتراک قاتل هولآء کلهم، اجلس فاذا نهض اصحابک فانهض و اذا شدوا فشد**) کیا تو ان سب کے ساتھ قتال کر لے گا بیٹھ جا جب تیرے ساتھی اٹھیں گے تو ان کے ساتھ حملہ کرنا اور جب وہ شدید ہوں گے تو تو بھی شدید ہونا۔ جبکہ یہ حدیث مرسل ہے اس میں کوئی حجت نہیں بلکہ جو بات صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ ایک آدمی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ رب اپنے بندے کی کس بات پہ مسکراتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (**غمسه یده فی العدو حاسرا**) کہ دشمن کے اندر ننگے جسم گھسنے والے پر، تو اس آدمی نے اپنی زرہ اتار پھینکی اور دشمن کے اندر گھس گیا یہاں تک کہ شہید ہو گیا۔

21. **الرفاعی ، النووی** وغیرہ نے شرح **النووی علی مسلم** (187/12)

میں کہا کہ جہاد میں اپنی جان کو خطرے میں ڈالنا جائز ہے اور انہوں نے شرح صحیح مسلم میں اس بات پہ اتفاق کیا ہے اور نووی نے کہا کہ یہ واقع غزوۃ ذی قرد کا ہے۔ النووی نے شرح مسلم (46/13) **عمیر بن الحمام** رضی اللہ عنہ کے قصہ (دلیل نمبر 14) کے متعلق کہا کہ اس میں دشمن کے اندر گھس جانے اور اپنے آپ کو شہادت کے لیے پیش کرنے کا جواز ہے اور یہ جائز ہے اس میں علماء کے نزدیک کوئی کراہیت نہیں۔

22. **عزبن عبد السلام، قواعد الاحکام** (111/1) میں لکھتے ہیں کہ لڑائی کے دن پیٹھ پھیر کر بھاگنا بہت بڑا ''مفسدۃ'' ہے لیکن اگر اسے معلوم ہو کہ وہ دشمن کے اندر تباہی پھیلائے بغیر قتل ہو جائے گا تو پھر پیچھے ہٹنا واجب ہے کیونکہ اپنی جان کو خطرے میں ڈالنا اس مصلحت کے تحت جائز ہے کہ دین کا غلبہ ہو یا دشمن کے اندر تباہی پھیلے۔ پس اگر ایسا نہ ہو تو پھر پیچھے ہٹ جانا ہی واجب ہے کیونکہ اس سے نفوس کا ضیاع اور کافروں کو تقویت ملے گی اور اہل اسلام کی ناک خاک آلود ہوگی۔ پس ایسے موقع پہ ثابت قدمی بڑا مفسدہ بن جائے گی جس کے اندر کوئی مصلحت نہ ہوگی۔

23. **ابنِ قدامہ** نے **المغنی** (309/9) میں کہا کہ جب دشمن کی تعداد مسلمانوں کی تعداد سے دوگنا ہو اور مسلمانوں کو فتح کا یقین ہو تو سب سے بہتر ہے ثابت قدمی کیونکہ اس میں مصلحت ہے اور اگر وہ پھر جائیں تو بھی جائز ہے کیونکہ وہ ہلاکت سے مامون نہیں ہیں جبکہ حکم ان کے گمان کے ساتھ معلق ہے اور وہ ہے ان کا تعداد میں دشمن سے کم ہونا اور ان پہ ثبات لازم ہے جبکہ وہ دشمن کی نصف تعداد سے زیادہ ہوں اگرچہ اس میں انکا گمان ہو کہ وہ قتل کر دیئے جائیں گے۔ اسی طرح انہیں ثابت قدم رہنا لازم ہے جب انہیں فتح کا گمان ہو کیونکہ اس میں مصلحت ہے اور اگر انہیں ہلاک ہونے کا اندیشہ ہو تو اولیٰ ان کے لیے ہے پیچھے ہٹ جانا لیکن اگر وہ اس پہ بھی ثابت قدمی اختیار کریں تو یہ بھی جائز ہے تاکہ وہ شہادت کی غرض کو حاصل کر لیں۔

24. **ابن النحاس، مشارع الاشواق** (539/1) میں کہتے ہیں کہ اس ثابت

حدیث میں (دلیل نمبر 25) بہت مضبوط جواز ہے کہ کثیر تعداد کے دشمن پہ اکیلے حملہ کیا جاسکتا ہے اگر چہ ایسے آدمی کو گمان ہو کہ وہ قتل ہو جائے گا جبکہ ایسا آدمی شہادت کی طلب میں مخلص ہو۔ جیسے اخرم الاسدی رضی اللہ عنہ نے کیا اور نبی ﷺ نے اس پہ کوئی عیب نہیں لگایا جبکہ اس حدیث میں اس عمل کے مستحب ہونے اور اسکی فضیلت کی دلیل ہے۔ نبی ﷺ نے ابوقتادۃ اور سلمہ رضی اللہ عنہما کی تعریف فرمائی جیسے کہ پیچھے گزر گیا ہے۔ جبکہ ان دونوں اصحاب نے دشمن پہ اکیلے حملہ کیا اور اس بات کا انتظار نہیں کیا کہ مسلمان ان سے آملیں۔

یہ بھی ہے کہ امام ایسے آدمی کو شفقت کے تحت منع کرسکتا ہے اور اسے ایسا عمل کرنے کی اجازت بھی دے سکتا ہے جب وہ اس کا عزمِ صمیم جان لے جیسے کہ سلمہ اور اخرم کا واقعہ ہے کیونکہ نبی ﷺ نے ان کا انکار نہیں فرمایا اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اس آدمی کے ساتھ معاملہ کیا جیسے کہ حدیث (الدلیل 35) میں ہے۔ اسی طرح حدیث میں سلمہ کا نبی ﷺ سے سو آدمیوں کے انتخاب کی اجازت طلب کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ کافروں کی تعداد بہت زیادہ تھی وگرنہ اس بات کی حاجت نہ تھی کہ وہ سو آدمی یوں منتخب کرتے۔ یہاں میں نے حدیث ذکر نہیں کی لیکن وہ اس باب میں بہت واضح ہے (واللہ اعلم)۔

25. السیوطی، شرح السیر الکبیر (125/1) میں کہتے ہیں ایسے موقع پہ شکست کھا جانے میں کوئی حرج نہیں جب دشمن کوئی ایسی چیز لے کے آئے جسکی مدمقابل طاقت نہ رکھتا ہو اور اس میں بھی کوئی حرج نہیں کہ اگر وہ صبر سے کام لے بخلاف ان لوگوں کے جو کہتے ہیں کہ اس نے اپنے آپکو ہلاکت میں ڈال دیا۔ بلکہ اس میں تو اس بات کی دلیل ہے کہ ایسا صابر اللہ کی راہ میں اپنی انتہائی کوشش کرنے والا ہے۔ کیونکہ ایسا عمل کئی صحابہ رضی اللہ عنہم نے کیا، ان میں سے عاصم بن ثابت الانصاری ہیں (الدلیل 19)۔ اور نبی ﷺ نے انکی تعریف فرمائی تو ہم نے جان لیا کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔

26۔ الصنعانی، سبل السلام (51/4) میں حدیثِ ابوایوب الانصاری رضی اللہ عنہ کی

آیت البقرۃ (**ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ**) کی تاٴویل ذکر کرتے ہیں اور اسکے بعد وہ وارد کرتے ہیں جو کچھ **ابن جریر الطبری** رحمہ اللہ نے کہا کہ اکیلے آدمی کے بڑے دشمن پہ حملہ کرنے کے بارے میں اور پھر حدیث اسلم بن یزید بن ابی عمران ذکر کرتے ہیں اور انہوں نے (الدلیل رقم 6) کی نص ذکر کی پھر انہوں نے ابن حجر سے اس مسئلہ میں کلام نقل کیا وہ کہتے ہیں کہ جمہور نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ ایسا عمل اگر اپنی شجاعت کے سبب کرے اور یہ گمان کرے کہ اس سے دشمن مرعوب ہوگا یا مسلمانوں کی جرات بڑھے گی یا اس جیسے مقاصد حاصل ہوں گے تو یہ اچھا ہے لیکن جب ایسا عمل محض اپنی جان کھپانے کے لیے ہو تو یہ ممنوع ہے اور اس سے مسلمانوں میں وہن (بزدلی) پھیلے گا۔

27. **شیخ الاسلام ابن، تیمیۃ** رحمہ اللہ، **مجموع الفتاوی** '(540/28) میں کہتے ہیں کہ مسلم نے اپنی صحیح میں اصحاب الاخدود (الدلیل رقم 4) کے قصہ میں روایت کرتے ہیں کہ بچے نے دین کے غلبہ کی مصلحت کی خاطر اپنے نفس کے قتل کا حکم دیا۔ اسی لیے ائمۃ الاربعہ اس بات کو جائز ٹھہرایا کہ مسلمان کافروں کی صف میں گھس جائے اور اگرچہ اسے گمان ہو کہ وہ قتل ہو جائے گا اگر اس میں دین کے لیے مصلحت ہے تو یہ جائز ہے۔ لیکن اس کا ایسا فعل اس اعتقاد کے ساتھ ہے کہ یہ عمل جہاد کی مصلحت کے لیے ہے حالانکہ اس کا اپنے نفس کو قتل کرنا بہت بڑا تھا بنسبت دوسروں کے قتل ہونے کے تو اس کے قتل نے دوسروں کے قتل کی راہ نکال دی دین کی مصلحت کے لیے اور ایسی مصلحت اس طرح کیے بغیر حاصل ہونے والی نہ تھی۔ نہ ہی مفسد دشمن کے ضرر کو اس کے علاوہ دفع کیا جا سکتا تھا۔

بچے کی حدیث اس مسئلہ میں قوی ترین ادلۃ میں سے ہے۔ یہ حدیث بیان کرتی ہے کہ جب بچے نے دیکھا کہ اس کے قتل میں ایسی معین توجیہ ہے کہ جو دین کے پھیلنے کی وجہ بنے گی اور لوگ اس دین میں داخل ہو جائیں گے تو اس نے ایسا فعل

کیا جو اسکے اپنے قتل کی طرف لے جانے والا تھا۔ تو اس نے بادشاہ کو اپنے قتل کا رستہ بتایا جو کہ ایسا تھا کہ وہ خود اس کے اپنے نفس کو مٹانے میں شریک ہوئے بغیر سرانجام نہ دیا جا سکتا تھا حالانکہ بادشاہ وہ تھا کہ جس سے اللہ نے اسے محفوظ رکھا اور بچایا۔ لیکن لوگوں کا دین میں داخل ہونا اس کا زندہ رہنے سے بدرجہ اولیٰ بہتر تھا اور وہ اس طرح اپنے نفس کو مٹانے میں شریک ہوا۔ یہ بات صحیح ہے کہ اس نے خود اپنے ہاتھ سے اپنی جان کو قتل نہ کیا لیکن اسکی رائے ہی اسکے قتل کا اکیلا سبب ہے۔ اگر کوئی شخص کسی سے یہ طلب کرے کہ وہ دنیا سے تنگ ہے اسے قتل کر دو تو ہم بالاتفاق کہیں گے کہ اس نے خود کشی کی ہے اور مقتول کا کچھ اعتبار نہ ہوگا کیونکہ اسی نے دوسرے سے طلب کیا تھا کہ اسے قتل کرے اور اسکے قتل میں مدد دے اور متسبب قاتل کا شریک ہے اور جمہور کے نزدیک اس پہ دیت ہے جیسا کہ اس کا ذکر آئے گا۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس بچے کی تعریف کی تو اس سے پتہ چلا کہ ان دونوں افعال میں فرق نیت کا ہے۔ تو آپ ﷺ نے اس بچے کی تعریف کی جس نے دین کے غلبہ کی خاطر اپنے نفس کو مٹا ڈالا اور یہ ایسے عمل کی اور استشہادی عملیات کی واضح اور جلی دلیل ہے۔

اسی طرح آپ ﷺ نے ان لوگوں کی بھی مدح فرمائی جنہوں کہا **امنا برب الغلام** کہ ہم بچے کے رب پہ ایمان لائے، جبکہ انہیں کہا جا رہا تھا کہ اپنے دین سے پھر جاؤ یا اپنے آپ کو آگ میں پھینک دو تو وہ لوگ دنیا کی زندگی کو قربان کرتے ہوئے جوق در جوق آگ میں کودنے لگے تاکہ دین کی مدد ہو۔ بلکہ وہاں دودھ پیتا بچہ بھی بول اٹھا جو اپنی ماں کو ترغیب دینے لگا کہ ماں آگ میں کود جا۔ اللہ تعالیٰ نے بچے کی زبان پہ حق جاری کر دیا اور اس کے بارے میں قرآن میں سورۃ نازل کی جس کی تلاوت کی جاتی ہے اور فرمایا(**لھم جنت تجری من تحتھا الانھار ذالک الفوز الکبیر**)ان کے لیے ایسی جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے، پس انہوں نے اپنی جانوں کو فدا کر دیا اور کامیاب ہو گئے۔

اسی طرح بچے کا فعل اور فرعون کے بچوں کی کنگھی کرنے والی (الدلیل 5)، ہر دو کے افعال کی شارع نے تعریف کی ہے۔ اس کنگھی کرنے والی نے موت کو ترجیح دی اور اس بات کو بہتر جانا جو اللہ کے پاس ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے دودھ پیتے بچے کو کلام پہ قادر بنایا جب کہ وہ اس کے سبب کمزوری دکھانے کو تھی۔ ہم نے اپنی شریعت میں ان دلیلوں کو ان دو احادیث میں پالیا جو ہماری بات کی تائید کرتی ہیں اور ہماری شریعت میں ایسی کوئی بات نہیں آئی جو اس بات سے معارض ہو کہ آدمی اللہ کے کلمہ کی بلندی کے لیے اپنی جان نہیں کھپا سکتا۔ پس ان دونوں حدیثوں میں شرعی مسئلہ قولِ جمہور پہ واضح ہو گیا۔

28۔ اسی طرح **عبد اللّٰہ ابن الزبیر** رضی اللہ عنہ کا قصہ انکی اشتر کے ساتھ لڑائی کے متعلق (دلیل نمبر 33) جسے طبری نے روایت کیا ہے اس بات پہ شاہد وراسخ ہے کہ دین کی مصلحت کے لیے اپنے نفس کو فدا کر دینا چاہیے جب مصلحت اس بات کی متقاضی ہو۔ یہ بات معلوم ہونی چاہیے کہ اشتر باغی تھا نہ کہ کافر۔ لیکن وہ ہی شخص تھا جس نے لوگوں کو جنابِ **امیر المومنین عثمان بن عفان** رضی اللہ عنہ کیخلاف ابھارا تھا۔ اسی لیے عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ جب اس پہ جنگ جمل کے دن غالب آئے تو انہوں نے دیکھا کہ اس کے قتل سے یہ فتنہ کم ہو جائے گا اس لیے انہوں اپنے آپ کو اس فتنہ کے ختم کرنے کے لیے قتل کروانا بہتر جانا۔ پس اشتر نے ابن الزبیر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے نکلنے کے لیے ہاتھ پیر مارنا شروع کیے تو ابنِ زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنا مشہور جملہ کہا (**اقتلونی ومالکا**) کہ مجھے اور مالک یعنی اشتر کو قتل کر دو۔ کیونکہ اصحاب ابن زبیر رضی اللہ عنہ میں جو اشتر کے قتل کا ارادہ کرتا اس کے لیے ممکن نہ تھا کہ ایک ہی ضرب میں یہ کام سر انجام دے سکے۔ تو ابنِ زبیر رضی اللہ عنہ نے جان لیا کہ اشتر کے قتل میں مانع امر یہی ہے کہ ایک ہی وار میں اسے قتل کرنا ممکن نہیں تو انہوں نے اپنی جان کا فدیہ دینے کا ارادہ کر لیا تا کہ ایسے باغی کو ان کے ساتھ قتل کر دیا جائے جو فتنہ والوں کا سردار تھا۔ میں نہیں سمجھتا کہ ایسا آدمی جس کی دین کی سمجھ اس قسم کی ہو کہ وہ کسی ایسے موقع پہ دین کی مصلحت کی خاطر اپنے

آپ کو بارود سے اڑا نہ دے۔ کسی نے بھی ہم تک یہ نقل نہیں کیا کہ اصحابِ ابن زبیرؓ نے ان کے اس عمل پہ اعتراض کیا ہو جب انہوں یہ طلب کیا کہ انہیں اس باغی سمیت قتل کر دیا جائے جو فتنہ کی جڑ تھا۔ ہم یہ جانتے ہیں کہ عدمِ نقل نفیِ اعتراض کی دلیل نہیں ہے۔

29. **براء بن مالک** رضی اللہ عنہ کے یمامہ کے باغ کے اندر پھینکے جانے کے قصہ میں (دلیل نمبر 26) اس بات کی دلیل ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس قسم کے مسئلہ پہ اعتراض نہیں کیا۔ جبکہ براء رضی اللہ عنہ کو ایک کمان میں ڈال کے باغ کے اندر دشمن کے اوپر پھینکا گیا اور یہ بات معلوم ہے اس طرح ان کا پھینکا جانا باغ کی دیواروں کے اوپر سے ان کی موت کا سبب بھی بن سکتا تھا اور پھر وہ حالت کیا ہو جب دشمن اندر مسلح بھی تھا اور تیار بھی جبکہ براء کا فعل ایسا ہے جو کوئی اسے سنے گا وہ جان لے گا کہ اس کا فاعل یا پھینکے جانے پہ ہی یا پھر وہ فوجی جو اسکی طرف لپکیں گے کے سبب ہلاک ہو جائے گا۔ لیکن اس کے باوجود نہ امیر الجیش نے کوئی اعتراض کیا اور نہ ہی باقی صحابہؓ نے جبکہ انکی ہلاکت یقینی امر تھا۔

30۔ وہ حدیث کہ رب اپنے بندے پہ مسکراتا ہے (دلیل نمبر 7) واضح دلیل ہے کہ ایسا فاعل ہلاک ہوگا لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عوف بن عفرا رضی اللہ عنہ کو وہ طریقہ بتایا جس سے کہ رب اپنے بندے پہ مسکراتا ہے اور وہ ہے دشمن کے اندر ننگے جسم گھس جانا (عرب میں مشہور تھا کہ وہ میدانِ جنگ میں ستر کے علاوہ اپنے جسم کے کپڑے اتار دیتے جس سے ان کا مقصود دشمن کے خلاف شجاعت کا اظہار ہوتا تھا)۔ یعنی بنا کسی زرہ کے اور نہ ہی کسی ایسی چیز کے جو اس کی حفاظت کرتی ہو۔ تو عوف نے وہ زرہ جو پہن رکھی تھی اتار دی اور قتال کرنے لگے یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ قطعی امر ہے کہ بندے نے جمعِ کثیر کے ساتھ لڑنے کا ارادہ کیا ہے اور وہ اپنی ہلاکت پہ پرُ جزم ہے **الا ما شاء اللہ**۔ لیکن حکم اس مسئلہ میں غالب گمان پہ ہے جیسے کہ ابن قدامہ نے

کہا۔

جنگ کا یہ اسلوب نبی ﷺ کے سامنے فقط ایک بار نہ دہرایا گیا بلکہ اس کو سرانجام دیا عمیر بن الحمام رضی اللہ عنہ نے بدر کے دن (دلیل نمبر 14) اسی طرح انس بن النضر رضی اللہ عنہ نے احد کے دن (دلیل نمبر 15) اور نبی ﷺ کا قول اس آدمی کے لیے جو بئرِ معونہ سے بچ گیا تھا جب آپ نے اسے ایسا ہی عمل کرنے پہ ابھارا (دلیل نمبر 18) اور یہ فعل صحابہ رضی اللہ عنہم کے سامنے بھی کیا گیا جیسے کہ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے (دلیل نمبر 32) اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ (دلیل نمبر 35) اور جعفر رضی اللہ عنہ کا اپنے گھوڑے کو زخمی کرنا بھی اسی بات پہ دلالت کرتا ہے (دلیل نمبر 28) اور وہ آدمی جو یوم الجسر میں ہاتھی کے رستہ میں کھڑا ہو گیا (دلیل نمبر 34)۔ یہ تمام دلائل اس بات کا فائدہ دیتے ہیں کہ دشمن پہ موت کے یقین کے ساتھ حملہ آور ہونا نبی ﷺ اور آپ کے اصحاب کے زمانہ میں بھی ایک مشہور و معروف مسئلہ تھا اور ہماری طرف علماء نے کوئی ایسی بات نقل نہیں جو اس کام کو منع کرتی ہو جبکہ ایسا حملہ یقینی موت کی طرف لے جاتا ہے۔تو یہ اس کے جواز پہ دال ہیں۔

31۔ دین کی حمیت اور اللہ کے کلمہ کی بلندی کے لیے کیا جانے والا حملہ مجاہد کا سب سے اعلیٰ فعل ہے۔ اور ہمارے پاس ایسی دلیلیں پہنچ چکیں جو اس بات کے جواز پہ دلالت کرتی ہیں اور اس میں شک کی کوئی مجال باقی نہیں رہتی کہ مجاہد دین کی خاطر اپنے نفس کو فدا کرسکتا ہے۔ہم یہاں اس بات کی طرف بھی اشارہ کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے احد کے دن صحابہ کی جانوں کے ذریعے دفاع کیا اور اسکا کسی نے انکار نہیں کیا اور نہ ہی کوئی ایسی دلیل موجود ہے جو اس فعل کی نبی ﷺ کے ساتھ خصوصیت کو ظاہر کرتی ہو۔ابودجانہ رضی اللہ عنہ کے قصہ میں ہے جبکہ انہوں نے نبی ﷺ کے لیے اپنے آپ کو ڈھال بنا لیا تاکہ آپ ﷺ کی طرف آنے والے نیزوں کو روک سکیں (دلیل نمبر 21) اور اسی طرح ابوطلحہ کا رسول اللہ ﷺ کو یہ کہنا کہ میرا سینہ آپ کے سینے کے

بدلے (دلیل نمبر 22) اور وہ اس وقت تک آپ کا دفاع کرتے رہے یہاں تک کہ انکے ہاتھ شل ہو گئے جن کے ساتھ وہ آپ ﷺ کا دفاع کر رہے تھے (دلیل نمبر 23)۔ یہ تمام دلائل کسی شخص کے دین پہ اپنی جان فدا کرنے کی ہیں۔

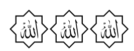
اہلِ علم کے اقوال کا خلاصہ اور استشہادی کارروائی کی شروط:

علماء کے دشمن پہ اکیلے حملہ کرنے کے مسئلہ میں اقوال سے ہم پہ یہ ظاہر ہوا کہ انہوں نے اس مسئلہ کو غالب گمان کے ساتھ معلق کیا ہے کہ ایسا شخص جسے غالب گمان ہے کہ وہ اس حملہ میں شہید ہو جائے گا، اس سے حکم اخذ کیا گیا کہ وہ جو قطعی طور پہ قتل ہو جائے گا۔ پس جس نے اس اقدام کو جائز قرار دیا غالب گمان پہ اس نے اس کو قتل کے ساتھ یقینِ جازم پہ بھی جائز قرار دیا۔ اسی طرح جمہور علماء نے اس حملہ کی کچھ شروط ذکر کی ہیں۔

(۱) اخلاص یعنی خالص نیت (۲) دشمن کے اندر تباہی پھیلانا (۳) دشمن کو دہشت زدہ کرنا (۴) مسلمانوں کو جرات دلانا اور مضبوط کرنا۔

قرطبی اور ابن قدامہ نے اس عمل کو خالص شہادت کی نیت کے ساتھ جائز ٹھہرایا ہے۔ کیونکہ شہادت طلب کرنا امرِ مشروع ہے اور مجاہد کی اس میں غرض بھی ہے۔ چونکہ نبی ﷺ اور آپ کے اصحاب نے ایسی کوئی شروط عائد نہیں کیں جیسی کہ جمہور نے عائد کی ہیں اس لیے قرطبی اور ابن قدامہ کے قول استحسان سے بعید نہیں۔ اگر ہم یہ ارداہ کریں کہ جمہور کے وہ دلائل سامنے لائیں جن کی بنا پہ انہوں نے اس فعل کو جائز ٹھہرایا ہے تو ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ایسی شروط جس میں موجود نہ ہوں گی اس کے لیے ایسا حملہ ممنوع ٹھہرے گا جب تلک کہ وہ ان دلائل پہ پورا نہ اترے۔ جمہور نے قواعد کو جہاد کے عمومی قواعد سے اخذ کیا اور عموم سے خصوص کا فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے ہم کہتے ہیں کہ ایسی چیز جس میں فائدہ نہیں اس پہ اس پہ عمل نہ کرنا ہی بہتر ہے۔ لیکن یہ کہنا کہ جس

کے اندر یہ شروط پوری نہ ہوں اس کا عمل درست نہیں یہ ظلم ہے۔اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ شروط واضح نصوص کے ساتھ آئی ہیں نہ ہی صحیح احادیث کے ساتھ اور نہ ہی جلی قیاس کے ساتھ۔ پس اس کی اصل جواز ہے جبکہ شروط موجود نہ ہوں لیکن اسکا خلاف اولیٰ ہے۔اس لیے مجاہد کو چاہیے محض شہادت کے لیے ہی حملہ نہ کرے بلکہ اس کے ساتھ کوئی اور مقصد بھی ہو جو مسلمانوں اور مجاہدین کو نفع پہنچائے۔



فصل سوم

تترس کے مسئلہ میں

دشمن پہ ننگے جسم حملہ کرنا اوراس کے اندر گھس جانا جب ایک محمود عمل ہے جس میں قتل کا تسبب موجود ہے تو استشہادی کارروائیاں ایک اور مسئلہ کے اندر بھی داخل ہوتی ہیں جبکہ مجاہد نے اپنی نیت کو خالص کرلیا ہو کیونکہ جمہور کی رائے میں قتل کا تسبب قتل کی طرح ہے جیسے کہ ہم اسے بیان کریں گے (ان شاءاللہ)

مسئلہ تترس جس کی علماء نے اجازت دی ہے یہ مسئلہ مشابہ ہے عملیات استشہادیہ یا فدائی کارروائیوں سے جبکہ ایسا عمل دین کی مصلحت کے لیے ہو۔ پس اپنے نفس کو ختم کرنے کی حرمت مسلمانوں کے نفوس کو نہ صرف ختم کرنے کی حرمت کی طرح ہے بلکہ بہت بڑا اکبیرہ گناہ ہے۔ قرطبی اپنی تفسیر (183/10) میں کہتے ہیں کہ علماء کا اس بات پہ اجماع ہے کہ جس کو کسی دوسرے کے قتل پہ باکراہ مجبور کیا جائے اس کے لیے جائز نہیں کہ ایسا اقدام کرے اور قتل یا حرمت کی پامالی کا ارتکاب کرے بلکہ وہ مصیبت جو اس پہ نازل ہوئی ہے اس پہ صبر کرے اور نہ ہی اس کے لیے یہ حلال ہے کہ دوسرے کے لیے اپنی جان فدا کردے اور اللہ سے دنیا وآخرت میں عافیت کا سوال کرے۔

پس جس نے مسلمان کے قتل کی اجازت مصلحت کی خاطر دی تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ مصلحت کی خاطر قتل نفس کو جائز ٹھہرائے۔ لیکن فقہاء نے استشہادی عملیات کو ان کی موجودہ صورت پہ اپنے زمانے میں نہ پایا جسے کہ ہم جانتے ہیں۔ کیونکہ جنگ کے وسائل اوراس کے طریقے تبدیل ہوگئے ہیں۔ وہ فرق جس کا اعتبار کیا جانا ضروری ہے اور جو کلامِ سلف سے سمجھ میں آتا ہے کہ انہوں نے تترس یعنی ڈھال بنائے گئے لوگوں کے قتل کی اجازت دی کیونکہ سلف نے ان کے قتل کی اجازت

ضرورت کی بنا پہ دی استشہادی عملیات کا جواز ضرورت کی بنا پہ نہیں ہے جیسے کہ مسئلہ تترس میں ہے۔ کیونکہ دونوں مسئلوں میں ایک جہت سے مشابہت ہے اور ایک جہت سے اختلاف، کیونکہ قتلِ نفس کے بارے میں کوئی ایسی نص وارد نہیں ہوئی جو اسے جائز ٹھہراتی ہو لیکن مصلحت عامہ مصلحتِ خاصہ پہ غالب ہوگئی۔ فقہی قاعدہ ہے **الضرورات تبیح المحظورات** ضرورت محظور کو مباح کر دیتی ہے۔ جبکہ دوسرا قاعدہ کہتا ہے (**اختیار اخف الضررین**) جب دو مفسدۃ باہم متعارض ہوں تو ادنیٰ کا ارتکاب کیا جائے گا۔ ہم اس کے برعکس استشہادی عملیات میں اس کے جواز کو اسطرح قواعد کے تابع نہیں کرتے جیسے مفاسد کا تعارض اور ضرورت کی حالت میں اس کی اجازت ہے۔ کیونکہ ہمارے پاس نصوص موجود ہیں جو دشمن پہ حملہ کرنے پہ نہ صرف دلالت کرتی ہیں بلکہ وہ جو موت کے یقینی ہونے کے باوجود دشمن پہ ٹوٹ پڑتا ہے، اس کی تعریف کرتی ہیں اور اس میں یہ شرط لگائی جاتی ہے کہ اسکی نیت خالص ہو اور اس کا یہ عمل اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے ہو۔ یہاں یہ فرق واضح ہوتا ہے کہ پہلے مسئلہ یعنی تترس میں ایسا عمل جو منع ہے لیکن ضرورت کے تحت جائز ٹھہرایا گیا ہے جبکہ دوسرے مسئلہ میں اس کے لیے واضح نصوص موجود ہیں۔ جس نے کسی محرم امر کو جائز ٹھہرایا اور مطلقاً اس کے ساتھ نصوص کو وارد نہیں کیا یعنی مسلمان کے قتل میں تو اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ اس کے جیسی دوسری مثالوں کو بھی جائز ٹھہرائے گا جبکہ وہ دوسری مثال حرمت میں بھی اس سے کم ہو جس کے ساتھ اسکا موازنہ کیا جا رہا ہے۔ ایسے دوسرے امر کی اباحت کے لیے نصوص موجود ہیں جو اسکے فاعل کی مدح بھی اپنے اندر لیے ہوئے ہیں۔ اس لیے قاری کو اس فرق کو لازمی ملحوظِ خاطر لانا چاہیے کہ جو ضرورت کے لیے مباح کیا جائے وہ اس جیسا نہیں جسے مصلحت کے لیے مباح کیا جائے۔ تترس کے قتل کی اباحت کا قول مشکل ترین ہے بنسبت قتل نفس کے کہ جس کی بے شمار دلیلیں ہم نے پیش کر دی ہیں۔

ان دونوں مسئلوں میں مشابہت کی وجہ یہ ہے کہ دونوں حالتوں میں مسلم نفس کے خاتمہ کو دین کی مصلحت کے لیے جائز ٹھہرایا گیا ہے۔ پس جس نے مسئلہ تترس کو اسکی اصل سے نکالا اور اسے کسی سبب کی بنا پہ جائز ٹھہرایا تو پھر اس میں کوئی شک نہیں فدائی کارروائیوں کا شرعی اعتبار کیا جانا چاہیے کہ اس کی اصل یعنی قتل نفس سے نکال کر اسے ایک ممدوح عمل بنایا جائے اور اس کے فاعل کو (ان شاء اللہ) شہید کہا جائے۔ لیکن یہ امر اس وقت ایسا تصور کیا جائے گا جب ہم یہ تسلیم کرلیں کہ اس مسئلہ میں کوئی نص موجود نہیں جو اس فعل پہ ابھارتی ہو۔

جبکہ تترس کی تعریف یہ ہے جیسے کہ **مختار الصحاح** صفحہ (63) پہ ہے'' **التترس هو التستر بالترس** '' تترس یہ کہ قید کیے گئے لوگوں کو ڈھال یا کور بنانا۔ **مصباح المنير** میں صفحہ 43 پر ہے **التترس معروف، تترس بالشيء جعله كالترس، وتستر به** کہ ترس معروف ہے اور تترس یہ ہے کہ کسی چیز کو ڈھال بنانا اور اس کے ذریعے چھپنا۔

الترس سے مراد اس فصل میں یہ ہے کہ دشمن کے افراد لوگوں کے ایک گروہ کو اپنا کور بنائیں اور ان کے ذریعے اپنا دفاع کریں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اس کا مخالف اس گروہ کی طرف نہیں بڑھے گا جسے اس نے ڈھال بنا رکھا۔ وہ صورتیں جو آج کے دور میں اس مسئلہ میں استعمال کی جاتی ہیں جنہیں انسانی ڈھال یا جنگی قیدی کہا جاتا ہے۔ جس ملک نے ایسے لوگوں کو قید کیا ہوتا ہے وہ جیلوں میں ان کے ساتھ حیوانوں والا سلوک کرتے ہیں اور اسی بنا پہ ملکوں اور وزارتوں کی اسٹریٹیجی بناتے ہیں تاکہ فریقِ مخالف کو اس ضرب کا مزا چکھایا جائے اور فریقِ مخالف اپنی ضرب کو روکنے پہ مجبور ہو جائے تاکہ اس سے وہ اپنے لوگوں کے نفوس کی حفاظت کر سکے۔

جہاں تک تترس بنائے گئے لوگوں کے قتل کا سوال ہے تو اس میں یہ لازم نہیں کہ ڈھال بنائے گئے انسان محض کافر ہی ہوں، کیوں کہ مسلمان لشکر تو مامور ہے کہ وہ

بچوں، عورتوں، بوڑھوں اور اہل الذمہ کی حفاظت کا خیال رکھیں۔ اس لیے لشکرِ اسلامی کو اپنا ہاتھ ان سے روک کے رکھنا چاہیے سوائے ایسی صورت کے کہ جب ایسا کرنے سے کوئی ضرر واقع ہوتا ہو۔ جب ڈھال بنائے گئے لوگ مسلمان ہوں تو ایسی صورت میں منع کا حکم شدید تر ہے پس ایسی صورت میں اگر دشمن حملہ کرے تو پھر صرف ضرورت کے تحت ہی تترس کے قتل کا اقدام اٹھایا جائے۔ اس سے دو نقطے واضح ہوتے ہیں اور وہ یہ کہ جب ڈھال بنائے گئے لوگ مسلمان ہوں تو بنا کسی ضرورت کے ان کو مارنا جائز نہیں اور جب ایسے لوگ محض معصوم لوگ ہوں تو ان کو بنا کسی مصلحت کے نہیں مارا جا سکتا۔

ان دونوں امور میں موجود فرق واضح ہے جیسے کہ صحیحین میں صعب بن جثامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے وہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس ابواء میں گذرے یا بودان کے علاقہ میں تو آپ سے سوال کیا گیا کہ لوگ مشرکوں پہ شب خون مارتے ہیں تو اس میں انکی عورتیں اور بچے بھی قتل ہو جاتے ہیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (**ھم منھم**) وہ انہیں میں سے ہیں۔ اس لیے جمہور کی یہ رائے ہے کہ کافروں کی عورتوں اور بچوں کو قصداً قتل کرنا جائز نہیں لیکن اگر قتال میں مقصود اس کے بغیر ظاہر نہ ہوتا ہو تو جائز ہے۔ لیکن جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اجازت مرحمت فرمائی تو آپ نے کوئی ایسے ضوابط وضع نہیں فرمائے کہ جس سے پتہ چلتا ہو کہ یہ صرف ضرورت کے وقت ہی جائز ہے۔ بلکہ مسلمانوں کے رات کے وقت کفار پہ حملہ کرنے کی حاجت ہی اس بات کو جائز ٹھہرا دیتی ہے حالانکہ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی بستی پہ حملہ کرتے تو انتظار کرتے اور جب صبح کے وقت آذان کی آواز آتی تو رک جاتے وگرنہ اس بستی پہ حملہ کر دیتے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کے وقت حملہ میں عورتوں اور بچوں کے قتل کے امکان کے سبب حملہ سے اجتناب کیا اور صبح کو حملہ کرنا بہتر جانا مگر مصلحت اس کو مباح کر دیتی ہے۔ پس جب ڈھال بنائے گئے لوگ مسلمان ہوں تو ایسا کرنا جائز نہیں سوائے اس صورت میں جب اس سے کوئی ضرر عمومی طور پہ مسلمانوں پہ واقع ہوتا ہو تو

پھر مسلمان دشمن سے قتال پہ مامور ہیں اور جو مسلمانوں کی روحوں کا نقصان ہوگا وہ اپنی نیتوں پہ قیامت کے دن اٹھائے جائیں گے۔

اس معاملے میں مقصود ''ضرورت'' جو کافروں کو ایسے مسئلہ میں ہدف بنانے کی اجازت دیتی ہے وہ یہ ہے کہ دشمن مسلمانوں پہ حملہ کرے گا اور ان کے اندر اس تعداد سے کہیں زیادہ قتل کرے گا جتنے کہ اس نے ڈھال بنا رکھے تھے۔ یا یہ کہ وہ مسلمانوں کے گھروں میں داخل ہو جائے گا یا یہ کہ وہ مسلمانوں کا گھیراؤ کرے گا اور مسلمان شکست کھا جائیں گے اگر وہ ڈھال بنائے گئے لوگوں کی وجہ سے قتال سے رکے رہیں۔ اس ضرورت کی موجودگی کا فیصلہ اپنے وقت کا امیر المومنین کرے گا یا وہ شخص کہ جس کے پاس جنگ شروع کرنے یا روکنے کا اختیار ہے کیونکہ وہ دور بیٹھ کر معائنہ کرنے والے لوگوں سے زیادہ جنگ کے حالات سے واقف ہے جس سے کہ وہ ہرگز واقف نہیں۔

الشوکانی رحمہ اللہ، فتح القدیر (447/5) میں، صاحبِ مغنی المحتاج (244/4) اور ابن قدامہ المغنی (505/10) میں، ان تمام نے جمہور سے یہ نقل کیا کہ جب بھی ضرورت ہو تو دشمن پہ حملہ کر دیا جائے گا چاہے ایسا عمل ڈھال بنائے گئے لوگوں کی ہلاکت پہ منتج ہوتا ہو کہ جن کی دشمن آڑ لیے ہوئے ہے۔ صاحبِ مغنی المحتاج نے اس کے لیے دو شرائط ذکر کی ہیں:

(۱) کہ مجاہدین حتی الامکان کوشش کریں کہ وہ اس انسانی ڈھال کو بچائیں سوائے اس کے کہ جب غلطی سے ایسا ہو یا پھر اضطراری حالت میں ہو۔

(۲) ڈھال بنائے گئے لوگوں کو مارنے کا قصد دل میں نہ ہو، چاہے حسی طور پہ ایسا قصد اضطراراً موجود ہو۔

ابن النحاس مشارع الاشواق (1029/2) میں کہتے ہیں کہ اگر کافر اپنے کسی قلعہ میں مسلمان قیدیوں اور ان کے بچوں کو بطور ترس استعمال کریں تو اگر ان کے قتل کی ضرورت نہ ہو تو ہم ایسا عمل مسلمانوں کی جانوں کی حفاظت کی خاطر ترک کر

دیں گے۔ وگرنہ دوسری صورت میں جب ضرورت اس بات کی متقاضی ہو جیسے کہ جنگ شروع ہوجائے اور ایسی حالت ہو کہ اگر ہم انہیں ترک کردیں تو دشمن ہمارے اندر خوب خونریزی کرے گا یا تباہی پھیلائے گا یا ان سے قلعہ لینا ناممکن ہوجائے تو صحیح قول کے مطابق انہیں مارنا جائز ہوگا اور اس کے ساتھ ساتھ مسلمان کو حسب الامکان بچایا جائے گا یہ امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ کا مذہب ہے کہ جب انہیں مطلقاً یعنی بلاضرورت مارا جائے منجنیق یا نیزے کے ساتھ، اس شرط کے ساتھ کہ جہاں تک ممکن ہوسکا مسلمان کو بچایا جائے گا۔ اسی طرح ان کا حکم ہے کہ اگر انہیں کسی سواری پہ ڈھال بنالیا جاتا ہے۔ (واللہ اعلم)

شیخ الاسلام ابن تیمیة رحمہ اللہ، مجموع الفتاویٰ (376/10) میں کہتے ہیں کہ اگر کافر مسلمانوں کو تترس یعنی ڈھال بنالیں تو اس ضرر کو جب سوائے ان کے قتل کیے دور کیا جانا ممکن نہ ہو، پس مشروع ومقدور عقوبات بسا اوقات دنیا میں ایسے شخص کو حاصل ہو جاتی ہیں جو آخرت میں ان کا مستحق نہیں ہوتا اور یہ اس کے معاملے میں جملہ مصائب کے معنی میں آئیں گی۔ جیسا کہ کہا گیا ہے کہ ان (ڈھال بنائے گئے مسلمانوں) کا قاتل مجاہد اور ان کا مقتول شہید ہے۔

اس مسئلہ میں جمہور احناف، مالکیہ اور امام الثوری نے وسعت اختیار کی جیسے کہ **فتح القدیر (448/5)** میں اور **احکام القرآن للجصاص 273/5)**، **منح الجلیل 151/3)**، انہوں نے مسلمانوں کے قتل کی اجازت دی جبکہ مسلمانوں کو ڈھال بنالیا گیا ہو چاہے انہیں اس بات کا علم ہو یا نہ ہو کہ ان کے ایسا کرنے سے یا نہ کرنے سے انہیں شکست ہوجائے گی اور چاہے انہیں پتہ ہو کہ اس سے ضرر واقع ہوگا یا نہ ہوگا۔ ان کی دلیل اس میں یہ ہے کہ اگر مسلمان ان مترسین کی وجہ سے رک گئے تو جہاد فی سبیل اللہ معطل ہوجائے گا۔

یہ قول اس کے ظاہر سے ہی ضعیف ہے کیونکہ مسلمان کے خون کی حرمت بہت

بڑی ہے کہ اسے غیر مسلّم دلیل کی بنا پر ختم کیا جائے۔ تترس کافر سے یہ لازم نہیں آتا کہ جہاد معطل ہو جائے گا بلکہ جہاد کے اسلوب کثیر ہیں اور کافر محض تترس سے اس کو نہیں روک سکتے کیونکہ ان کا تترس ہر جگہ پہ نہیں ہے سوائے اس کے مراقبہ میں موجود محاذوں کے۔

جب دشمن کافروں کی عورتوں، ان کے بچوں اور بوڑھوں کو ڈھال بنا لیں جو معصوم الدم ہیں اور انکے قتل کا قصد نہیں کیا جاتا تو صاحبِ السیر الکبیر (1554/4)، صاحبِ مغنی المحتاج (224/4) اور ابن القدامہ المغنی (504/10) میں کہتے ہیں کہ جمہور احناف، شافعیہ اور حنابلہ اسے جائز ٹھہراتے ہیں چاہے ان کے قتل کی ضرورت نہ ہو اور مسلمانوں کو ان کے قتل سے توقیفِ قتال جیسا ضرر بھی نہ پہنچتا ہو۔ مالکیہ نے اس مسئلہ میں مخالفت کی ہے جیسے کہ الشرح الکبیر للدردیر (178/2) میں، منح الجلیل (150/3) میں ہے باوجود اس بات کے کہ وہ ان مسلمانوں کے قتل کو جنہیں ڈھال بنالیا گیا ہو جائز ٹھہراتے ہیں چاہے اس کی طرف کوئی ضرورت نہ ہی ہو اور یہ عجیب تضاد ہے اور اس مسئلہ میں بہت طوال ہے جسے ہم چھوڑ دیتے ہیں۔

جمہور کا قول قتل کے معاون کے بارے میں:

دشمن پہ ایسے انداز پہ حملہ آور ہونا کہ جس میں بچنے کی امید بالکل نہ ہو یہ سب سے بڑا سبب ہے جس کی راہ مجاہد اپنے نفس کے قتل کے لیے دشمن کو دکھاتا ہے۔ اس لیے قتل نفس میں بلا واسطہ متسبب بننے والا ایسے ہی ہے جیسے کہ اس نے خود اس قتل کا ارتکاب کیا۔ جیسے کہ کسی کے قتل میں تسبب اس کے قتل کے برابر ہے۔ یہاں تک کہ جمہور علمائے مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ نے دوسرے کو قتل غیر میں تسبب کی بناء پہ قصاص کا موجب ٹھہرایا جیسے کہ انہوں نے خود قتل کرنے والے کو اس کا موجب ٹھہرایا۔ احناف نے اس مسئلہ میں ان کی مخالفت کی ہے۔ امام بخاری نے کتاب الدیات میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ ایک غلام دھوکہ سے قتل ہو گیا تو عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر

اس کے قتل میں سارے اہل صنعاء نے شرکت کی ہوتو میں ان سب کو قتل کردوں گا۔

ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف (429/5) میں سعید بن وہب سے روایت کیا وہ کہتے ہیں کہ کچھ آدمی سفر پہ نکلے تو ان کے ساتھ ایک آدمی نکلا تو جب وہ واپس ہوئے تو وہ ان کے ساتھ نہ تھا۔ اس کے گھر والوں نے اہل قافلہ پہ الزام لگایا۔ شریح القاضی نے کہا تمہاری حالت بتاتی ہے کہ تم نے اسے قتل کردیا ہے، نہیں تو تم سب قسم کھاؤ کہ تم نے اپنے ساتھی کو قتل نہیں کیا۔ تو وہ انہیں لے کر علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور میں ان کے پاس تھا تو انہوں نے ان سب کو علیحدہ کردیا جس پر انہوں نے اعتراف کرلیا۔ میں نے علی رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں ابوالحسن حکم دیتا ہوں......، پھر ان سب کو قتل کردیا گیا۔ اسی طرح انہوں نے اپنی مصنف (429/5) میں روایت کیا کہ ہمیں ابوبکر نے بیان کیا، ان سے محمد بن بکر نے وہ ابن جریج سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے سلیمان بن موسیٰ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ جو قوم کسی آدمی کے قتل میں دلالت کرتی ہے تو اس کے بدلے میں وہ سارے قتل ہوں گے۔

مصنف ابن ابی شیبہ (429/5) میں ہے ہم سے ابوبکر نے بیان کیا وہ کہتے ہیں ہم سے ابومعاویہ نے مجالد سے بیان کیا اور انہوں شعبی اور انہوں مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے بیان کیا کہ سات آدمیوں کو ایک آدمی کے بدلے میں قتل کیا گیا۔

الصنعانی ،سبل السلام (493/3) میں کہتے ہیں کہ مالک، نخعی اور ابن ابی لیلیٰ اس بات کی طرف گئے ہیں کہ جب کوئی لوگ کسی آدمی کے قتل میں اشتراک کریں گے تو ان سب کو قتل کردیا جائے گا اور انہوں نے کہا اس بات کی طرف تمام فقہائے امصار گئے ہیں اور یہ علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ پھر اس کے بعد انہوں نے دوسرے اقوال ذکر کیے ہیں اور کہا کہ ہمارے لیے یہ بات اب قوی ہوگئی ہے کہ ایک آدمی کے بدلے پوری جماعت کو قتل کیا جائے گا اور ہم نے ان کی دلیلوں کو ضوء النہار کے حواشی اور اسکی ابحاث میں ذکر کردیا ہے۔

الشوکانی السیل الجرار (397/4) میں کہتے ہیں کہ بندوں کے درمیان قصاص کی مشروعیت سے ہم نے اسکی حکمت کو جان لیا کہ اس میں ان کے لیے حیات ہے جیسے کہ اللہ عزوجل فرماتے ہیں (و لكم في القصاص حياة) کہ تمہارے لیے قصاص میں حیات ہے۔ پس اگر ایک جماعت کسی آدمی کے قتل میں شریک ہو تو یہ بات اس کی متقاضی نہیں کہ ان سے بدلہ لیا جائے کیونکہ اس سے نفوس کا ضیاع واقع ہو جائے گا۔ لیکن انکی سب سے بڑی سزا قتل ہے نہ کہ دیت۔ کیونکہ اس سے اہلِ اموال اس بات کو سہولت کے ساتھ بہانہ بنالیں گے اور فقراء دیت دینے سے عاجز رہیں گے۔ پس اگر مقتول کا قتل ہونا ان کے فعل کے سبب سے ثابت ہو جائے جیسے کہ ہم ذکر کریں گے کہ ایسی صورت میں ان سے قصاص ہی لیا جائے گا اور اسی بات کا کتاب اللہ میں ثابتہ شریعت کی حکمت تقاضا کرتی ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ قتل نفس کے مرتکب کو پوری انسانیت کے قاتل کے مشابہہ قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ پہ رحم کرے کہ انہوں شریعت کی راہوں کو پہچان لیا اور اس میں موجود دینی مصلحتوں کو جان لیا جو بندوں کے لیے عظیم فائدہ کی طرف لے کے جاتی ہیں۔ جیسے کہ ثابت ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے سات آدمیوں کو ایک آدمی کے بدلے قتل کیا ہے جنہوں نے اس کے قتل میں شرکت کی تھی اور کہا کہ اگر سارے اہل صنعاء بھی اس کے قتل میں شرکت کرتے تو میں سب کو قتل کر دیتا۔ موطا میں اس سے بھی طویل کلام ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے بھی عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ اس مسئلہ میں اختلاف نہیں کیا۔ حیرت تو اس آدمی پہ ہے جو اس مسئلہ میں دفاع کی کوشش کرتا ہے اور ایسے مسئلہ میں قصاص کو ساقط کرتا ہے۔

قرطبی اپنی تفسیر (251/2) میں کہتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ نے سات آدمیوں کو صنعا میں ایک آدمی کے قتل کے بدلے میں قتل کیا اور کہا کہ اگر سارے اہل صنعاء اس کے قتل میں شریک ہوتے تو میں سب کو قتل کر دیتا۔ اسی طرح علی رضی اللہ عنہ نے حروریہ کو عبد اللہ بن خباب رضی اللہ عنہ کے بدلے میں قتل کیا۔ حالانکہ وہ ان سے قتال روکے ہوئے تھے

یہاں تک کہ وہ خود اس کو شروع کریں۔ پھر جب انہوں نے عبداللہ بن خباب رضی اللہ عنہ کو ذبح کیا جیسے کہ بکری ذبح کی جاتی ہے اور علی رضی اللہ عنہ کو اس کی خبر دی گئی تو انہوں نے کہا اللہ اکبر، انکو بلاؤ اور کہو کہ ہمیں عبداللہ بن خباب رضی اللہ عنہ کا قاتل حوالے کرو۔ تو ان سب نے تین دفعہ کہا کہ ہم نے اسے قتل کیا ہے تو علی رضی اللہ عنہ نے کہا ان لوگوں کو قابو کر لو تو علی رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے ان سب کو قتل کر دیا۔ ان دونوں حدیثوں کو الدار قطنی نے اپنی سنن میں روایت کیا۔

ترمذی میں ابوسعید و ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (**لو ان اهل السماء والارض اشتركوا فی دم مومن لاكبهم الله فی النار**) اگر آسمان و زمین والے سب مل کے ایک مومن کے قتل میں شریک ہوں تو اللہ سب کو آگ میں ڈال دے گا۔ ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے۔ اسی طرح اگر کوئی جماعت یہ جان لے کہ وہ جب کسی آدمی کو قتل کرے تو وہ اس لیے قتل نہیں کرتی کہ دشمن کے ساتھ اس کے قتل میں تعاون کرے۔

ابن تیمیة رحمہ اللہ، **الفتاوی** (382/20) میں کہتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا (**لو تمالأ عليه اهل صنعا لقتلتهم به**) کہ اگر سارے اہل صنعا اس کے قتل میں شریک ہوتے تو میں سب کو قتل کر دیتا۔ اگر تو سب نے مباشراً یعنی بلا واسطہ بنفسِ نفیس اس میں شرکت کی تو اس میں کوئی اختلاف نہیں لیکن ان کے بعض اگر غیر مباشر ہوں جیسے کہ کوئی متسبب ایسا سبب بنائے جو اسے قتل کی طرف لے جائے جیسے کہ "مکرہ، یا جھوٹی گواہی" وغیرہ تو ایسے معاملہ میں اگر وہ بعد میں رجوع کر لے تو جمہور نے انکے لیے دیت کو روا رکھا ہے جیسے کہ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ان دو آدمیوں کے متعلق جنہوں نے ایک آدمی کے چوری کرنے پہ گواہی دی تو اس کے ہاتھ کاٹ دیئے گئے پھر انہوں نے شہادت سے رجوع کر لیا اور کہا کہ ہم نے غلطی کی تھی۔ علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر مجھے پتہ چلا کہ تم نے جان بوجھ کے ایسا کیا ہے تو میں تمہارے ہاتھ کاٹ دوں گا۔ تو ہاتھوں کے

کاٹنے اور دیت کے واجب کرنے کا سبب جھوٹی گواہی ہوئی۔

صاحب البحر الرائق کہتے ہیں(354/8) کہ ایک مجموعہ اکیلے آدمی کے بدلے قتل کیا جاسکتا ہے کیونکہ روایت کیا گیا ہے کہ اہل صنعاء کے سات آدمیوں نے ایک آدمی کے قتل میں اشتراک کیا تو عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں قتل کردیا اور کہا کہ اگر سارے اہلِ صنعا اس میں شرکت کرتے تو میں سب کو قتل کر دیتا۔ کیونکہ اس طرح غالب طریقے سے قتل کرنے میں زجراً قصاص کو مشروع ٹھہرانا اور پھر تمام افراد کو اس حکم کے تحت لانا کہ سب نے گویا اکیلے قتل کیا ہے۔ ان سب پہ قصاص واجب ہے تا کہ معنی احیاء کا ثبوت ہو جائے اور اگر ایسا نہ ہوتا تو قصاص کا باب بند ہو جاتا۔

السمعانی ،قواطع الادلة فی الاصول(243/2) میں کہتے ہیں بعض علماء نے قتل میں اشتراک کرنے والوں پہ قصاص لاگو کرنے میں تردد برتا ہے۔ ہمارے بعض علماء نے کہا کہ ایک آدمی کے قتل میں اشتراک کرنے والے قیاس سے خارج ہیں اور یہ عمر رضی اللہ عنہ کے قول سے ثابت ہے کہ اگر سارے اہلِ صنعاء اس کے قتل میں شرکت کرتے تو میں سب کو قتل کر دیتا۔ وہ کہتے ہیں کہ حق کا مسلک میرے نزدیک یہ ہے کہ قتل میں اشتراک کرنے والوں کو قاعدہ قصاص کے تحت لیا جائے گا اور جب کوئی ایسا حرج یا مفسدہ عظیمہ ان کے قصاص کو ساقط کرنے کا ظاہر ہو تو ان کے کسی ایک فرد کی طرف نہیں کہا جائے گا کہ صرف اس نے ہی قتل کیا ہے۔ جہاں تک ان لوگوں کا سوال ہے جو کہتے ہیں کہ قتل مباشر والے کو قتل کیا جائے اور معاونین کو قید میں ڈال دیا جائے۔ یہ حدیث دارقطنی نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ **(اذا امسک الرجل و قتله الآخر یقتل الذی قتل و یحبس الذی امسک)** جب ایک آدمی نے پکڑا اور دوسرے نے قتل کیا تو جس نے قتل کیا اسے قتل کیا جائے گا اور جس نے پکڑا اسے قید کیا جائے گا۔ یہ حدیث جیسے کہ بیہقی نے کہا اور الصنعانی نے اس کے ارسال کو ترجیح دی ہے تو اس میں کوئی حجت نہیں ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کے اس قول پہ قیاس (**و کتبنا علیھم فیھا ان النفس بالنفس**) ہم نے ان پہ لکھ دیا کہ جان کے بدلے جان ہے۔ پس معاملہ مساوات کا ہے اور ایک آدمی اور جماعت میں کوئی مساوات نہیں۔ اس بات کو وارد کرنا مقاصدِ شرعیہ سے متعارض نہیں ہے (**و اللہ اعلم**)۔

پس جب شارع نے اس بات کی اجازت دی اور دشمن کے سامنے اپنے قتل کا تسبب بنانے والے کی مدح فرمائی جبکہ وہ اللہ کے کلمہ کی سربلندی کے لیے خالص نیت لیے ہوئے تھا، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اسکی مدح وثواب جو اسے دیا جائے گا اسکا حملہ اور کے قتل کے اسباب اور کیفیت قتل سے کوئی تعلق نہیں۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے **عوف بن عفرآء** رضی اللہ عنہ **عمیر بن الحمام** رضی اللہ عنہ اور **انس بن النضر** رضی اللہ عنہ کو اس کی اجازت دی (دلیل نمبر 7-14-15)۔ اسی طرح آپ ﷺ نے ان سے اس طریقہ کے متعلق کوئی سوال نہ کیا کہ جس کے ساتھ وہ حملہ کرنے والے تھے اور نہ ہی اس کے ساتھ کسی قسم کی شروط لگائیں۔ جبکہ قاعدہ یہ ہے کہ (**ترک الاستفصال فی مقام الاحتمال ینزل منزلۃ العموم فی المقال**) ''احتمال کے موقع پہ تفصیل کو ترک کرنا عموم کے حکم میں آتا ہے''۔ پس کتنی ہی کارروائیاں ہیں کہ نبی ﷺ کے زمانہ مبارکہ میں جن کا حدوث ہوا لیکن اس کے باوجود ہمیں کوئی ایسی نقل نہیں پہنچی کہ نبی ﷺ نے اس قسم کے حملہ لیے اور دشمن میں تباہی پھیلانے کیلیے کوئی شروط متعین فرمائی ہوں۔ پس جب اللہ کے دین کی مصلحت کی خاطر اور اللہ کے کلمہ کی سربلندی کے لیے دشمن کے اندر ننگے جسم گھس کے اپنے قتل کا تسبب بننا جائز ہے تو مباشراً دین کے لیے ایسا کرنا بھی جائز ہے جبکہ اس میں ایسی مصلحت ہو جو اسکے بغیر حاصل نہ ہوتی ہو۔ کیونکہ قتل میں قاتل اور اس کا معاون برابر ہیں لیکن نصوص اپنی خاص ادلۃ کے ساتھ اس میں سے مجاہد کو خارج قرار دیتی ہیں۔ پس جس کے لیے یہ واضح ہو جائے کہ قاتل اور اس کا معاون شریعت میں برابر ہیں اس کو جان لینا چاہیے کہ مجاہدِ فی سبیل اللہ اس

میں داخل نہیں ہے جبکہ اس نے دشمن کی اپنے قتل میں مدد کی ہو یا اپنے نفس کو دین کی مصلحت کی خاطر قتل کیا ہو۔

شہید کی تعریف:

ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری (43/6) میں چار توجیہات پیش کی ہیں جو کہ شہید کی وجہ تسمیہ ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ان میں بعض ایسی ہیں جو اللہ کی راہ میں قتل ہونے والے کے ساتھ خاص ہیں اور بعض دوسروں کو عام ہیں اور بعض ایسی ہیں کہ ان میں نزاع ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ نے المجموع (277/1) اور شرح مسلم (515/1) میں سات وجوہ ذکر کی ہیں اور وہ یہ ہیں۔

1	کیونکہ شہید کے لیے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی گواہی دی ہے۔
2	کیونکہ وہ اپنے رب کے ہاں زندہ ہے۔
3	کیونکہ رحمٰن کے فرشتے اسکے پاس آتے ہیں اور اسکی روح قبض کرتے ہیں۔
4	کیونکہ وہ ان لوگوں میں سے ہے جو قیامت کے دن امتوں پہ گواہی دے گا۔
5	کیونکہ اسکی ظاہری حالت پہ اسکے ایمان اور خاتمہ بالخیر کی گواہی دی گئی ہے۔
6	کیونکہ اسکے ساتھ اسکے قتل کی گواہی ہے اور وہ ہے اس کا خون۔

7	کیونکہ اسکی روح دارلسلام یعنی جنت میں رہتی ہے جبکہ باقی لوگوں کی روح تو قیامت کے دن وہاں حاضر ہوگی۔

جہاں تک شہید کی تعریف کا تعلق ہے تو وہ جیسے **القاموس الفقهي لسعيد ابوالحبيب** (202) صفحہ میں ہے" جو حاضر ہوا، یہ بمعنی شاہد کے ہے اور وہ جو اللہ کی راہ میں قتل ہوا اور اسکی جمع شہداء ہے اور "اشہاد" اور اس سے ہے "شاہد" یعنی حاضر اور اسکی جمع شہود واشہاد ہے اور یہ بمعنی اس کے بھی جو گواہی ادا کرتا ہے یا دیتا ہے۔

اصطلاحی معنی میں شہید!

حنفیہ:

صاحب **العنایہ شرح الهداية ، فتح القدير** کے حاشیہ) (142/12 اور حاشیہ ابن عابدین (268/2) میں ہے وہ کہتے ہیں" وہ جسے مشرکوں نے معرکہ میں قتل کیا ہو یا وہ معرکہ میں مقتول پایا گیا ہو اور اس کے اوپر اس کا کوئی اثر، یا زخم ہو ظاہری طور پہ یا باطنی طور پہ ہو جیسے کہ خون کا نکلنا آنکھ وغیرہ سے"۔

الزيلعي رحمہ اللہ **تبيين الحقائق** (247/1) میں لکھتے ہیں ہر وہ شخص جو اہل الحرب کے ساتھ یا باغیوں، لٹیروں کے ساتھ لڑائی میں چاہے براہ راست قتل ہو یا بالتسبب اور جسکی حالت کی نسبت دشمن کی طرف ہو، وہ شہید ہے۔ ہر وہ مقتول کی جسکے قتل کی نسبت اس کے علاوہ ہے وہ شہید نہیں ہے۔

اسی طرح وہ **البحر الرائق** (211/2) میں کہتے ہیں کہ ایک آدمی جو نجاست کی حالت میں ہے اور دشمن اس پہ حملہ آور ہوتا ہے لیکن اس کا نشانہ خطا ہو جاتا ہے تو وہ غسل کے دوران مر جاتا ہے تو وہ شہید ہے۔ کیونکہ وہ کسی ایسے فعل کی طرف مضاف نہیں جسکی نسبت اسکی طرف ہو وہ شہید ہے کیونکہ اس کا ارادہ دشمن کا تھا نہ کہ اپنے نفس کا۔ اگر دشمن نے کسی مسلمان کے جانور کی کونچیں کاٹ دیں، یا اسے بھگا دیا تو اس جانور نے

مسلمان کو پھینک دیا یا اسے اوپر فصیل سے نیچے پھینکا یا اس کے اوپر آگ پھینکی یا ان کی کشتیوں کو آگ لگا دی یا اس جیسے کسی بھی سبب سے مسلمان مارا گیا تو وہ شہید ہے۔

مالکیہ:

الدردیر الشرح الکبیر (425/1) میں کہتے ہیں شہید وہ ہے جو محاربین کے ساتھ لڑائی میں مارا جائے چاہے وہ مسلم علاقے میں ہی کیوں نہ مارا جائے مثلاً مسلمانوں نے حربیوں کے ساتھ قتال کیا ہو۔ اسی طرح اگر اس نے قتال نہیں بھی کیا مثلاً جیسے کہ وہ سویا ہوا ہو یا غافل ہو یا اسے کوئی مسلمان کافر خیال کرتے ہوئے غلطی سے قتل کر دے یا اسے کوئی جانور روند ڈالے یا اسکی اپنی ہی تلوار اس پہ جا پڑے یا وہ لڑائی کے دوران کسی کنویں میں یا کسی بلندی سے گر جائے تو وہ شہید ہے۔

شافعیہ:

ابن الحجر الفتح (129/6) میں کہتے ہیں وہ جو کافروں کیساتھ لڑائی میں بغیر پیٹھ پھیرے اخلاص کے ساتھ لڑتا ہوا مارا جائے شہید ہے۔ صاحبِ مغنی المحتاج (350/1) میں کہتے ہیں وہ جو اللہ کی راہ میں بنا پیٹھ دکھائے قتال کرتا ہے تا کہ اللہ کا کلمہ سر بلند ہو اور کفر کا کلمہ نیچا ہو جائے اور اس میں اسکی کوئی دنیاوی غرض نہ ہو۔

حنابلہ:

صاحبِ کشاف القناع (113/2) میں کہتے ہیں وہ جو کفار کے ساتھ معرکے میں شہید ہو مرد ہو یا عورت، بالغ ہو یا نابالغ، چاہے اسے کافروں نے قتل کیا ہو یا اس کا اپنا اسلحہ اسے لگ گیا ہو، یا وہ اپنے جانور سے گر جائے یا مقتول پایا جائے جب کہ اس پہ کوئی اثر بھی نہ ہو اور وہ مخلص ہو تو ایسا شخص شہید ہے۔

ابن قدامہ المغنی (206/2) میں کہتے ہیں کہ اگر دشمن کے ساتھ قتال میں

اس کا اپنا ہتھیار اس پہ لوٹ آیا ہو اور اسے قتل کر دے تو وہ شہید ہے بالکل ایسے جیسے کہ اسے دشمن نے قتل کیا ہو، قاضی کہتے ہیں کہ اسے غسل دیا جائے گا اور اس پر نماز پڑھی جائے گی کیونکہ وہ مشرکوں کے ہاتھوں نہیں مارا گیا یہ اس سے مشابہ ہے کہ وہ معرکہ کے علاوہ مارا گیا ہے۔ ہمارے پاس وہ حدیث ہے جسے ابوداؤد نے اصحاب رسول اللہ ﷺ میں ایک آدمی سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم نے جہینہ کے علاقے میں قتال کیا تو مسلمانوں کے ایک آدمی نے مدمقابل کو طلب کیا پھر اسے اپنی ہی تلوار لگ گئی تو نبی ﷺ نے فرمایا اے مسلمانوں اپنے بھائی کی خبر لو تو لوگ اسکی طرف دوڑے لیکن وہ مر چکا تھا تو نبی ﷺ نے اسے اس کے خون آلود کپڑوں میں لپیٹ دیا تو صحابہ نے کہا یا رسول اللہ (**أشهيد هو قال نعم وأنا له شهيد**) کیا وہ شہید ہے آپ ﷺ نے فرمایا ہاں اور میں اس کا گواہ ہوں۔ اسی طرح **عامر بن الاکوع** نے خیبر کی لڑائی کے دن مرحب سے مبازرت طلب کی اور اسکی طرف تلوار لے کے چلے تو ان کی اپنی تلوار انہیں لگ گئی۔ پس وہ بھی شہداء کے حکم سے خارج نہیں ہیں کیونکہ ان کا معاملہ اس بات کے مشابہ ہے کہ گویا انہیں کافروں نے ہی قتل کیا ہے۔

شہید کی ان تعریفات سے پتہ چلتا ہے کہ جمہور نے بخلاف احناف شہادت کی تحقیق میں قتل کے ید فاعل کا کوئی اعتبار نہیں کیا سوائے اس کے جو احناف نے کہا کہ شہید وہ ہے جسے مشرکین قتل کر دیں یا وہ معرکہ کے میدان میں مقتول پایا جائے۔ جبکہ ترجیح یہاں قولِ جمہور کی ہے اور احناف کے قول کا جواب یہ ہے جو کہ صحیحین میں **سلمہ بن الاکوع** رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم نبی ﷺ کی معیت میں خیبر کی طرف نکلے پھر انہوں نے ساری حدیث ذکر کی اور اس میں ہے کہ نبی ﷺ نے پوچھا یہ کون ہے؟ تو کہا گیا یہ عامر بن الاکوع ہیں رضی اللہ عنہ سلمہ رضی اللہ عنہ کے بھائی۔ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ اس پہ رحم کرے۔ تو قوم کہنے لگی اگر اللہ کے رسول اس پہ رحم کی دعا نہ کرتے تو اس پہ جہنم واجب ہو گئی تھی۔ پھر قوم نے اس کی وجہ بیان کی کہ عامر کی تلوار چھوٹی تھی تو

جب انہوں نے یہودی کی پنڈلی پہ مارنے کی کوشش کی تو ان کے اپنے پٹھوں پہ آ لگی اور وہ فوت ہو گئے۔ پھر جب مسلمان قافلہ واپس ہوا تو نبی ﷺ نے مجھے پریشان حال پایا تو آپ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑا اور فرمایا تجھے کیا ہوا میں نے کہا میرے ماں باپ آپ پہ قربان ہوں لوگ کہتے ہیں کہ عامر کے عمل ضائع ہو گئے۔ تو آپ نے فرمایا ایسا کس نے کہا؟ میں نے کہا فلاں، فلاں، فلاں اور اسید بن الحضیر نے تو نبی ﷺ نے فرمایا (**كذب من قاله ان له لاجرين وجمع بين اصبعيه انه لجاهد مجاهد**)اس نے جھوٹ بولا جس نے ایسا کہا کیونکہ اس کے لیے تو دوھرا اجر ہے کہ اس نے جہد بھی کیا اور وہ جہاد کرنے والا مجاہد بھی ہے۔

ابوداؤد نے اپنی سنن (2539) میں ابی سلام سے روایت کیا وہ نبی ﷺ کے ایک صحابی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہم نے جہینہ کے علاقے میں غزوہ کیا تو مسلمانوں کے ایک آدمی نے مبازرت طلب کی لیکن اسکی تلوار غلطی سے خود اسے لگ گئی تو نبی ﷺ نے فرمایا اے مسلمانوں اپنے بھائی کی خبر لو تو مسلمان اس کی طرف لپکے لیکن وہ مر چکا تھا۔ صحابہ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ کیا وہ شہید ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں اور میں (ﷺ) اس کا گواہ ہوں۔

ان دلائل سے واضح ہوا کہ مجاہد کے لیے ضروری نہیں کہ اسے شہید ہونے کے لیے دشمن کے ہی ہتھیار سے قتل ہونا پڑے بلکہ شہید تو وہ ہے جو صرف اس لیے لڑتا ہے تا کہ اللہ کا کلمہ سر بلند ہو جائے اور اس کے بعد وہ معرکہ کے میدان میں چاہے کسی بھی طریقہ سے قتل ہو جائے تو اس پہ شہید کا وصف منطبق ہو گا۔

جس نے استشہادی کارروائیوں کو جائز ٹھہرانے میں توقف کیا ہے اس کا شبہ یہ ہے کہ مجاہد نے اپنے نفس کو اپنے ہاتھ سے قتل کیا ہے پس یہ توقف اس کے لیے کافی نہیں رہتا۔ کیونکہ اگر اس کا توقف اسی لیے تھا تو اسے جاننا چاہیے اس شبہ کی شہادت کی تحقیق میں کوئی تاثیر نہیں ہے۔ پس شریعت ظاہراً ملتے جلتے معاملات پہ نیت

وارادہ کی بنا پہ حکم لگاتی ہے جیسا کہ محلل کا نکاح حرام ہے اور شرعی نکاح مباح ہے اور پہلے کے حرام ہونے کا سبب ہے محلل کا قصد اور وہ ہے تحلیل یعنی وہ قصد دونوں طرفین کا برابری پہ چاہے سراً ہو یا اعلانیہ ہو۔ پس نیت کا اثر اس عقد میں اسے باطل بنا دیتا ہے اور جب ایسی نیت ختم ہو جائے تو یہ شرعی نکاح ہے اور جائز ہے۔ اسی طرح لفظ، عرف اور اشارہ معاہدات میں موثر ہے۔ اگر ایک آدمی دوسرے سے ایک ہزار روپے لیتا ہے اور چاہتا ہے کہ جب اسے واپس کرے تو گیارہ سو روپیہ دے بنا پہلے سے طہ شدہ کسی اتفاق کے، تو یہ جائز ہے۔ لیکن اگر اس نے پہلے ہی اتفاق کر لیا یا کوئی اشارہ دیا یا اہل علاقہ کا رواج ہو کہ پیسہ اصل زر سے زیادہ لوٹایا جائے گا تو یہ سود ہے اور حرام ہے۔ اسی طرح ایک امام جو ریا کاری سے نماز پڑھاتا ہے اور اسکے پیچھے ایک مخلص نمازی ہے تو امام کی نماز باطل ہے اور مقتدی کی مقبول ہے۔ پس اس معاملہ میں عمدہ ترین بات اللہ کے رسول ﷺ کی ہے جیسے کہ صحیحین میں ہے (**انـمـا الاعـمـال بـالنیات و انما لکل امری ما نوی**) بے شک اعمال کا دارومدار نیتوں پہ ہے اور آدمی کے لیے وہی کچھ ہے جسکی وہ نیت کرتا ہے۔

پس احکام شرعیہ میں تغیر حکم کا انحصار نیت پہ ہے۔ مشابہ معاملات میں اس شخص کا مسئلہ بھی ہے جو کہ معرکہ میں قتل ہوا اور دوسرے مقتول کے ساتھ دونوں میں شارع نے فرق کیا ہے حالانکہ دونوں میں ظاہری تشابہ پایا جاتا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا جیسے کہ صحیحین میں ہے (**مـن قـاتـل لتکون کلمة اللّٰه ھی العلیا فھو فی سبیل اللّٰه**) جس نے اللہ کے کلمہ کی سربلندی کے لیے قتال کی تو یہی جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ اب اس میں اور دوسرے قول رسول ﷺ میں فرق ہے باجود اس کے اس میں بہت تشابہ ہے۔ جیسے کہ مسلم اور ترمذی نے ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے (**اول ثـلاثة تسـعر بھم النار فذکر منھم مجاھد وقال فیوتیٰ به فیعرف نعمة اللّٰـه فیـعرفھا فیقال ماذا فعلت فیقول قاتلت فیک فیقول کذبت بل**

قاتلت لیقال شجاع فیوخذ فیلقیٰ فی النار علی وجهه) کہ سب سے پہلے جن لوگوں کو تیزی سے آگ میں ڈالا جائے گا ان میں ریا کار مجاہد بھی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اس کو لایا جائے گا اور اسے اللہ کی نعمتیں یاد لائی جائیں گیں تو وہ ان کا اعتراف کرے گا پھر اسے کہا جائے گا کہ تو نے کیا کیا؟ تو وہ رب سے کہے گا میں نے تیری راہ میں قتال کیا تو کہا جائے گا تو جھوٹ بولتا ہے بلکہ تو نے اس لیے قتال کیا تا کہ تجھے بہادر کہا جائے۔ اسے پکڑ کے آگ میں ڈال دیا جائے گا۔ اب ان دونوں مسئلوں میں امور متشابہ ہیں کیونکہ ظاہراً دونوں نے ہی قتال فی سبیل اللہ کیا ہے لیکن باطن کی وجہ سے جو اختلاف رونما ہوا اس بنا پہ ایک جہنم اور دوسرا جنت میں پہنچ گیا۔

اسی طرح ظاہری طور پہ متشابہ معاملات کی تفریق احادیث میں وارد ہے جیسے کہ بخاری و مسلم نے سہل بن سعد سے ورایت کیا ہے کہ ایک غزوہ جس میں وہ شریک تھے نبی ﷺ نے فرمایا(**من احب ان ینظر الی الرجل من اهل النار فلینظر الی هذا**) جو کوئی کسی جہنمی کو دیکھنا چاہے تو وہ اسے کو دیکھ لے۔ تو قوم کا ایک آدمی اس کے پیچھے چلا اور وہ آدمی اسی حال پہ تھا اور وہ مشرکین کے اوپر بہت سخت تھا لیکن اس نے موت پہ جلدی کی اور اپنی تلوار اپنے سینے میں گھونپ دی جو اسکے کندھوں سے نکلی تو وہ آدمی دوڑ کے نبی ﷺ کے پاس آیا اور عرض کی میں گواہی دیتا ہوں آپ اللہ کے رسول ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا ہوا کہنے لگا میں نے فلاں آدمی سے کہا کہ جو کوئی کسی جہنمی آدمی کو دیکھنا چاہے تو وہ اسے کو دیکھ لے تو وہ آدمی مسلمانوں سے بہت غنی دکھائی دیتا تھا لیکن میں نے کہا کہ وہ اس حال پہ نہیں مرے گا تو جب وہ زخمی ہوا تو اس نے جلدی کرتے ہوئے اپنے نفس کو قتل کر دیا نبی ﷺ نے فرمایا کہ بے شک آدمی جہنمیوں کے جیسے اعمال کرتا ہے جبکہ وہ جنتیوں میں سے ہوتا ہے اور وہ جنتیوں کے سے اعمال کرتا ہے لیکن وہ جہنمیوں میں ہوتا ہے بے شک اعمال کا دارومدار ان کے خاتمہ پر ہے۔ اسی طرح کی ایک اور حدیث جو صحیحین میں ہے جسے ہم پیچھے ذکر

کر آئے ہیں کہ عامر بن الاکوع رضی اللہ عنہ کی تلوار لوٹ کے انہیں ہی آ لگی جس سے وہ قتل ہو گئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ شہید ہیں اور میں ان پہ گواہ ہوں۔ پس پہلا آدمی اپنی ہی تلوار سے معرکے کے میدان میں قتل ہوا تو اس پہ جہنم واجب ہوگئی اور دوسرا بھی معرکے کے میدان میں قتال ہوا اپنی ہی تلوار سے تو اس پہ جنت واجب ہوگئی۔

یہ مثالیں اس بات کی دلیل ہیں کہ شہید ہونے والے مجاہد کا شرعی حکم یدِ قاتل سے متغیر نہیں ہوتا اور نہ ہی اس آلہ سے جس سے وہ قتل ہوا جبکہ ایسے مقتول کی نیت خالص ہو اور وہ اللہ کی رضا اور اسکے کلمہ کی سربلندی چاہتا ہو۔ اسی لیے وہ آدمی جو بری نیت سے دشمن کے ہاتھوں قتل ہو جائے تو وہ آگ میں ہے اور دوسرا وہ جو اخلاصِ نیت کے ساتھ دشمن کے ہاتھوں قتل ہو جائے تو وہ شہید ہے۔ تیسرا آدمی کیونکہ ناامیدی میں تنگ آ کر اپنی جان ختم کر بیٹھا تو اس پہ آگ واجب ہوگئی۔ چوتھے نے اپنے نفس کو غلطی سے ختم کر ڈالا تو وہ جنت میں چلا گیا اور وہ جس نے دین کی مصلحت کے لیے اپنے ہی قتل میں اعانت کی جیسے کہ وہ بچہ تو وہ جنت میں ہے۔ یہاں تک ہم نے جو دلائل پیش کیے یہ متلاشیانِ حق کے لیے نصیحت و عبرت ہیں۔



فصل چہارم

خودکش کی تعریف

خودکش لغوی طور پر یہ ہے کہ اپنے نفس کو قتل کیا جائے جیسے کہ (**القاموس المحیط** 616) میں ہے۔ شرعی طور پر یہ کہ انسان اپنے نفس کو قتل کردے دنیا و مال کی حرص میں، یا غصے میں، ناامیدی اور مایوسی میں یا یہ کہا جاتا کہ ہر وہ قتل نفس جس کا محرک کوئی دینی جواز نہ ہو وہ خوکشی ہے۔

یہ ایسا عمل ہے کہ جس کے حرام ہونے کے بارے میں علما میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا کہ ایسا کرنے والا کبیرہ گناہ کا مرتکب اور آگ کا مستحق ہے یا ہمیشہ کے لیے یا کچھ عرصہ کے لیے۔ اللہ فرماتے ہیں (**ولا تقتلوا انفسکم ان اللہ کان بکم رحیما، ومن یفعل ذالک عدوانا وظلماً فسوف نصلیہ نارا و کان ذالک علی اللہ یسیراً**) اور اپنی جانوں کو قتل مت کرو بے شک اللہ تمہارے اوپر رحیم ہے اور جو کوئی ایسا کرے گا دشمنی وظلم کے ساتھ تو عنقریب ہم اسے آگ میں پہنچائیں گے اور یہ کام اللہ کو بہت آسان ہے۔ قرطبی اس آیت کی تفسیر (156/5) میں لکھتے ہیں کہ **اہل التاویل** کا اس بات پہ اتفاق ہے کہ اس آیت سے مراد بعض کے بعض کو قتل کرنے کی نہی ہے۔ اس کے ساتھ اس کے الفاظ اس شخص کو بھی داخل ہیں جو خود اپنے نفس کو قتل کر دیتا ہے دنیا و مال کی حرص میں، یا اس خاطر اپنے آپکو کسی مہلک خطرے میں ڈالتا ہے جو اسے ہلاک کردینے والا ہو۔ یہ بھی احتمال ہے کہ کہا جائے اپنی جانوں کو غصے میں اور مایوسی میں قتل نہ کرو۔ پس یہ سب نہی میں شامل ہے۔ اسی آیت کے ساتھ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے استدلال کیا تھا جب انہوں نے غزوۃ ذات السلاسل میں اپنے نفس کے خوف سے ٹھنڈے پانی سے غسل کرنے میں اجتناب برتا۔

نبی ﷺ نے ان کے اس عمل کو مقرر رکھا بلکہ آپ مسکرا دیئے اور انہیں کچھ نہ کہا۔

صحیحین میں جندب رضی اللہ عنہ بن عبداللہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا تم سے پہلی امتوں میں ایک شخص زخمی ہوا تو اسے بہت تکلیف ہوئی پھر اس نے اپنی ہی چھری کے ساتھ اپنا ہاتھ کاٹ ڈالا۔ جب خون نکلا تو وہ مر گیا۔ تو اللہ نے فرمایا میرے بندے نے اپنے نفس کو ختم کرنے میں میری طرف جلدی کی، میں نے اس پہ جنت حرام کر دی۔ پس اس آدمی نے زخم سے مایوسی لی اور تکلیف کو برداشت نہ کر سکا اور درد سے راہ فرار اختیار کی، نہ ہی صبر کیا تو اس کی جزا یہ ٹھہری کہ اللہ نے اس پہ جنت حرام کر دی۔ اس مسئلہ میں علما میں اختلاف ہے کہ یہ تحریم ہمیشہ کی ہے یا نہیں؟

اسی طرح صحیحین میں ہے(**الذی یخنق نفسه یخنقها فی النار والذی یطعن نفسه یطعنها فی النار**)جو اپنا گلا گھونٹتا ہے وہ اسے جہنم میں لے جاتا ہے اور جو اپنے نفس کو زخمی کرتا ہے وہ اسے جہنم میں لے جاتا ہے۔ اس معنی میں صحیح وصریح احادیث کثرت کے ساتھ وارد ہیں۔ بلکہ شریعت نے ہمیں ایسے کام سے بھی منع کیا ہے جو اس سے کم درجہ کا ہے۔ شریعت نے ہمیں منع کیا کہ کسی مصیبت پہ جو ہمیں پہنچے اس کے سبب موت کی تمنا کریں۔ پس جب موت کی تمنا کرنا ہی ممنوع ہے تو پھر نفس کو کسی ضرر کے سبب قتل کرنا کیسا ہے۔ صحیحین میں انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا(**لا یتمنین أحدکم الموت لضر اصابه فان کان ولا بد فاعلاً فلیقل: اللهم احینی ما کانت الحیاة خیراً لی و توفنی اذا کانت الوفاة خیراً لی**)تم میں سے کوئی بھی کسی ضرر کے سبب جو اسے پہنچا ہو موت کی تمنا نہ کرے لیکن اگر ایسا ناگزیر ہے تو پھر کہے اے اللہ جب تلک میرے لیے زندگی بہتر ہے تب تک مجھے زندہ رکھ اور جب موت میرے لیے بہتر ہو تو مجھے موت دے دے۔ اسی طرح امام بخاری رحمہ اللہ نے ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا(**لا یتمنین احدکم الموت اما محسنا**

فلعله یزداد واما مسیئا فلعله یستعتب) کوئی بھی تم میں سے موت کی تمنا نہ کرے ، ہوسکتا ہے کہ اگر وہ محسن ہے تو اس کے احسان کو اور زیادہ کیا جائے اور اگر برائی کا مرتکب ہے تو اس سے باز آ جائے۔ یہ تمام نصوص جو کسی ضرر یا مصیبت کے باعث قتل نفس کی حرمت یا موت کی تمنا کرنے کے باب میں وارد ہیں، ان کی حرمت دین کی مصلحت یا اللہ کے کلمہ کی سر بلندی کی خاطر نہیں ہے۔ پس ان عمومی نصوص کو ایسے شخص پہ وراد کرنا درست نہیں جو اکیلے دشمن پہ حملہ آور ہو اور اس کا عمل اس کے قتل کی بنیادی وجہ ہو۔ کیونکہ وہ ادلۃ جو دشمن کے اندر موت کے یقین کے ساتھ گھس جانے کو جائز ٹھہراتی ہیں جنہیں ہم نے بحث کے شروع میں وارد کیا ہے، یہ نصوص اس شخص کو جس نے یہ عمل اللہ کی رضا اور اس کے کلمہ کی سر بلندی کی خاطر کیا ہو خارج کر دیتی ہیں ان عمومی نصوص سے جو قتل نفس کی ممانعت میں وارد ہیں۔ پس اس سے واضح فرق قائم ہوتا ہے ایک خودکش میں اور اللہ کے کلمہ کی سر بلندی کی خاطر دشمن کے اندر گھسنے والے میں۔

اس لیے جو شخص اپنے آپ کو اللہ کے کلمہ کی سر بلندی کے لیے قتل کر دیتا، اور دشمن کے اندر تباہی پھیلاتا ہے اور انہیں دہشت زدہ کرتا ہے کیا ایسے شخص کو خودکش کہنا درست ہے (**سبحانک هذا بهتان عظیم**)۔ اس فصل میں ہمیں یہ اچھی طرح معلوم ہو گیا کہ جس شخص نے استشہادی کارروائیوں کو اس شبہ پہ ناجائز ٹھہرایا کہ فدائی خود اپنے آپ کو قتل کرتا ہے تو ہم نے یہاں تحریم قتل نفس اور موت کی تمنا کے ابواب میں جان لیا کہ اس کا یہ کہنا کس قدر ضعف رکھتا ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ جب اللہ عزوجل نے قتلِ نفس کو حرام ٹھہرایا تو یہ عدمِ صبر اور مصیبت کو برداشت نہ کرنے اور دنیا کی زندگی میں آخرت کے لیے ایثار نہ کرنے کا نتیجہ تھا۔ یہ سب ایمان کے نقص اور اس کی نفی کا نتیجہ ہے۔ لیکن فدائی کارروائی کو نافذ کرنے والے نے جب ایسا کیا تو کیا اس نے انہی مقاصد کے تحت کیا؟ یقینی طور پہ

نہیں بلکہ وہ تو اس عمل کی طرف اپنے ایمان بالغیب کی قوت، اللہ، اسکے رسول ﷺ کی محبت اور اس کے دین کے لیے گیا۔ جبکہ قتل نفس میں تحریم کی وجہ اس کا تقدیر پہ عدمِ ایمان اور اسکی نفی ہے۔ بچے کا قصہ (دلیل نمبر 4) وہ خود اپنا قاتل تھا لیکن شارع نے اس کے عمل کی تعریف کی کیونکہ اس نے ایسا فعل صرف اللہ کے ہاں موعود کی رغبت میں کیا اور ایسا عمل کسی ایسے بندے سے ہی صادر ہوتا ہے جو اللہ پہ ایمان رکھتا ہو۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے کسی ضرر کے سبب موت کی تمنا کرنے سے منع فرمایا جبکہ آپ نے خود اللہ کی راہ میں موت کی تین بار تمنا کی۔ تو ایسا کرنا جائز ٹھہرا کیونکہ آپ ﷺ کی تمنا کمالِ ایمان کے ساتھ تھی۔ اسی طرح صحیحین میں ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے (ان الرجل فی آخر الزمان یمر علی القبر فیقول یا لیتنی مکانہ) کہ آخر زمانہ میں ایک آدمی کسی قبر سے گذرے گا تو کہے گا کاش میں اس قبر والے کی جگہ ہوتا۔ پس موت کی ایسی تمنا ممدوح ہے کیونکہ ایسی تمنا صرف زمانے میں پیدا ہونے والے بگاڑ کے سبب آئی ہے۔ وہ اس بگاڑ کے سبب مایوس نہ تھا بلکہ اس کا دل ایمان سے بھرپور تھا تو اس نے موت کی تمنا کی تا کہ ایمان کی سلامتی پہ اس کا خاتمہ ہو۔ پس اس کے لیے ایسا کرنا جائز ٹھہرا اور یہ صورت نہی میں داخل نہ ہوگی جبکہ یہ امر صحابہ میں مشہور تھا۔ تحریم کے باب میں وارد احادیث بہت زیادہ ہیں اس لیے ہم اس کو طول نہ دیں گے۔

سابقہ بحث سے یہ بات واضح ہوئی کہ قتل نفس میں تحریم کا سبب فعل نہ تھا بلکہ فاعل کا فعل سے قبل عدمِ ایمان اور تقدیر کا نقص ہے۔ یہ نفیِ کمال ہو یا نفی بالکلیہ ہو۔ پس جب بھی ایسا ممنوع سبب زائل ہو جائے تو یہ فعل جائز ٹھہرے گا جبکہ وہ کسی مصلحت یا ضرورت کے لیے ہو۔ اس لیے ہر قتل نفس محرم نہیں ہے کیونکہ 'تحریم دل' کے عمل کے ساتھ معلق ہے اس لیے جس نے ایمان کی نفی کا تسبب بنایا تو اس کے لیے یہ فعل حرام ٹھہرا اور جس نے ایمان باللہ اور اس پہ یقین کو تسبب بنایا تو اس کا یہ عمل قابلِ

ستائش ہے اور اس پر وہ ماجور ہے۔

۞۞۞

فصل پنجم

خلاصہ بحث

◉ اس بحث کا خاتمہ یہ نکلا کہ استشہادی یا فدائی کارروائیاں مشروع ہیں اور ان کا فاعل قابل مدح وستائش ہے اور وہ ان لوگوں سے بہتر ہے کہ جنہیں دشمن نے میدان جنگ میں قتل کیا ہو کیونکہ شہداء کے درجات ہیں۔ پس جو کوئی پانی پلانے کے امور میں شہید ہو اس جیسا نہیں ہوسکتا جو مقدمۃ الجیش میں شہید ہو۔ نہ ہی وہ شخص جو دشمن کے اندر ننگے جسم گھس جاتا ہے اس کے برابر ہوسکتا جو اپنے نفس کو فدا کرتا ہے اور فدائی کارروائی کو نافذ کرتا ہے جرات کے ساتھ اور اللہ کے کلمہ کی سربلندی کی خاطر اپنے آپ کو پھاڑ دیتا ہے۔ پس ہر مجاہد کا درجہ اسکے جہاد وجہد کے مطابق ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو پھر کیا معنی ہے اس شخص کا کہ جو جابر سلطان کے سامنے کلمہ حق کہے اور کیا معنی ہے کہ وہ **سید الشہداء** ہو جنابِ اسد اللہ واسد رسولہ حمزہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ۔ جبکہ اس کو اس عمل میں اللہ کے علاوہ کسی کی مدد حاصل نہ تھی۔ اس نے ایسے خوف ومصیبت کو اپنے سر لیا کہ دوسرے مجاہدین اس کے متحمل نہ ہوسکے۔ پس سابقہ دلائل کے مطابق ہر مجاہد کا درجہ اس کے قتل ہونے کی کیفیت کے مطابق ہے۔

◉ پھر ہم نے یہ بیان کیا کہ استشہادی کارروائیوں میں ہمیں نقصان وخسارہ کم ہے، جیسے کہ اس دور میں ایسی کارروائیاں دشمن کے خلاف فعال ترین کردار ادا کر رہی ہیں۔ اس لیے ہمیں حرص ہوئی کہ ہم اس کو تفصیل کے ساتھ بیان کریں۔ ہم نے سنا جیسے کہ دوسروں نے سنا کہ الحمد للہ ہمارے دور کے اکثر علما ان کارروائیوں کو جائز ٹھہراتے ہیں۔ انہوں نے اپنے فلسطینی بھائیوں کے لیے اجتماعی وانفرادی فتاویٰ جاری کیے جب کہ صہیونیوں کے خلاف جدوجہد میں انہیں اس کی اشد حاجت تھی۔

ہماری اطلاع کے مطابق قریب 30 فتاویٰ جاری کیے گئے پس ہم اللہ کی تعریف کرتے ہیں کہ ہماری امت میں ایسے لوگ موجود ہیں جو دشمن کی تباہی کے لیے ایسے اسالیب کا فتویٰ دیتے ہیں۔

◉ پھر ہم یہ کہتے ہیں کہ استشہادی کارروائیاں دشمن پہ اکیلے حملہ آور ہونے کے جواز سے ماخوذ ہیں۔اس مسئلہ کے جواز وفضیلت میں علماء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے جبکہ یہ ادلتہ سے ثابت ہے۔دشمن پہ اکیلے حملہ آور ہونے اور ہلاکت کا غالب گمان ہونے سے جب یہ مسئلہ جائز ٹھہرا تو اس کی فرع استشہادی یا فدائی کارروائی کا مسئلہ بھی جائز ٹھہرا۔جیسے کہ اس کا کیا جانا جائز ہے جبکہ نیت خالص ہو کیونکہ مجاہد کی غرض شہادت ہے۔ ہمارے اس کو جائز ٹھہرانے کے قول سے افضل یہ قول ہے کہ یہ کارروائیاں اس وقت تک نہ کی جائیں جب تک اس میں درج ذیل امور موجود نہ ہوں۔

اولاً: اخلاص، اللہ کی رضا کی تلاش، اعلائے کلمۃ اللہ کا ارادہ، جہاد کے واجب کا قیام اور شہادت کی رغبت۔لیکن شرطِ اخلاص ہی وہ بنیادی اور اکیلی شرط ہے کہ جس کا اعتبار ہے اور جسکی عدم موجودگی میں عمل باطل ٹھہرے گا۔

ثانیاً: مجاہد کو یہ غالب گمان ہو کہ جو قتل اور تباہی وہ دشمن کے اندر پھیلائے گا وہ کسی اور طریقہ سے پھیلانا ممکن نہ ہو جس میں اس کی سلامتی کی بھی ضمانت ہو یا اس کے غالب گمان میں سلامتی ہو۔

ثالثاً: مجاہد کو یہ غالب گمان ہو کہ وہ اس کارروائی کے ذریعے دشمن کو رعب میں مبتلا کرے گا، اس کے اندر تباہی پھلائے گا اور مسلمانوں کو جرات دلائے گا۔

رابعاً: ایسی کاروائی کرنے سے پہلے مجاہد کے لیے جنگی امور کے متلعقہ ماہرین سے مشورہ کرنا ضروری ہے خاص طور پہ اپنے امیرِ حرب سے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ مجاہدین کو اس سے نقصان پہنچے کیونکہ اس کی تیاری انہوں نے طویل عرصہ سے کر رکھی ہو اور دشمن کو اس بات کی خبر ہو۔

خامساً: اس قسم کی کاروائی کوصرف جنگ کی صورتِ حال میں ہی اختیار کیا جا سکتا ہے کیونکہ ان کے ذریعے ہی مجاہدین کی مصالح کا دفاع ہوتا ہے اور مفسد دشمن کو روکا جاتا ہے۔لیکن جب ایسی جنگ کا اعلان نہ ہو چکا ہوتو پھر اس قسم کی کارروائی کا نقصان مسلمانوں پہ اس کے نفع سے بڑھ کے ہو گا۔ ایسی صورت میں اس کا ترک کرنا واجب ہو گا۔

- ایسا شخص جس کے اندر سوائے اخلاص کے کوئی دوسری شرط موجود نہیں تو اس کا عمل جائز ہے لیکن جس نے ان شروط کا کمال کیا ہے اس کا عمل اس سے افضل ہے۔ یہ شروط جو ہم نے یہاں ذکر کی ہیں یہ اس عمل کی تکمیل کے لیے ہیں تا کہ عمل اپنے بہترین حال پہ سرانجام پائے۔لیکن ایسا شخص جس کے اندر صرف اخلاص اور دشمن کی تباہی کی نیت ہو تو اس کا مطلب ہرگز نہیں کہ اس کا عمل ضائع ہو گیا اور وہ شہید نہیں ہے۔

- علمانے دشمن پہ اکیلے حملہ آور کے مسئلہ میں غلبہِ ظن پہ حکم لگایا ہے۔پس جس کسی کے گمان ہو کہ وہ قتل ہو جائے گا تو گویا کہ اسے یقین ہے اور دونوں کا حکم ایک ہی ہے۔اس لیے اس مسئلہ میں ان کے نزدیک غلبۂ ظن اور یقین میں کچھ فرق نہیں۔

- جیسے کہ ہم نے اس بحث میں بیان کیا کہ جس نے اپنے قتل میں اعانت کی تو گویا اس نے خود اپنے نفس کو قتل کیا۔اسی طرح وہ جو اپنے نفس پہ مدد کرتا ہے جب وہ دشمن کے اندر گھس جاتا ہے ننگے جسم اور موت کے یقین کے ساتھ، پس اگر اس کا یہ فعل غیر جہاد میں ہو تو جمہور علما اسے خودکشی خیال کریں گے کیونکہ قاتل اور قتل میں اس کا معاون دونوں کا حکم برابر ہے۔ پھر کوئی فرق نہیں ہے اس میں جو دشمن کے اندر گھس جائے اور جو فدائی کارروائی کر کے دشمن کی اپنے قتل پہ مدد کرے،تو دونوں کا جرم برابر ہے۔لیکن جب تک ان دونوں کا عمل جہاد فی سبیل اللہ میں ہے تو ان کے اس فعل پہ اللہ خوش ہو گا اور ان سے راضی ہو گا (ان شاء اللہ)۔

- پھر ہم نے اس بحث میں یہ بھی بیان کیا کہ مجاہد کا قتل کرنے والے ہاتھ کا کوئی

اعتبار نہیں چاہے اس نے اپنے آپ کو بارود پھاڑ کے ہلاک کیا ہو یا اس کا اپنا اسلحہ اس پہ لوٹ آیا ہو، یا مسلمانوں نے اسے غلطی سے مار ڈالا ہو یا اسے تترس میں ضرورت کے تحت قتل کیا ہو یا اس نے خود دشمن کو اپنے قتل کا طریقہ بتایا ہو یا اس کا اشارہ دیا ہو دین کی مصلحت کی خاطر جیسے کہ بچے کے قصے میں ہے یا ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے قصہ میں یہ ساری صورتیں باہم متشابہ ہیں اور ان کا کرنے والا شہید ہے۔ اس لیے جن لوگوں نے ید قاتل کا اعتبار کرتے ہوئے ان کارروائیوں کے جواز سے توقف کیا ہے، تو اس کا کوئی اعتبار نہیں۔ اسی طرح ان فدائی کارروائیوں میں بھی ید قاتل کا کوئی اعتبار نہیں بلکہ وہ جائز ہیں اور ہوسکتا ہے بعض مواقع پہ واجب بھی ہوں۔ ان کارروائیوں کا حکم دوسرے مسائل کی طرح اپنے قیام کی حالت اور حالات و آثار کے مطابق پانچ احکامِ تکلیفیہ کے درمیان متردد ہے۔

◉ جب معاملہ ایسا ہے تو ہم نے بحث میں یہ بھی بیان کیا ہے کہ ہر قتل نفس حرام نہیں ہے اور یہ کہ قتل نفس کی تحریم قتل بالذات کے ساتھ معلق نہیں ہے بلکہ وہ اس کی طرف لے جانے والا اسلوب کی طرف معلق ہے۔ پس جس نے اپنے ایمان کی کمزوری کے باعث اپنے نفس کو قتل کیا تو وہ خودکش ہے۔

جس نے اپنے نفس کو ایمان کی قوت کے باعث قتل کیا، دین پہ فدا ہوتے ہوئے، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں، تو ایسا شخص مامور بہ کام سرانجام دے رہا ہے جیسے کہ وہ بچہ جب اس نے اپنے نفس کو قتل کیا۔ پس قتل نفس کی تحریم سے یہ فرق واضح ہوتا ہے اور اس بندے کے شبہ کا ضعف ظاہر ہو جاتا ہے جس نے ان کارروائیوں کے عدم جواز کا کہا اس سبب سے کہ مجاہد فدائی کارروائی میں خود اپنے آپ کو قتل کرتا ہے۔ جس نے اس وجہ کو جان لیا تو اس پہ اس مسئلہ کی فہم آسان ہو جائے گی اور وہ اس کے جواز کا قائل ہو جائے گا۔

﷽ ﷽ ﷽

خاتمہ!

اس بحث کے اختتام پہ ہم کہتے ہیں کہ استشہادی کارروائیوں کا مسئلہ اس سے زیادہ شرح وبسط کا محتاج ہے لیکن ہم اللہ سے دعا گو ہیں کہ اس بحث سے اس عمل کے شرعی حکم کے بیان میں مدد دے اور اسے کافی بنادے۔ پس اگر ہم نے صحیح بات کی تو یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر غلط کہی تو ہر بنی آدم خطا کار ہے اور ہمارے لیے تو صرف مسئلہ کو نصوص پہ وارد کرنا ہے۔ پس جس کے پاس علم ہو اور وہ اس سے ہمارے اس رستہ کو بند کرنا چاہے تو وہ اس معاملے میں ہم پہ بخل نہ کرے۔ لیکن اگر اس کے پاس ایسا علم نہیں کہ ہمیں محروم کر سکے تو ہم اس کا معاملہ اللہ کے سامنے رکھتے ہیں اور اسی سے مدد طلب کرتے ہیں۔ ہم لوگوں میں علماء کے اجتہادات کے سب سے زیادہ محتاج ہیں اور سب سے زیادہ اس کا فائدہ اٹھانے والے ہیں۔ کتنے ہی عظیم مصائب ایسے ہیں کہ جن کے متعلق اس بات کی شدید حاجت پائی جاتی ہے کہ مجتہدین کے گروہ اس کے متعلق فتاویٰ صادر کریں اور ہمیں ایسے مسائل کے متعلق اپنی آراء سے نوازیں تا کہ ہم اس کے ذریعے ہدایت کی راہ پہ چلیں۔ ہم ان کی ایسی مدد کے شدید محتاج ہیں۔ لیکن اگر مسلمانوں نے ہمارے معاملے میں دعا کے بارے میں بھی بخل کیا تو ہمیں چیچنیا کے مظلوموں کی دعائیں کافی ہیں۔ اگر مسلمانوں نے ہم سے اپنے اموال کے بارے مین بھی بخل سے کام لیا تو اللہ تعالیٰ ہمیں دشمن کے ہاتھوں اسلحہ اور مال بھی عطاء کر دے گا۔ لیکن علما اور طلاب العلم جب اپنے علم کے ساتھ ہماری ہدایت کے معاملے میں بخل کریں گے اور ہمیں اپنی آراء کے ساتھ نہ نوازیں گے تو ہم خیر عظیم سے محروم ہو جائیں گے اور ہمارے لیے کوئی جگہ نہ ہوگی جہاں ہم اس کا متبادل پالیں۔ پس علم ایک نایاب جنس ہے تو اگر اس کے اہل اس معاملے میں بخل کریں گے تو پھر ہمارے لیے ان کی رائے کے بغیر کوئی خیر نہیں۔ پس ہمارے بارے میں اللہ سے ڈرو ہمارا بوجھ تمہاری گردنوں پر ہے۔ اے اللہ کیا ہم نے پہنچا دیا...... اے اللہ تو گواہ رہنا!

اللہ اللہ اللہ

هذی بساتين الجنان تزينت		للخاطبين فأين من يرتاد

یہ جنت کے باغ سجا دیئے گئے ہیں تو کہاں ہیں اس کے متلاشی؟

يا ويحنا ماذا أصاب رجالنا		اومالنا سعدؓ ولا مقدادؓ

ہائے افسوس ہمارے شہسواروں کو کیا ہو گیا کہ آج ہم میں کوئی مقدادؓ وسعدؓ نہیں۔

هذی بساتين الجنان تزينت		ارق يذيب قلوبنا وسهاد

یہ جنت کے باغ سجا دیئے گئے ہیں کیا دل اب بھی اس کے لیے نرم نہ ہوں گے۔

سلت سوف المعتدين و عربدت		وسيوفنا ضاقت بها الاغمادُ

نافرمانوں نے تلواریں سونت لیں اور ہماری تلواریں ہیں کہ میانوں میں پھنسی ہیں۔

اهو القنوط يهد ركن عزيمتی		وبه ظلم مخاوفنی تزدادُ

کیا مایوسی کی وجہ سے میری عزیمت کمزور پڑ گئی یا پھر ظلم میرے خوف کو بڑھا رہا ہے۔

يا ليل امتنا الطويل متی نری		فجراً تغرد فوقه الامجاد

اے ہماری امت کی طویل رات کب ہم ایسی صبح دیکھیں گے کہ جسمیں فتح کے ترانے سنائی دیں گے۔

اجدادنا كتبوا مآثر عزها		فمحا مآثر عزها الاحفادُ

ہمارے اجداد نے عزت کی تاریخ رقم کی لیکن ان کے پچھلوں نے اسے مٹا دیا۔

ترعیٰ حماها كل سائبة و فی		تمزيقها يجتمع الاضدادُ

ہر بت پرست ان پہ حکومت کرتا ہے اور ان کے افتراق میں مخالفتیں جمع ہیں۔

تصغیٰ لاغنية الهویٰ فنها رها		نوم ثقيل والمساء سيفادُ

اس کے کان خواہشوں کے گانوں پہ لگے ہیں، دن گہری نیند میں اور راتیں بیتتی جا رہی ہیں۔

دعنا نسافر فی دروب ابائنا		ولنا من الهمم العظیمة زادُ

ہمیں اپنی بلندی کی طرف سفر کرنے دو جبکہ عظیم ہمتیں ہمارے لیے زادِراہ ہیں۔

میعاد نا النصر المبین فان یکن		موت فعند الهنا المیعاد

ہماری منزل فتحِ مبین ہے پس اگر ہمیں موت آجائے تو رب کے پاس ہمارا ٹھکانہ ہے۔

دعنا نمت حتی ننال شهادة		فالموت فی درب الهدیٰ میلاد

ہمیں مر جانے دو تا کہ ہم شہادت پا لیں کہ ہدایت کے رستے میں موت ایک نیا جنم ہے۔

❁ ❁ ❁

حوا برایف رحمہا اللہ

اپنے زمانے کی عورتوں کی سردار شہیدہ (انشاءاللہ)

وہ نوجوان لڑکی جس نے ابھی اپنی جوانی کی بہاریں بھی نہ دیکھیں تھیں کہ اس کے غم دوگنا ہوگئے جب دشمن اس کی سرزمین میں گھس آیا اور اس کے باسیوں کو رسوا کرنے لگا......تو وہ اپنی پوری توانائیوں کے ساتھ مجاہدین کی مدد کرنے لگی تاکہ اس مفسد دشمن کو دفع کرسکے......لیکن جب اسے دشمن کے اندر تباہی پھیلانے کے لیے اپنے آپ کو بارود سے پھاڑنے کے جواز کے متعلق پتہ چلا......تو وہ خیال کرنے لگی کہ وہی اس کام کی سب سے زیادہ حق دار ہے کوئی اور نہیں......تو اس نے اپنی تیاری کی اور خوب محنت کی تاکہ وہ اس کارروائی کے ذریعے اپنی دیرینہ خواہش کو پورا کرسکے...... اس کے چچا کا بیٹا عربی برایف رحمہ اللہ (جو کہ میدانِ جہاد کا ایک اعلیٰ قائد تھا) ان ساری تیاریوں میں اس کا معاون تھا......خود حوا نے اسے کہا کہ اسے اس کارروائی کے لیے تیار کرے...... تاکہ دشمن کے اندر تباہی پھیلانے کی خاطر وہ اپنے نفس کو فدا کرسکے......اس کے بار بار اصرار کرنے پر وہ راضی ہوگیا اور اس نے حوا کے لیے ایک ٹرک تیار کیا جو بارود سے بھرا ہوا تھا...... پھر اس نے اسے اس کارروائی کو نافذ کرنے کی تربیت دی......اور جب اس کی اللہ کے ساتھ ملاقات کا وقت آیا......حوّا نے اپنی فرض نماز ادا کی اور پھر قرآن کی تلاوت کی...... پھر اس نے اپنے والدین اور رشتہ داروں سے الوداعی ملاقات کی ...... یہ ایک ایسا منظر تھا جو بڑے بڑے جگرے والے مردوں پتہ پانی کردیتا......پھر وہ ٹرک پر سوار ہوئی اور اسے دشمن کے مرکزی کیمپ میں لے گئی......اس نے لمحے بھر میں دشمن کو پھاڑ ڈالا اور اسے موت کی نیند سلا دیا......جبکہ وہ خود شہادت پاکر اپنے رب سے ملاقات کی طرف لپکی......**ولا نزکی علی الله احداً.**

عزم وہمت کی ایسی داستان جو قربانی اور جہد سے لبریز ہے......جس کے سامنے مردوں کی ہمتیں بھی کم پڑ گئیں......اللہ کی تجھ پہ رحمت ہو اے حوا کی بیٹی......تو نے اپنی ہمعصر عورتوں کے لیے کیا چھوڑا......وہ بھی تو تیرے جیسی نوجوان لڑکیاں تھیں ......لیکن حوا نے تو اللہ اور اسکے رسول ﷺ کی محبت میں جہاد کا رستہ اپنایا ...... اپنا مقدس خون اس قدر سستا کردیا......تجھے اللہ کی جنتوں کا بسیرا مبارک ہو۔(انشاء اللہ)



استشہادی عملیات کی مشروعیت پہ واضح دلائل

تألیف:

ڈاکٹر احمد عبد الکریم نجیب (حفظہ اللہ تعالیٰ)

استاذ الحدیث النبوی وعلومه بكلية الدراسات الاسلاميه (سرائیوو۔ بوسنیا)

والاكاديمية اسلاميا (زينتسا) و مدرس العلوم الشرعيه فی معهد قطر الدينی (سابقہ)

ترجمہ:

ابو محمد عمر الخطاب البدری (حفظہ اللہ تعالیٰ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ان الحمد للّٰہ نحمدہ ونستعینه ونستغفرہ ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا، ومن سیئات اعمالنا، من یھد ہ اللّٰہ فلا مضل له ومن یضلل فلا ھادی له. واشھد ان لاالہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریک له واشھد ان محمداً عبدہ ورسوله.

(یاایھاالذین امنوا اتقوا اللّٰہ حق تقاته ولا تموتن الا وانتم مسلمون) (آل عمران: 102)یا ایھا االناس اتقوا ربکم الذین خلقکم من نفس واحدہ و خلق منھا زوجھا وبث منھما رجالاً کثیرا ونسآء واتقوا اللّٰہ الذی تسآء لون به والارحام ان اللّٰہ کان علیکم رقیبا) (النسآ: 1)(یا ایھا الذین امنوا اتقوا اللّٰہ و قولوا قولاً سدیداً. یصلح لکم اعمالکم و یغفر لکم ذنوبکم ومن یطع اللّٰہ و رسوله فقد فاز فوزاً و عظیماً). (الاحزاب71-70)

امابعد! ہرآنے والے دن میں امت کی عزت وشرف میں داغ لگ رہے ہیں اوراس کے بیٹوں کے خون جائز، اسکے گھر اوراسکی عزتوں کومباح کرلیا گیاہے۔آج تمام امم کفر ہرروز ایک نیاروپ دھارے، اپنے نیزوں کارخ ہمارے سینوں کی طرف کرکے چڑھے آرہی ہےاور ہمارے خون سے ہولی کھیل رہی ہےاور ہم ہیں کہ ایسے شکار کی مانند ہیں جس کا کوئی اختیارنہیں اورایسی مدہوشی میں ہیں جہاں کوئی قرارنہیں۔

یہ القدس اوراس کے باسیوں کی چیخ وپکارہمیں سنائی دیتی ہے جن کے دلوں میں حسرتوں کے چراغ ٹمٹمارہے ہیں اورکلمات ہیں کہ انکے حلق میں اٹک جاتے ہیں تو وہ اپنے آنسو بہاکے خاموش ہوجاتے ہیں۔ان کا کل اورآج ایک انجانے لمحہ کے

خوف میں صبح شام روتے ہوئے گذر جاتا ہے۔

حتام یا قدساہ جرحک ینزف　　　والالام یرشف من دمائک الاسقف

خمسون عاماً قد مضین و نیف　　　والعرب صرعیٰ والمدافع تقصف

اے قدس کب تلک تیرے زخموں سے خون بہے گا اور کب تلک یہ خونریزی جاری رہے گی۔

پچاس سال گذر گئے کہ عرب آپس میں لڑ رہے ہیں اور توپیں گولے برسا رہی ہیں۔

بے شک اللہ عزوجل نے اس امت پہ جہاد فرض کیا ہے اور اس کو فرضِ عین یا کفایہ بنایا ہے جو قیامت تک جاری ہے ہر نیک و بد کی معیت میں تا کہ اللہ کا کلمہ بلند ہو جائے اور کلمہ کفر زیر ہو جائے۔ آج سب سے اہم آزمائش جس کے ساتھ امت مسلمہ مبتلا ہے وہ ہے اس امت سے دو اہم ترین فریضوں کا غائب ہونا۔ ان کے گم ہو جانے کے سبب امت ذلت و رسوائی کی اتھاہ گہرائیوں میں چلی گئی ہے اور ساری قومیں اس پہ اس طرح ٹوٹ پڑی ہیں جس طرح بھوکے دستر خوان پہ ٹوٹ پڑتے ہیں اور یہ دو فریضہ ہائے متروکہ و مرحومہ ہیں۔

(۱) امامِ عادل کی بطورِ خلیفہ تنصیب (یعنی خلافت کی بحالی)
(۲) شہروں اور انسانوں کے دلوں کی فتح کے لیے جہاد فی سبیل اللہ کا جاری کرنا اور اہلِ کفر و الحاد کی تباہی و خوں ریزی!

کسی بھی شہر یا بستی میں جہاد فرضِ عین نہیں ہوتا مگر مسلمان علاقوں سے نوجوان مسلمان اس بستی کے باسیوں کی مدد کے لیے ہلکے ہوں یا بھاری نکل کھڑے ہوتے ہیں اور اپنے مسلمان بھائیوں کو دشمن کی تباہ کاریوں سے بچاتے ہیں اور ان کے ساتھ مسلمانوں کی عزتوں کو بچانے کے شرف میں شریک ہوتے ہیں اور دشمن کے اندر خوب خونریزی کرتے ہیں۔ ان میں سے کئی ایسے ہیں جنھوں اپنے اللہ سے کیا ہوا

وعدہ پورا کر دیا ہے اور کئی ایسے ہیں جو ابھی تلک انتظار میں ہیں اور انہوں نے اپنے عہد کو ذرا بھی تبدیل نہیں کیا اور وہ اسی انتظار میں فلسطین، افغانستان، شیشان، فلپائن، صومالیہ، بوسنیا وغیرہ کے محاذوں پہ بیٹھے ہیں۔

مسلمان کی اصل تو یہ ہے کہ اگر وہ میدانی معرکہ میں شرکت کا شرف کسی جائز شرعی عذر کی بنا پہ حاصل نہ کر سکے تو وہ کبھی بھی اپنے نفس کو جہاد کی تڑپ سے خالی نہیں کرتا بلکہ اس کے لیے ہر لمحہ عدۃ وعتاد کو مہیا رکھتا ہے اور ہر لمحہ شہادت فی سبیل اللہ کی اطلاع رکھتا ہے۔ابوداؤد نے باسناد صحیح ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا(**من مات ولم یغز ولم یحدث نفسه بالغزو مات علیٰ شعبة من النفاق**)جوکوئی اس حالت میں مرا کہ اس نے نہ تو جہاد کیا اور نہ ہی کبھی اسنے اپنے نفس کو جہاد پہ ابھارا وہ منافقت کی ایک حالت پہ مرا۔ایسے کام پہ جوکوئی بھی ہمیشگی اختیار کرتا ہے تو وہ اپنی سعی میں وسعت اختیار کرتا ہے یہاں تک کہ اپنی مراد کو پالیتا ہے بلکہ شہادت کی اطلاع ومحبت اسے اس راہ پہ لگا دیتی ہے یہاں تک کہ وہ کسی ایسی کارروائی میں اپنی جان کھپا دیتا ہے تا کہ شہادت کے اعلیٰ مراتب کو حاصل کر سکے اور اپنے رب کی ملاقات کی اعلیٰ خواہش کو پورا کر سکے۔شیخان، ترمذی، نسائی اور احمد نے عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا(**من احب لقاء الله احب الله لقائه ومن کره لقاء الله کره الله لقائه**)جس نے اللہ سے ملاقات کو پسند کیا اللہ بھی اس سے ملاقات کو پسند کرتا ہے اور جوکوئی اللہ سے ملاقات کو ناپسند کرتا اللہ بھی اس سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہے۔اللہ اپنے وعدہ کے خلاف کبھی نہیں کرتا اور نہ ہی ایسے بندے کی ملاقات کو ناپسند کرتا ہے جس نے اپنی جان کو اس کی راہ میں لٹا دیا ہو۔

پس انسان کو دیکھنا چاہیے کہ جو جہاد میں شرکت سے محروم رہ گیا ہے وہ اس فرصت کو آئندہ جہاد میں پالے کیونکہ باوجود انکار کے جہاد تو جاری ہے اور بہت ضروری ولازمی ہے چاہے اس نے سابقہ کس قدر ہی نیکیاں کی ہوں۔آج بھی مشرق

ومغرب میں مسلمانوں کے زخموں سے خون رس رہا ہے۔ ابھی ایک زخم کا مداوا نہیں ہو پاتا کہ ایک اور محاذ اپنی تباہ کاریوں کے ساتھ یہاں اور وہاں کھل جاتا ہے۔ تو دیکھنے والا دیکھتا ہے کہ ایسے ہر محاذ کی طرف وہ نوجوان لپکتے ہیں جنھوں اپنی جانوں کو اللہ کے ہاں جنت کے بدلے گروی رکھ دیا ہے۔ وہ نوجوان جنہوں نے قربانی اور جہاد کی حلاوت کو چکھا ہوتا ہے تو وہ جہاد کے میدانوں میں اپنے قدم غبار آلود کرتے اور اپنی جبینوں کو خاک آلود کرتے ہیں۔ یہ ایسے نوجوان ہیں جو اس کام میں طاغوتوں اور فراعنہ کی کسی بھی رکاوٹ کو خاطر میں نہیں لاتے اور نہ ہی بعض نام نہاد علماءسو کی دسیسہ کاریوں کی پرواہ کرتے ہیں۔

بلکہ آپ ایسے نوجوانوں کو دیکھیں گے کہ وہ راتوں کو عبادت میں مشغول اور دن کو میدان کے شہسوار ہوتے ہیں۔ وہ باطل کی بیخ کنی کرتے ہیں اور اہل کفر سے چیخ چیخ کر کہہ رہے ہوتے ہیں **(هل تربصون بنا الا احدى الحسنيين ونحن نتربص بكم ان يصيبكم الله بعذاب من عنده او بايدينا فتربصوا انا معكم متربصون)** تم ہمارے بارے میں دو بھلائیوں میں سے ایک کا انتظار کرو ہم تمہارے بارے میں منتظر ہیں کہ اللہ تمہیں اپنی طرف سے یا ہمارے ہاتھوں عذاب دے پس تم خاطر جمع رکھو ہم بھی تمہارے ساتھ انتظار میں ہیں (التوبہ 52)۔

جب پیچھے بیٹھ رہنے والے دنیا کی زندگی پہ تکیہ کیے بیٹھے ہوتے ہیں اور دیارِ کفر میں اپنے کندھوں اور قدموں کے ساتھ رزق کے دروازوں اور اس کے اسباب کی طرف جمع ہوتے ہیں تو ایسے میں تو دیکھے گا محاذوں والے لوگ سب سے زیادہ اطمینان والے اور ایمان وتسلیم کی اعلیٰ بلندیوں پہ فائز ہوتے ہیں اور رباطِ فی سبیل اللہ کی حلاوت کا مزہ چکھ رہے ہوتے ہیں۔ ایسے لوگ زندگی کو بنا کسی تکلف کے گذارتے ہیں اور اسی قدر دنیا پہ راضی ہوتے ہیں جو انہیں نیزوں کے سائے تلے میسر ہوتی ہے۔ وہ اسی میں مگن خیر البشر وامیر الفتح ﷺ کی راہ پہ چلتے رہتے ہیں کہ جنہوں نے فرمایا،

جسے بخاری نے معلقاً روایت کیا اور احمد نے باسناد صحیح کے ساتھ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا (**جعل رزقی تحت ظلِ رمحی، وجعل الذلة والصغار علی من خالف امری**) میرا رزق میرے نیزے کے سائے میں لکھ دیا گیا ہے اور اس بندے کے لیے ذلت رکھ دی گئی ہے جو میرے حکم کی مخالفت کرے گا۔ پس خوشخبری و بشارت ہے اس شخص کے لیے جس نے اس پہ بیعت کی یا کسی ایسے شخص کی بیعت کی جس نے اس سے ایسی بیعت لی۔ بخاری و مسلم میں ثابت ہے اور نسائی، ترمذی، اور مسند احمد میں ہے کہ یزید بن ابی عبید رضی اللہ عنہ نے سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ سے سوال کیا (**علی ای شیء بایعتم رسول ﷺ یوم الحدیبیة؟ قال علی الموت**) کہ تم لوگوں نے حدیبیہ کے دن نبی ﷺ کے ھاتھ مبارک پہ کس چیز کی بیعت کی تھی؟ کہا ''موت'' پہ۔

کیا ہی اچھی بیعت ہے اور کیا ہی اچھی موت. جن لوگوں نے ایسی بیعت کی وہ دوسروں کو فتح کا یقین دلاتے ہیں اور اپنے نفس کو شہادت کی امید۔ وہ آپ ﷺ کے ہاتھ پے صبر کی بیعت کرتے، تو نہ انہیں مصیبتوں کا بڑا ہونا گراں گزرتا اور نہ ہی وہ دہشت وخوف سے اپنے پایہ استقلال میں کمی آنے دیتے تھے چاہے ان کے پیروں تک خون بہ جائے اور اعضاء بکھر جاہیں مگر جب تلک یہ سب کچھ فی سبیل اللہ ہے تو ان کو اپنے رب کی رضا میں کسی بھی چیز کی پرواہ نہیں. جیسے کہ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے سولی پے چڑھتے ہوئے کہا تھا.

و لست أبا لی حین ا قتل مسلماً		علی ای شق کان فی اللہ مصرعی
و ذالک فی ذات الا لہ و ان یشاء		یبارک علی او صال شلو مزع

جب میں حالت ایمان میں قتل ہو رہا ہوں تو مجھے اس بات کی کوئی پرواہ نہیں کہ میری لاش کس کروٹ پے گرتی ہے۔

میں اللہ کی راہ میں مارا جا رہا ہوں اب یہ اسکی مرضی ہے کہ میری لاش کے

ٹکڑوں پہ برکت نازل کرے۔

اللہ فرماتے ہیں(**ان اللّٰہ اشتری من ا لمومنین ا نفسھم و امو ا لھم بـا ن لھم ا لجنة یقاتلون فی سیبل اللّٰہ فیقتلون و یقتلون**)بے شک اللہ نے مومنوں کی جانیں ان کے اموال اور جنت کے بدلے خرید لیں ہیں وہ اللہ کی راہ میں قتال کرتے ہیں اور قتل ہوتے ہیں (التوبہ.١١١)۔تو اس میں کوئی فرق نہیں کوئی اپنی جان بیچ کر گولیوں کا سامنا کرتے ہوئے شہید ہوتا ہے یا وہ جمگھٹے میں شہید ہوتا ہے جہاں لاشے بکھر جائیں اور ہر عضو کٹ کے گر جائے. کیونکہ شہادت کا ذائقہ ایک ہی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں.(**ما یجد ا لشھید مـن مس ا لقتل ا لا کما یجد ا حد کم من مس ا لقر صة**)شہید کو قتل ہوتے ہوئے اتنی ہی تکلیف ہوتی ہے جتنی تم میں سے کسی کو سوئی چبھنے پر(**الــنـســائـی. ابـن مـاجه. مسند احمد .دارمی**)۔مگر جن لوگوں نے شہید سے بیعت لی ہوتی ہے اور اس کے پیچھے رہ جاتے ہیں وہ اس کے فراق میں افسردہ ہو جاتے ہیں حزن وملال میں رو تے ہیں اور ان کے درمیان شہید کی عدم موجودگی تکلیف دہ ہوتی ہے. مگر ہمیں برا لگتا ہے جب ہم ان اعمال کی مشروعیۃ کو مشکوک بنانے کی آوازیں سنتے ہیں جو لوگوں کو شہید کے ہدف پے پہنچے سے روکتی ہیں اور انکی طرف سے یہ دعوی کیا جاتا ہے کہ یہ عمل خودکشی ہے یہ(Suiscide Bomber)ہے اور اس کی موت جاہلیت کی موت ہے۔

تشکیک کے اس عمل نے ہمیں ابھارا کہ ہم 'استشہادی عملیات' کی شرعی حیثیت پے بحث لکھیں تاکہ مظلوم کی مدد ہو اور حق واضح ہو اور جس نے اپنا خون بہا دیا اور اپنی روح کو اللہ کی راہ میں اس قدر ارزاں کر دیا کہ وہ اپنی موعود منزل کو پالے اور تاکہ اس کو اس کا صحیح مقام دیا جائے اور اس بحث کو ہم نے دو فصول میں تقسیم کیا ہے۔

ا۔فدائی مشن کی تعریف:

العلميات الا ستشهادية:ایک مرکب اصطلاح ہے۔العملیات،عملیۃ کی جمع ہے۔جو لفظ عمل سے مشتق ہے جو کسی بھی کیے جانے والے فعل کی دلالت کرتی ہے اوراس کا اطلاق ان تمام اعمال پے ہوتا ہے جو خاص اثر رکھتے ہیں جیسے کہ کہا جاتا ہے (**عملية جر احية**)جراحی کا عمل یا(**عملية حربية**)جنگی عمل۔(ملاحظہ ہو **المعجم ا لو سيط مادة عمل**)۔**ا لعملية**:مصدر صناعی ہے جو کہ خاص معنی پے دلالت کرتا ہے اوراس میں،ی،اور،ۃ،مربوطہ کا اضافہ نہ ہوتا تو ایسے معنی ہرگز نہ دیتا.العملیۃ اور عمل میں وہی فرق ہے جو،انسان،اور،انسانیہ،میں ہے حرب اور حربیۃ میں اور حکم اور حاکمیۃ وغیرہ میں۔الاستشہاد،کا معنی ہے شہادۃ کا طلب کرنا اور اللہ کی راہ میں قتل ہونا ہے۔

صحیح مسلم میں ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ اس شخص کے بارے میں جو شجاعت کے لیے،قومی تعصب کے لیے یا ریا کاری کے لیے لڑتا ہے تو کون اللہ کی راہ میں ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا(**من قاتل لتكون كلمة الله هى ا لعُلُيَا فهو فى سبيل الله**)جس نے اللہ کے کلمہ کی سربلندی کے لیے قتال کیا وہی فی سبیل اللہ ہے۔اس بنا پے عملیات استشہادیۃ یا فدائی مشن وہ مخصوص اعمال ہیں جو مجاہد فی سبیل اللہ اس یقین اور غالب ظن میں سرانجام دیتا ہے کہ وہ دشمن میں خون ریزی کا سبب بنے گا اور اس عمل کا مرتکب شہداء کے مرتبہ پے فائز ہوگا(انشاءاللہ)۔

آج کے جدید دور میں حریت وجدوجہد کا یہ ایک نیا انداز ہے جو جدید دور میں بارود کے استعمال کے بعد سامنے آیا اور یہ گوریلا طرز جنگ میں بہت مشہور ہوا۔اس کے استعمال میں سب سے پہلے مسلمانوں نے سبقت کی۔اس طرح یہ متعارف ہوا،امریکہ کی سول وار میں،ویتنام جاپان میں امریکیوں کے خلاف دوسری جہت سے دیکھیں تو مسلمانوں نے اسے اس وقت استعمال کیا جب ان کے پاس وسائل کم تھے

اور طاقت کا توازن نہ تھا اور اپنے محدود امکانات کے ساتھ وہ دشمن کے سامنے کھڑے نہیں ہو سکتے تھے تو انہوں نے عزت و کرامت کی موت کو اللہ کی راہ میں ترجیح دی بجائے اس کے کہ وہ ذلت و رسوائی کا زہر گھونٹ گھونٹ پی کے مریں۔ جیسے کہ وہ کہہ رہے ہوں۔

لا تسقنی ماء الحیاۃ بذلۃ و لتسقنی با لعز کاس الحنظل

آب حیات کو ذلت سے پینے سے بہتر ہے کہ مجھے عزت کے ساتھ زہر پلا دو۔

ذیل کی سطور میں ہم انشاءاللہ فدائی حملہ کی شرعی حثییت بیان کریں گے جو کہ اللہ کے ہاں باعث ثواب و اجر ہے اور ایسا کرنے والا اس کے ہاں منازل و مراتب جو اس کے تیار کردہ ہیں، کا امیدوار ہے۔ اس مسئلہ میں اس آدمی پہ قیاس کرتے ہوئے جو اکیلا دشمن کی صفوں میں گھس جائے ہم اللہ کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی سنت کی روشنی میں اس کو تلاش کرتے ہیں۔

دوسرا مقصد جس کے تحت ہم نے یہ بحث لکھنا شروع کی تا کہ دشمن پہ حملہ آور ہونے کی مثالیں کتاب و سنت اور سیرت صحابہ رضی اللہ عنہ سے پیش کریں جو ان عملیات کے اثبات کا سبب ہوں۔ اس معاملہ کی دلالت میں ہم سب سے پہلے **اصحاب الا خدود** کا واقعہ بیان کرتے ہیں۔ جب بچے نے بادشاہ سے کہا تو مجھے اس وقت تک قتل نہیں کر سکتا یہاں تک جو میں کہوں وہ تو کرئے۔ بادشاہ کہنے لگا کیا کروں؟ بچے نے کہا لوگوں کو ایک میدان میں اکھٹا کر پھر مجھے کھجور کے تنے پہ لٹکا دے پھر میرے ترکش سے ایک تیر نکال پھر تیر کو کمان میں ڈال پھر کہہ (**باسم اللّٰہ رب الغلام**) شروع اللہ کے نام سے جو اس بچے کا رب ہے پھر وہ تیر مجھے مار۔ اگر تو نے ایسا کیا تو تو مجھے قتل کرنے کے قابل ہو گا۔ تو بادشاہ نے لوگوں کو ایک میدان میں اکٹھا کیا پھر اسے تختہ دار پہ لٹکایا پھر تیر لیا اور کہا (**بسم اللہ رب الغلام**) پھر اس نے تیر مارا تو تیر بچے کی شہ رگ پہ لگا تو بچے نے اپنا ہاتھ تیر کے زخم پہ رکھا اور مر گیا

تو سب لوگ کہنے لگے(**امنا برب الغلام امنا برب الغلام امنا برب الغلام**) ہم بچے کے رب پے ایمان لے آئے......ہم بچے کے رب پے ایمان لے آئے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس قصہ کے ذکر کرنے کے بعد(**ان الغلام امر بقتل نفسه لأجل مصلحة ظهور الدين** ......**الخ**) کہ بچے نے دین کے غلبے کے لیے اپنے قتل کا حکم دیا۔اسی لیے آئمہ اربعہ نے اس بات پے اتفاق کیا ہے کہ اگر کوئی شخص دین کی مصلحت کے لیے دشمن کی صفوں میں گھسے اگر چہ اس کو یقین ہو کہ وہ قتل ہوجائے گا تو یہ جائز ہے۔(**مجوع الفتاوی** 540/1)۔**شیخ محمد الصالح العثیمین** رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ انسان کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اپنی جان کو ہلاکت میں ڈال دے عام مسلمانوں کی مصلحت کے لیے کیونکہ اس بچے نے خود بادشاہ کو اپنے قتل کا حکم دیا اور اپنے نفس کو ہلاک کیا۔(**شرح رياض الصالحين** 165/1)۔ **شیخ ابن عثیمین** رحمہ اللہ کا استشہادی کارروائیوں کے جواز پہ فتویٰ موجود ہے۔

اے دیکھنے والے، اللہ تجھ پے رحم کرے، دیکھ کس طرح بچے نے اپنے یقینی قتل کو ممکن بنایا ایک راجح مصلحت کے لیے اور وہ ہے اس قوم کا اسلام لانا۔ جو کہ اس کے قتل کی وجہ سے فوج در فوج اللہ کے دین میں داخل ہوگئے۔ یہ امر ہم سے پہلے بھی مشروع تھا جس کا کتاب و سنت میں کوئی ناسخ اور معارض نہیں۔ متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اللہ کے قول(**و من الناس من يشرى نفسه ابتغاء مرضاة اللّٰه واللّٰه روف با العباد**)اور لوگوں میں وہ جو اپنے نفس کو اللہ کی رضا کی تلاش میں بیچ دیتا ہے اور اللہ اپنے بندوں پے بہت مہربان ہیں۔(**البقره** 207)۔اس قول کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے محمول کیا ہے اس شخص پے جو اکیلا اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کے دشمن پے ٹوٹ پڑے۔ جیسے کہ یہ قول مروی ہے عمر بن خطاب، ابوایوب انصاری اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے (اس کو روایت کیا ابو داود، ترمذی، ابن حبان نے اور حاکم نے اس کو صحیح کہا)بحوالہ (**تفسير القبرطبی** 361/2)

ابن ابی شیبہ نے اپنی 'مصنف' اور بیہقی نے اپنی 'سنن' میں روایت کیا ہے

(ان هشام بن عامر الانصاری رضی اللہ عنہ **حمل بنفسه بین ا لصفين على العدو فانكر عليه بعض الناس و قالوا: القى بنفسه الى التهلكة فرد عليهم عمر بن خطاب و ابوهريره** رضی اللہ عنہما **بقوله تعالى: و من الناس من يشرى نفسه ا بتغاء مرضاة اللّٰه)(ا لبقرة .207)** ہشام بن عامر انصاری رضی اللہ عنہ دشمن کی دوصفوں میں اکیلے گھس گئے تو بعض لوگوں نے کہا کہ اس نے تو اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال دیا تو عمر بن خطاب اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما نے جواب دیا کہ لوگوں میں سے وہ ہیں جو اپنی جان کو اللہ کی رضا کی تلاش میں بیچ ڈالتے ہیں۔

قرطبی رحمہ اللہ اپنی تفسیر (21/2) میں لکھتے ہیں کہ یہ آیت اسی شخص کے متعلق نازل ہوئی جو قتال میں دشمن پے (اکیلا) حملہ آور ہوا پھر انہوں نے ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا مشہور واقعہ کا ذکر کیا۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم احد کے دن اکیلے رہ گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صرف سات صحابی رہ گئے (جو قریش اور انصار میں سے تھے) جب دشمن (قریش) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر حملہ آور ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **(من يرد هم عنا و له ا لجنة او هو رفيقي في الجنة)** جو کوئی ان کو ہم سے ہٹائے تو اس کے لیے جنت ہے یا وہ جنت میں میرا ساتھی ہوگا تو انصار کا ایک آدمی آگے بڑھا اور لڑتا ہوا شہید ہوگیا پھر دشمن مزید آگے بڑھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر وہی فرمایا تو انصار کا ایک اور آدمی آگے بڑھا اور لڑتا ہوا شہید ہوگیا یہاں تک کہ انصار کے سات آدمی شہید ہوگئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا **(ما انصفنا اصحابنا)** ہم نے اپنے ساتھیوں کیساتھ انصاف نہیں کیا **(ما انصفنا اصحابنا)** کے معنی ہیں یعنی آج قریش (مہاجرین) نے انصار کے ساتھ انصاف نہیں کیا۔ قریش (مہاجرین) قتال کے لیے کیوں نہ نکلے بلکہ انصار ایک کے بعد ایک آگے بڑھتے اور کٹتے رہے اور یہ بھی مروی ہے **(ما انصفنا)** ف کی فتح کے

ساتھ،جس کے معنی کہ جولوگ قتال سے پیچھے رہ گئے انہوں نے ہم سے انصاف نہیں کیا (النووی شرح مسلم7/430)۔

صحیحین میں سلمہ بن ا لاکوع ،اخرم الاسدی اورابو قتادہ رضی اللہ عنہم کا اکیلے عیینہ بن حصن اوراس کے ساتھیوں پے حملہ آور ہونے کا قصہ مذکور ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تعریف کی یہ فرماتے ہوئے (کان خیر فر سا ننا الیوم ابو قتادۃ رضی اللہ عنہ و خیر رجالتنا سلمہ) آج ہمارے بہترین سوارابوقتادہ رضی اللہ عنہ اور بہترین پیادہ سلمہ رضی اللہ عنہ تھے۔

ابن النحاس (مشارق الا شواق 1/540)میں لکھتے ہیں کہ صحیح ثابت حدیث میں دلالت ہے کہ آدمی جمع کیثر پے اکیلے حملہ آور ہوسکتا ہے اور اگر چہ اسے یقین ہو کہ وہ قتل ہو جائے گا اگر وہ شہادت کی طلب میں مخلص اور سچا ہو جیسے کہ سلمہ بن الاکوع اوراخرم رضی اللہ عنہما کے واقعہ میں ہے اور نہ ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فعل پے کوئی عیب لگا یا اور نہ ہی صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس سے منع کیا اس طرح کے فعل کر نے سے ۔ بلکہ اس حدیث میں دلیل ہے اور یہ امر مستحب ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اپنی مسند میں ابی اسحاق سے روایت کرتے ہیں ۔ وہ کہتے ہیں میں نے برا ابن عازب رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آدمی اکیلا ہی دشمن پے حملہ آور ہو جا تا ہے تو کیا وہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالتا ہے؟ فرمانے لگے نہیں ۔ کیونکہ اللہ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو معبوث کیا تو فرمایا (فقاتل فی سبیل اللّٰہ لا تکلف الا نفسک) اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ قتال کیجیے اللہ کی راہ میں آپ اپنے نفس کے خود ذ مہ دار ہیں (النساء 84) جبکہ (ولا تلقوا بأیدیکم ......الخ) یہ آیت انفاق کے بارے میں ہے۔

ابن حزم رحمہ اللہ نے (المحلی 7/297) میں یہ اثر نقل کیا ہے کہ ابو اسحاق السبیعی نے کہا ہے کہ میں نے ایک آدمی کو سنا وہ براء بن عاذب رضی اللہ عنہ سے سوال کر رہا تھا کہ اگر ایک آدمی اکیلا دشمن پے حملہ آور ہو جائے اور وہ (دشمن) ہزار ہوں تو

کیا اس نے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالا۔ براء رضی اللہ عنہ کہنے لگے نہیں بلکہ ہلاکت یہ ہے کہ انسان گناہ کے قریب ہو پھر اس کو کر بیٹھے اور بعد میں کہے کہ میرے لیے کوئی توبہ نہیں ہے۔ ابن حزمؒ کہتے ہیں کہ ابوایوب انصاری اور ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہما میں سے کسی ایک نے بھی اس بات کا انکار نہیں کیا کہ آدمی کا اکیلے کسی لشکر جرار پہ حملہ آور ہو نا غلط ہے یا اس کا ثابت قدم رہنا اور پھر قتل ہو جانا۔

اسی باب میں ابوداود اور ترمذی کی اسناد صحیح کے ساتھ روایت ہے **اسلم بن عمران التجیبی** سے وہ کہتے ہیں ہم روم کے قریب تھے تو رومی بہت بڑی صف میں نکل کے ہماری طرف آئے تو مسلمان ان کی طرف اتنی ہی تعداد میں یا اس سے زیادہ نکلے اہل مصر کے امیر عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ تھے اور دوسری جماعت کے امیر فضالۃ بن عبید رضی اللہ عنہ تھے تو مسلمانوں میں سے ایک آدمی نکل کر رومی صف پہ حملہ آور ہوا اور اس کے اندر گھس گیا۔ تو لوگوں نے شور مچایا کہنے لگے سبحان اللہ، اس شخص نے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال دیا۔ اس پہ ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور فرمانے لگے ،اے لوگو! تم میں یہ آیت تلاوت کرتے ہو جبکہ یہ ہمارے بارے میں نازل ہوئی جب اللہ نے اسلام کو عزت دی اور اس کے مددگاروں کی کثرت ہوگئی تو ہم میں کچھ لوگ ایک دوسرے کو خفیہ طور پے کہنے لگے کہ ہمارے اموال ضائع ہو گئے (**ان اموالنا قد ضاعت و ان اللّٰہ قد اعزا لا سلام و کثرنا صروہ فلوا قمنا فی اموالنا فا صلحناما ضاع منھا فانزل علی نبیہ** ﷺ **یرد علینا ما قلنا**) کہ ہمارے اموال ضائع ہو گئے اور اللہ نے اسلام کو عزت دے دی اور اس کے مددگاروں کی کثرت ہوگئی تو ہم اپنے اموال کی اصلاح میں لگ جائیں اور جو نقصان ہوا ہے اسے پورا کر لیں۔ تو اللہ نے ہمارے جواب میں نبی ﷺ پر یہ آیت نازل کی (**و انفقوا فی سبیل اللّٰہ و لا تلقوا باید یکم الی التھلکۃ**) اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو (**البقرہ** 195)۔ تو ہلاکت اپنے

اموال میں مشغول ہونا تھا اور جنگ و جہاد کا ترک کرنا تھا۔ پھر ابو ایوب رضی اللہ عنہ اللہ کی راہ میں سوار رہے یہاں تک کہ روم کے قریب دفن ہوئے (ابو عیسی الترمذی کہتے ہیں کہ یہ حدیث **حسن صحیح غریب** ہے)۔

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے کہ **معاذ بن عفراء** رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ اپنے بندے کی کس بات پے مسکراتا ہے (یا خوش ہوتا ہے) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (**غمسه يده في العدو حاسراً**) کہ آدمی دشمن کی صفوں کے اندر (اکیلے) ننگے جسم گھس جائے۔ تو معاذ رضی اللہ عنہ نے وہ زرہ جو انہوں نے پہن رکھی تھی اتار پھینکی اور قتال کرنے لگے یہاں تک کہ شہید ہو گئے (اس حدیث کی اسناد میں مقال ہیں گو کہ ابنِ حزم رحمہ اللہ نے **المحلیٰ** میں اس کی تصحیح کی ہے 294/7) جبکہ یہ حدیث دوسرے طرق سے تاریخ طبری میں مروی ہے۔ **تاریخ طبری** 33/2. **سیرہ ابن ہشام** 175/3)۔ صحابہ رضی اللہ عنہم اور سلف صالحین کے زمانہ میں اور ان کے بعد تاریخ میں ہمارے لیے واضح اور جلی دلائل ہیں جو کہ فدائی کارروائیوں کی مشروعیت پے دلالت کرتی ہیں ان میں چند ایک یہ ہیں۔

جنگ یمامہ کے دن بنی حنیفہ کا باغ میں قلعہ بند ہونا جو مسیلمہ کذاب کا تھا جسے (**حديقة الموت**) موت کا باغ کہا جاتا تھا۔ جب مسلمانوں کے لیے اسے فتح کرنا دشوار ہوا تو **براء بن مالک** رضی اللہ عنہ کہنے لگے (اور وہ یہ صحابی ہیں جن کے بارے میں ترمذی کی صحیح حدیث میں ہے **اذا اقسم على ابره**)۔ اگر وہ اللہ پے کوئی قسم کھا لیں تو اللہ اسے پورا کر دیتے ہیں، کہ مجھے اٹھا کے باغ کے اندر پھینک دو تو انکے ساتھیوں نے (**فالقوه عليهم حتى فتح الباب للمسلمين**) انہیں اٹھا کے اندر پھینک دیا تو انہوں نے قتال کر کے مسلمانوں کے لیے باغ کا دروازہ کھول دیا۔ (روایت کیا اس کو بیہقی نے سنن الکبریٰ میں 9 / 44 اور قرطبی نے اپنی تفسیر 2/ 463 جبکہ طبری نے اور اسد الغابۃ میں یہ واقعہ تفصیلاً مذکور ہے۔)

طبری اپنی تفسیر میں (363/2) روایت کرتے ہیں کہ مسلمانوں کے گھوڑے فارسیوں کے ہاتھیوں سے بدک کے بھاگنے لگے۔تو مسلمانوں کے ایک آدمی نے مٹی کا ایک ہاتھی بنایا اور پھر اپنے گھوڑے کو اس کے پاس لے جا کر اس طرح سدھایا کہ وہ گھوڑا ہاتھی کو پسند کرنے لگا (**فصنع فیلا من طین آنس به فرسه حتى الفه فلما اصبح لم ينفر فرسه من الفيل**) اگلی صبح اس کا گھوڑا ہاتھی سے بالکل بھی بدک کے نہ بھاگا تو دشمن کا جو ہاتھی آ رہا تھا وہ اس پہ چڑھ گیا تو لوگوں نے کہا یہ تجھے قتل کردے گا.وہ کہنے لگا (**لا ضير ان اُقتل و يُفتح للمسلمين**) کوئی حرج نہیں اگر میں قتل ہو جاؤں اور مسلمانوں کو فتح مل جائے۔اس فعل کو آج کے دور کی جدید اصطلاح میں کوئی نام نہیں دیا جا سکتا مگر یہ کہ استشہادی عمل تھا یا جسے ملحد لوگ 'خود کش' حملہ کہتے ہیں۔

میں (مئولف) کہتا ہوں کہ وجہ استدلال اس میں یہ ہے کہ وہ مجاہد جو اکیلا اپنے سے بہت بڑے دشمن پہ حملہ آور ہو گیا اور اپنے آپ کو ہلاکت کے لیے پیش کر دیا یقین کے ساتھ اس میں اور آج کے دور کے مجاہد (فدائی) میں کچھ فرق نہیں جو دشمن کے اندر گھس جاتا ہے تا کہ وہ انہیں شدید تر نقصان پہنچا سکے اور میں جلدی میں یہ بھی نہیں کہتا کہ اس قسم کے حملے کی مشروعیت پہ اجماع ہے اور اس میں جو کچھ قیاس کیا جاتا ہے بلکہ مسئلہ مختلف فیہ ہے بلکہ امام قرطبی کا قول ہم ذکر کریں گے پھر ان کا جمہور کا مذہب اختیار کرنا بھی انشاء اللہ ذکر کریں گے جو کہ اس عمل کی مشروعیت کے متعلق ہے۔

۲۔دشمن پہ ہلاکت خیز حملہ کی مشروعیت پہ اجماع:

(۱) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (فتح الباری 316/12) میں مہلب سے روایت کرتے ہوئے لکھتے ہیں (**و قد اجمعو اعلى جواز تقحم المهالک فی الجهاد**) کہ ہلاکت خیز حملوں کے جواز پہ اجماع ہے۔

(۲) ابن النحاس (مشارق الا شواق 588/1) میں اسی طرح مہلب سے نقل کرتے ہیں۔

(۳) امام نووی رحمہ اللہ (شرح صحیح مسلم 187/12) میں لکھتے ہیں۔(الا تفاق علی التغریر با لنفس فی الجهاد) کہ جہاد میں اپنی جان کو خطرہ میں ڈالنے پہ اتفاق ہے۔

میں (مولف) کہتا ہوں کہ اجماع کی یہ حکایت جب ثابت ہے تو اس سے صحیح مسئلہ کا احقاق ہوتا ہے۔

سلف اور آئمہ کے اقوال:

جمہور اہل علم نے ہلاکت خیز حملہ پہ اگر چہ اس کا نتیجہ ہلاکت ہی ہوا کوئی قدغن عائد نہیں کی ہے بلکہ آئمہ الاربعہ سے اس عمل کا مستحب ہونا مذکور ہے جیسے کہ پیچھے ہم ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے کلام میں بچے کے قصہ میں ذکر کر آئے ہیں۔اس کے بیان کے لیے ہم مذاہب اربعہ کی چند معتمد کتابوں سے دلائل پیش کرتے ہیں۔

حنفیہ:

اگر ایک اکیلا آدمی عظیم جمع کثیر پے حملہ آور ہوتا ہے تو اگر وہ جانتا ہے کہ وہ دشمن کو نقصان پہنچائے گا تو اس میں کوئی حرج نہیں اور اگر وہ جانتا ہے کہ اس کے اس عمل سے دشمن کو کوئی نقصان نہ پہنچے گا تو اسے ایسا ہرگز نہیں کرنا چاہیے(المبسوط للسرخسی72/10)۔

ابو بکر الحصاص الحنفی رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں محمد بن حسن الشیبانی رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں جو امام ابو حنیفة رحمہ اللہ کے مایہ ناز شاگرد ہیں کہ اگر ایک آدمی ہزار آدمیوں پے اکیلا حملہ آور ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں اگر وہ اس میں نجات یا دشمن کے نقصان کا متمنی ہوا گر اس کے برعکس ہے تو میں اسے مکروہ سمجھتا

ہوں کیونکہ اس نے اپنے نفس کو مسلمانوں کے کسی منفعت کے بغیر تلف کیا۔اس لیے آدمی کو چاہیے اس میں نجات یا دشمن کے نقصان کی طمع رکھے اور اگر دونوں کاموں کی نیت رکھے بغیر وہ صرف اس لیے حملہ آور ہوتا ہے تاکہ دوسرے مسلمان بھی اس کی پیری کر کے حملہ کریں اور دشمن کو نقصان پہنچائیں تو اس میں کوئی حرج نہیں (ان شاء اللہ) اور اگر وہ دشمن کو نقصان پہچانے کی طمع رکھتا ہوا اور اس کی نیت نجات کی نہ ہو تو میں اس میں حرج (گناہ) سمجھتا ہوں اور اگر وہ کسی اور پے حملہ آور ہو کے دشمن کو نقصان پہنچاتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں اور اگر ان تمام کاموں سے کوئی بھی نہ ہو تو صرف دشمن کو مرعوب کرنا ہی مقصود ہو اور وہ مسلمانوں کی منفعت کے لیے ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں (**احکا القران للجصا ص** 327/1)۔

ابو بکر الجصاص رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر (**احکام القران** 328/1) میں اس کے بعد امام محمد رحمہ اللہ سے موافقت کی ہے (**والذی قال محمد من هذه الو جوه لا یجوز غیره**) امام محمد رحمہ اللہ نے جو کچھ کہا ہے صحیح اور دوسری جہتیں جو اس کے علاوہ جائز نہیں اور اسی معنی میں حدیث ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کو محمول کیا جائے گا یعنی اگر اس میں مسلمانوں کے لیے منفعت ہے تو آدمی دشمن پے حملہ آور ہو اور اگر نہیں تو اکیلا حملہ آور کے تلف نفس کی ضرورت نہیں یعنی اس میں نہ دینی منفعت اور نہ ہی مسلمانوں کی۔اگر اس کام کے لیے منفعت ہو اور دین کے لیے بھی تو یہ وہ مقام ہے جس کی اللہ نے بھی تعریف کی ہے (**ان اللّٰہ اشتری من المومنین انفسهم و اموالهم بان لهم ا لجنة یقاتلون فی سبیل اللّٰه فیقتلون و یقتلون**) بے شک اللہ نے مومنوں سے ان کی جانوں کو خرید لیا ہے جنت کے بدلے میں وہ اللہ کی راہ میں قتال کرتے ہیں اور قتل ہوتے ہیں (**التوبہ**۔111) اور اللہ فرماتے ہیں (**ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللّٰه امواتا بل احیاء عند ربهم یرزقون**) اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہو گئے انہیں مردہ نہ سمجھو بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ

ہیں رزق دیئے جاتے ہیں(آل عمران 169)اور اللہ فرماتے ہیں(**و من الناس من یشری بنفسہ ابتغاء مرضاۃ اللّٰہ**)اور لوگوں میں سے وہ ہیں جو اپنی جانوں کو اللہ کی رضا کی تلاش میں بیچ ڈالتے ہیں(**البقرۃ** 207)یہ بات اس قسم کے اعمال کی نظیر ہیں جہاں اللہ نے ایسے عمل کی مدح فرمائی ہے۔

الشافعیہ:

امام محمد بن ادریس شافعی رحمہ اللہ اپنی کتاب(**الام** 4/169)میں فرماتے ہیں ''میں اس میں کوئی حرج نہیں جانتا کہ آدمی ننگے جسم جماعت پے حملہ آور ہو یا حملے میں جلدی کرے اگرچہ یہ بات متعین ہو کہ وہ قتل ہو جائے گا۔ یہ اعمال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کیے گئے اور اسی طرح بدر کے دن آپ کے سامنے صحابی ننگے جسم دشمن کے اندر گھس گیا اور قتل ہو گیا کیونکہ اس میں خیر ہے''۔امام شافعی رحمہ اللہ کے کلام میں اشارہ ہے اس حدیث کی طرف جسے مسلم نے اپنی صحیح میں ذکر کیا ہے اور احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے (جس کا ذکر گزر گیا ہے)۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں(**فی باب ثبوت الجنة للشهيد. شرح صحیح مسلم** 13/46)کھجوروں والے صحابی رضی اللہ عنہ کا قصہ ذکر کرنے کے بعد(**فیہ جواز الانغماس فی الکفار و التعرض للشھادۃ و ھو جائز بلا کراھۃ عند جماھیر العماء**)کہ اس حدیث میں جواز ہے کہ دشمن کے اندر گھس کے اپنے آپ کو شہادت کے لیے پیش کرنے کا جمہور علماء کے نزدیک۔

الحنابلۃ:

ابن مفلح الحنبلی رحمہ اللہ اپنی کتاب(**الفروع** 6/189)میں لکھتے ہیں کہ اگر کوئی آدمی دشمن پے اکیلا حملہ آور ہوتا ہے اور وہ جانتا ہے کہ وہ نہیں بچ سکے گا

وہ اپنے قتل پے مددگار نہیں ہوگا۔اسی طرح امام احمد رحمہ اللہ سے کہا گیا کہ آدمی سو آدمیوں پے حملہ آور ہوسکتا ہے تو امام نے کہا ہاں اگر اس کے ساتھ گھڑ سوار بھی ہوں اور ہمارے شیخ نے ذکر کیا ہے کہ مسلمانوں کی منفعت کے لیے ایسے کرنا جائز ہے وگرنہ دوسری صورت میں ہلاکت ہے۔

ابو عبد اللّٰہ القرطبی رحمہ اللہ اپنی (تفسیر 363/2) میں لکھتے ہیں کہ علماء نے اس مسئلے میں اختلاف کیا ہے کہ آدمی جنگ میں اکیلا ہی دشمن کے اوپر حملہ آور ہو۔ **قاسم بن مخیرہ،قاسم بن محمد، اورعبد الملک** ہمارے علماء نے کہا کہ آدمی کے اکیلے دشمن پے حملہ آور ہونے میں کوئی حرج نہیں اگر اس میں قوت ہو اور وہ اللہ کے لیے خالص نیت رکھتا ہو اور اگر اس کے پاس قوت نہیں یہ ہلاکت ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے اگر وہ شہادت کا متلاشی ہو اور نیت میں خالص ہو تو جائز ہے کیونکہ اس کا مقصد ان میں سے ایک ہے۔

مالکیہ:

قرطبی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر (۳۶۴/۲) میں بعض مالکیہ قول نقل کیا ہے کہ اگر کوئی شخص سو آدمیوں پے اکیلا یا پورے لشکر پے یا اس کے علاوہ حملہ آور ہوتا ہے اور اسے یقین ہو کہ وہ قتل ہو جائے گا مگر دشمن کو ایسا نقصان پہنچائے گا جس سے مسلمانوں کو فائدہ ہوگا تو یہ جائز ہے۔اس طرح وہ **محمد بن حسن الشیبانی** رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں کہ گر ایک آدمی ہزار آدمیوں پے حملہ آور ہو اور وہ اکیلا ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے اگر وہ نجات کی طمع رکھتا ہو اور دشمن کو نقصان پہنچانے کی نیت رکھتا ہو اور اگر ایسا نہیں تو یہ عمل مکروہ ہے کیونکہ ایسی صورت میں وہ مسلمانوں کے منفعت کے بغیر اپنی جان کو ضائع کرے گا۔اگر اس کا ارادہ مسلمانوں کو جرات و جوش دلانے کا ہوتا کہ وہ اس جیسی جرات کا مظاہرہ کریں تو یہ عمل جواز کے زمرے میں ہے کیونکہ اس میں

مسلمانوں کی منفعت ہے۔اگرحملہ آور کا مقصد دشمن کو دہشت زدہ کرنا ہے تاکہ دشمن یہ جان لے کہ مسلمان کس قدر اپنے دین سے وابستگی رکھتے ہیں تو اپنے نفس کو ایسی صورت اللہ کے دین کی عزت اور کفر کی توہین کے لیے قتل کرنا ایسا مرتبہ ہے جس کی اللہ نے بھی تعریف کی ہے(**ان اللہ اشتری من المومنین انفسھم و اموالھم بان لھم الجنۃ**)(التوبہ 111) یہاں تک کہ قرطبی اپنی تفسیر (364/2) میں لکھتے ہیں کہ صحیح مذہب میرے نزدیک جواز ہے کہ آدمی جو پورے لشکر پے طاقت نہیں رکھتا وہ چار وجوہ کی بنا پے اکیلا حملہ آور ہو سکتا ہے۔

(۱) شہادت کی طلب۔

(۲) دشمن کو نقصان پہنچانا۔

(۳) مسلمان کو جرات و جوش دلانا۔

(۴) دشمن کے اندر ضعف و کمزوری پیدا کرنا۔تاکہ وہ جان لیں کہ ایک آدمی اگر ایسے لڑتا ہے تو پورے لشکر کی کیا حالت ہوگئی؟ یہی چار وجوہ ابن العربی المالکی نے بھی ذکر کی ہیں (166/1)۔

اس باب کو ہم شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے قول پے ختم کرتے ہیں جو شخص یہ کہتا ہے(**ارید ان اقتل فی اللہ فھذا کلام مجمل**) کہ میں اپنے آپ کو اللہ کی راہ میں قتل کرنا چاہتا ہوں یہ ایک مجمل کلام ہے کہ جو حکم اس کو اللہ نے دیا ہے اگر وہ اس کے قتل کا سبب بنتا ہے تو ایسا شخص ''محسن'' ہے (بہتر ارادہ والا ہے) جیسے کہ کوئی دشمن کی صف پے اکیلا ٹوٹ پڑے اور اس میں مسلمانوں کے لیے منفعت ہو اور اسے اعتقاد ہو کہ وہ قتل ہو جائے گا تو یہ ''حسن'' ہے (یعنی بہتر عمل ہے) اور جیسے کہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں کرتے تھے کہ وہ دشمن کے اندر گھس جاتے تھے تو جب لوگوں نے کہا کہ ایسے آدمی نے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال دیا تو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرمانے لگے(**لا و لکنہ محسن قال اللہ فیہ ومن الناس من**

یشری نفسہ ابتغاء مرضاۃ اللّٰہ و اللّٰہ روف با لعباد)نہیں بلکہ وہ محسن ہے جسکے بارے میں اللہ فرماتے ہیں اورلوگوں میں سے وہ ہیں جو اپنی جان کو اللہ کی رضا کی تلاش میں ارزاں کر دیتے ہیں اور اللہ اپنے بندوں کے ساتھ بہت نرم ہیں(البقرۃ207)۔

(مجموع ا لفتاوی 279/25)

معاصر علماء کے اقوال استشہادی اعمال کے بارے میں:

علامۃ نجد الشیخ محمد الصالح العثیمین رحمہ اللہ ان کا کوئی قول دوسرے سے اولی نہیں ہوتا کیونکہ وہ مفاسد ومصالح کا لحاظ رکھتے ہیں ان سے ماہانہ ملاقات میں سوال کیا گیا(**فی اللقاء الشھری ا لعشرین**)اس فلسطینی مجاہد جوان کے متعلق، جس نے اپنے آپ کو بارود کے ساتھ پھاڑ ڈالا اور قتل ہو گیا اور ساتھ دس یہودیوں کیے قتل کا سبب بنا۔کیا اس کا یہ عمل جہاد ہے یا خودکشی ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا یہ نوجوان جس نے اپنے جسم پر قتل کرنے والا لباس پہنا مگر کون اپنے آپ کو قتل کرتا ہے یا اپنے قتل کا سبب بنتا ہے۔ایسا عمل صرف اس حالت میں جائز ہے جب اس میں کوئی بہت بڑی مصلحت ہو اسلام کے لیے اور اگر اس میں اسلام اور مسلمانوں کے لیے نفع عظیم ہے تو یہ جائز ہے......اے دیکھنے والے اللہ تجھ پے رحم کرے دیکھ کہ انہوں نے اپنے حکم (فتوی) میں کس طرح مصالح کا لحاظ رکھا۔اس نفع عظیم اور مسلمانوں کی مصلحت کو دیکھتے ہوئے انہوں نے فرمایا(**کان ذالک جائزاً**)اسی طرح ان کے فتاوی میں مفاسد اور مصالح کا خیال رکھا جاتا ہے۔

محدث الدیار الشامیہ ناصر الدین ا لبانی رحمہ اللہ پے سفیہ اور جاہل لوگوں نے ایک عرصہ بہتان درازی کا وطیرہ اپنائے رکھا اور ان کی طرف بہت سے جھوٹ منسوب کیے کہ شیخ رحمہ اللہ نے استشہادی عمل کرنے والے کو خودکشی سے منسوب

کیا ہے جبکہ شیخ اس بہتان سے بری ہیں جیسے کہ یوسف علیہ السلام بھیڑیے کے خون سے بری تھے آپ کے روشن فتاوی میں اسی باب جو فتوی ہے (جو کہ انکی کیسٹوں سلسلة الهدى و النور میں نمبر 134 میں ہے اور ان کی آواز میں ریکارڈ ہے) جب ان سے سوال کیا گیا کہ بعض خاص قسم کے فوجی جنہیں کمانڈوز کہا جاتا ہے جن میں اتنی قوت ہوتی ہے جو مسلمانوں پے تنگی کا سبب بنتے ہیں تو مسلمان خودکش گروہ اپنے جسم کے ساتھ بم باندھ کر دشمن کے ٹینکوں کے اندر گھس جاتے ہیں اور وہاں قتل ہو جاتے ہیں تو کیا یہ خودکشی ہے؟

تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ خودکشی نہیں ہے کیونکہ خودکشی وہ ہوتی ہے کہ مسلمان اپنے نفس کو زندگی کی تنگیوں سے مجبور ہو کر ختم کر ڈالے۔ مگر اس صورت میں جس کا تو نے (سائل نے) سوال کیا ہے یہ جہاد فی سبیل اللہ ہے مگر یہاں ایک اہم نقطہ ہے جسکی طرف متوجہ ہونا بہت ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ عمل آدمی کے انفرادیت وارادہ پے مبنی نہ ہو بلکہ لشکر کے امیر کے حکم پے ہو۔ اگر لشکر کا قائد اس فدائی سے مستغنی ہے اور یہ دیکھتا ہے کہ دوسری جہت میں دشمن کے لیے خسارے کا امکان زیادہ ہے اور اس سے مشرکوں کا ایک عددِ کبیر ہلاک ہو سکتا ہے تو اس (امیر) کی رائے ہی اصل رائے ہے اور اس کی اطاعت واجب اگر وہ انسان اس پے راضی نہ بھی ہو تب بھی ہو امیر کی اطاعت واجب ہے۔

یہاں تک کہ البانی رحمہ اللہ نے کہا کہ خودکشی اسلام میں محرمات میں سے ہے کیونکہ ایسا عمل وہی شخص کرتا ہے جو اپنے رب سے ناراض ہو اور اللہ کی قضاء پے راضی نہ ہو۔ جب کہ یہ فدائی خودکش نہیں ہے جیسے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنی تلواروں کے ساتھ دشمن پے (اکیلے) حملہ آور ہوئے تھے اور ان میں تلوار چلتی یہاں تک کہ اسے موت آجاتی اور ایسا کرنے والا اس حال پے صابر ہوتا کیونکہ وہ جانتا ہوتا تھا کہ اس کا ٹھکانا جنت میں ہے شیخ فرماتے (فشتان بين من يقتل نفسه بهذه الطريقة

لجهادية و بين من يتخلص من الحياة با لا نتحار)تو بہت فرق ہے اس فدائی میں جو اپنے آپ کو اس جہادی طریقے سے قتل کرتا اور اس میں جو اپنی زندگی سے خودکشی کے ذریعے خلاصی حاصل کرتا ہے یا اگر کوئی خود سے سوچ کر اپنے ہی اجتہاد سے اس عمل کا مرتکب ہوتا ہے تو وہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالتا ہے۔ استشہادی اعمال اور خودکشی کے درمیان یہ انتہائی دقیق تفصیل ہے۔ یہ اعمال جہادی واستشہادی ہیں اس کے لیے جسے انکی فہم دے دی گئی۔ مگر جس پہ معاملہ مختلف فیہ ہو جاتا ہے تو وہ اشکال کا شکار ہو جاتا ہے اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ وہ ان فدائیوں کی مدافعت کر رہا ہے (و كان من ا لذين يحبو ن انهم يحسنو ن صنعا)اور ان لوگوں کی طرح ہوتا ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اچھا کام کر رہے ہیں۔

شیخ الا لبانی رحمہ اللہ کے کلام سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ عملیات استهشادية میں فرق کرنے کی ضرورت ہے اس شخص کے درمیان جو اپنی طرف سے سوچ بچار کر کے حملہ آور ہو اور وہ جو امیر کے حکم کے مطابق مرتب حملہ کرے۔ کیونکہ اطاعت امیر واجب ہے بلکہ وہ اللہ کی اطاعت میں ہے۔ یہ امر یقینی ہے کہ عملیات یا کارروائیاں انفرادی یا غیر منظّم طریق پے کی جائیں وہ زیادہ نفع مند نہیں ہوں گی بلکہ مسلمانوں کے لیے مفاسد کا سبب بنیں گیں۔ اس لیے دونوں حالتوں کے درمیان فرق بہت ضروری ہے۔

میں (مولف) کہتا ہوں بعض لوگوں نے امیر کی اجازت کی شرط لگائی ہے قیاس کرتے ہوئے ''مبارزۃ' کے مسئلہ پے مگر میں اس کی طرف نہیں جاتا کیونکہ ایسے حملوں میں اس کی شرط نہیں مگر بہتر قول اس مسئلہ میں ہے ابن قدامہ المقدسی رحمہ اللہ کا ہے اور وہ ہے دونوں مسئلوں میں تعریف کرنا ہے۔ ابن قدامہ مبازرۃ میں امیر کی اجازت کو واجب قرار دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ امام اپنے فوجیوں کے بارے میں زیادہ علم رکھتا کہ کون دشمن کے مقابلہ میں طاقت رکھتا ہے اور کون کمزور

ہے۔ کیونکہ وہ اگر لشکری اس عمل کی طاقت نہ رکھتا ہو تو وہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال دے گا اس لیے یہ بات امام کے اختیار پے چھوڑ دینی چاہیئے وہ جسے منتخب کرے۔ اس سے فتح قریب ہوگی، مسلمانوں کے دل مضبوط ہوں گے اور کفر کی شان وشوکت ختم ہو گی۔ اگر یہ کہا جائے کہ تم نے (فدائی) کے لیے دشمن کے اندر گھس جانے کو مباح قرار دے دیا اور وہ اس کے قتل کا سبب ہے ہم کہتے ہیں جب وہ مبازرة پے نکلے گا سارے لشکر کے دل اس کے ساتھ معلق ہوں گے اور اگر وہ فتح مند رہا تو مسلمانوں کے حوصلے بلند ہوں گئے اور انہیں خوشی ملے گی اور کفر کے حوصلے پست ہوں گئے اور اگر وہ قتل ہو گیا تو معاملہ برعکس ہوگا جبکہ "**منغمس**" لشکر کے اندر گھس جانے والا (**المنغمس يطلب الشهادة لا يترقب منه ظفر و لا مقا و مة فا فترقنا**) کہ دشمن کے اندر گھس جانے والا صرف شہادت کا طلب گار رہوتا ہے نہ وہ فتح پے اور نہ ہی مخالفت کی تحریک پے حریص ہوتا ہے اس لیے ہم نے یہ فرق کیا ہے۔

(**المغنى لا بن قدامة** 172/29)

کیا ہی اچھا قول ہے **اما م محمد بن ادریس ا لشافعی** رحمہ اللہ کا کتاب السیر میں (**کما فی مختصر ا لمزنی نقلاً عن الام**) اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی جماعت امیر کی اجازت کے بغیر جہاد کرے...... جب امام کی اجازت لی جائے تو امام کو ان مقاتلین کی معرفت ہوگئی اور ان کی خبر جان سکے گا۔ جبکہ اس برعکس ان کی ہلاکت اور ضائع ہونے کا اندیشہ ہے؟

شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نہیں جانتا کہ ان پے یہ عمل حرام ہے کیونکہ (نبی ﷺ کی موجودگی میں یہ اعمال ہوئے) آپ ﷺ نے ایک انصاری کے سامنے جنت کا ذکر کیا تو وہ کہنے لگا یا رسول اللہ ﷺ اگر میں صبر واحتساب کے ساتھ قتل ہو جاؤں تو آپ ﷺ نے فرمایا (**فلک ا لجنة**) تو تیرے لیے جنت ہے۔ وہ دشمن کے اندر گھس گیا اور لڑتا ہوا شہید ہو گیا اور ایک انصاری نے اپنی زرہ اتار پھینکی جب نبی

ﷺ نے اسے جنت یاد دلائی تو وہ دشمن پے جھپٹ پڑا اور نبی ﷺ کے سامنے شہید ہو گیا (**فاذا حل للمنفرد ان یتقدم علی ما الا غلب انهم یقتلو نه کان هذا اکثر مما فی الا نفرا د من الرجل و الرجل بغیر اذن ا لامام**) پس اگر اکیلے آدمی کا دشمن پے جھپٹنا ایسی حالت میں کہ اس کا قتل ہونا یقینی ہو تو یہ عمل اس سے یہ زیادہ مباح ہے کہ آدمی یا بہت سے لوگ بغیر امام کی اجازت سے ایسا کریں۔ نبی ﷺ نے اکیلے آدمی کا آپریشن (One Man Operations) کے تحت (**عمر بن امیة الضمری**) اور انصار کے ایک آدمی کو اکیلے ایک مشن پے روانہ کیا اسی طرح آپ ﷺ نے (**عبد اللّٰه بن أنیس** رضی اللہ عنہ) کو اکیلے بھیجا۔ پس اگر رسول اللہ ﷺ نے اس عمل کو شروع کیا کہ آدمی حیلے اور بہانے سے دشمن کو قتل کرے تو اللہ کا حکم وہی ہے جس سے مسلمانوں کو غنیمت حاصل ہو۔ اسی طرح ا**لشافعی** رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر مسلمان دار الحرب میں جہاد کر رہے ہوں تو کوئی چھوٹی جماعت زیادہ یا کم تعداد میں امام کی اجازت سے یا بلا اجازت جنگ کرے تو یہ برابر ہے مگر میں اس کو مستحب سمجھتا ہوں کہ وہ امام کی اجازت کے بغیر نہ نکلے مگر یہ کہنا کہ بغیر اجازت کے نکلنا حرام ہے تو میں نہیں جانتا کہ حرام ہے۔ اس لیے **شافعی** رحمہ اللہ نے درج بالا حدیث سے استدلال کیا ہے۔

(ان رجلا من ا لا نصار تخلف عن ا صحابه بئر معو نة فر أی الطیر عکو فاً علی مقتلة اصحابه فقال لعمر بن امیه سا تقدم ا لی هو لآ ء ا لعدو فیقتلو ننی و لا أ تخلف عن مشهد قتل فیه أصحابنا ففعل فقتل)

انصار کا ایک آدمی بئر معونہ سے پیچھے رہ گیا تو اس نے دیکھا کہ اس کے ساتھیوں کی قتل گاہ پے پرندے جمع ہیں تو وہ کہنے لگا میں ان دشمنوں کی طرف جاؤں گا چاہے وہ مجھے بھی قتل کر دیں مگر میں ایسی جگہ سے جہاں ہمارے ساتھی شہید ہو گئے ہیں پیچھے نہیں ہٹوں گا۔ اس نے ایسا ہی کیا اور قتل ہو گیا تو عمرو بن امیہ وانس رضی اللہ عنہما واپس لوٹے اور نبی ﷺ کو سارا ماجرا بیان کیا تو آپ ﷺ نے اس کے جواب میں فرمایا

(**فھلا تقد مت فقاتلت حتی تقتل**)تو خود کیوں نہ آگے بڑھ گیا ان سے قتال کر تا یہاں تک کہ تو شہید ہو جا تا ؟ اگر ایک آدمی کا جماعت پے حملہ کرنا جائز ٹھہرا جہاں یقینی امر تھا کہ وہ قتل ہو جائے گا اور نبی ﷺ دیکھتے ہیں کہ وہ قتل ہو جائے گا (مگر اس کو حکم دیتے ہیں) یہ اس سے بڑھ کر ہے کہ چند آدمی بغیر امام کی اجازت کے حملہ آور ہوں(**ا لام الشافعی** رحمہ اللہ 242/4)۔

میں (مترجم) کہتا ہوں کہ اوپر مذکورہ حدیث میں ان لوگوں کے لیے بھی مثبت جواب ہے جو یہ کہتے ہیں کہ امام کی اجازت کے بغیر جہاد نہیں (واللہ اعلم)۔طے شدہ بات یہ ہے کہ بعض لوگوں نے جہاد الطلب میں امیر کی اجازت کی شرط لگائی ہے لیکن کیا جہاد الدفاع میں ایسی اجازت کی ضرورت ہے بلکہ کیا امام کی موجودگی کی شرط بھی ضروری ہے؟اور آج کا جہاد تقریبا ہر مسلمان ملک میں جہاد دفاع ہے(**و اللّٰـہ المستعان**)اور ہم یہ سمجھتے ہیں کہ بیت المقدس کے جوانوں کو اس بات کا بخوبی علم ہو گا کہ آج وہ ایسے غازی جن کا کوئی امام نہیں(**و اللہ حسبنا و حسبھم**)۔

اصولی اور فقہی قواعد کی دلالت:

یہ قاعدہ ثابت ہے کہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اسے روایت کیا بخاری و مسلم نے مقدمہ میں ابوداود اور ابن ماجہ نے اپنی سنن میں **عمر الخطاب** رضی اللہ عنہ سے وہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا(**انما ا لا عمال با لنیات و انما لکل امری ء ما نوی**)اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کے لیے وہی ہے جس کی اس نے نیت کی۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (**فتح ا لباری** 185/8) میں لکھتے ہیں اکیلے آدمی کا دشمن کی کیثر تعداد پے حملہ آور ہونا۔جمہور کہتے ہیں کہ اگر تو وہ اپنی شجاعت کی زیادتی کے لیے ہو اور یہ گمان رکھتا ہو کہ اس سے دشمن کو مرعوب رکھ سکے گا یا

مسلمانوں کو جرات دلائے گا دشمن کے خلاف اس طرح کے مقاصد کے لیے یہ حسن، ہے یعنی جائز ہے اور اگر چہ محض ہلاکت کی غرض سے ہو تو ممنوع ہے اور کچھ بعید نہیں کہ اس سے مسلمانوں میں بزدلی پھیلے (واللہ اعلم)

میں (مولف) کہتا ہوں کہ جب انسان اپنے نفس کا مالک ہوتا اور بندہ اس کا امین ہے بلکہ اس کے بارے میں مسئول ہے تو اس کے لیے وہ وہی صورت اختیار کرے گا جو بہتر ہو اور جو کوئی اللہ کی اطاعت میں اپنی انتھک کوشش کو لگا تا ہے وہ اللہ کے اوامر کا صحیح طور پے ادا کرنے والا ہے۔ جرم تو یہ ہے کہ جو شخص شہادت کا متلاشی ہو تا ہے ہم اس پے خودکشی کا حکم لگاتے ہیں جو اپنی جدوجہد کو اللہ کی راہ میں لگا تا ہے ہم اس کی نیت پے حکم لگاتے ہیں اور بغیر علم کے اس کے دل پے حکم لگاتے ہیں جبکہ ہم یہ جانتے ہیں کہ اگر وہ مجاہد خودکشی ہی کرنا چاہتا تھا تو اس کے لیے وہ دوسرے طریقے بھی اختیار کر سکتا تھا جو بہت زیادہ ہیں اور آسان بھی ہیں۔

استشہادی عمل یا فدائی حملہ پے ایک اور فقہی قاعدہ سے بھی استدلال کیا جاتا ہے (**ما لا یتم الواجب الا به فهو واجب**) واجب ادا کرنے کے لیے جو اجزاء ضروری ہیں وہ بھی واجب کے زمرے میں ہیں۔ یہ قاعدہ اصولیین کے نزدیک معتبر ہے تو ضعف و کمزوری اور بزدلی کے اس زمانے میں بلکہ جہاد سے روکے جانے کے اس زمانے میں...... مجاہدین کو دہشت گرد قرار دیئے جانے کے زمانے میں...... اور جہاد کی طرف جانے والے رستوں کو بند کیے جانے کے زمانے میں...... مجاہدین کے پاس اس کے سوا کوئی دوسرا راستہ نہیں رہ جاتا کہ وہ دشمن کی صفوں میں اپنے نفس کے ساتھ ٹوٹ پڑیں۔ دشمن کو سزا دینے کی امید سے اور شہادت کا یقین کرتے ہوئے جو مسلمانوں میں سے ان اعمال کو سرانجام دے کیونکہ جہاد کا کوئی دوسرا رستہ نہیں، جبکہ حالات بہت زیادہ تنگ ہوں تو اوپر مذکورہ قاعدہ سے استدلال کرتے ہوئے اس طرح کے حالات میں یہ عمل جائز و مشروع ہے۔

(اضواء البیان) میں شیخ **محمد امین بن مختار الشنطیقی** رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں **(ما قطعتم من لینة او ترکتموھا قائمة علی اصولھا فباذن اللّٰہ ولیخزی الفاسقین)** جو کھجوریں تم نے کاٹ دی اور جن کو کھڑا چھوڑ دیا تو یہ اللہ کے حکم سے تھا تاکہ وہ نافرمانوں کو رسوا کرے (الحشر 5)۔ لکھتے ہیں **(ان الاذن بالقتال اذن بکل ما یتطلبہ)** کہ قتال کے حکم میں ان تمام چیزوں کا حکم ہے جو جہاد کرنے کے لیے مطلوب ہیں اس قاعدہ کی بنا پر **(الا امر بالشئی امر بہ وما لا یتم الا بہ)** کسی چیز کے حکم میں ان اشیاء کا حکم بھی شامل ہے جن کے ساتھ وہ ادا ہوتی ہے۔

یہاں ایک اہم شبہ ہے جس کا رد کیا جانا بہت ضروری ہے کہ بعض معاصرین نے یہ فتوی دیا ہے کہ اکیلا حملہ آور استشہادی عمل کرنے والا خودکش ہے اور وہ قیامت کے دن وعید کا مستحق ہے ہم اس کا مذہب اسے علماء اصول کے اس قول سے یاد دلائیں گے **(لاقیاس مع الفارق)** کہ 'فارق' کے ساتھ قیاس جائز نہیں...... کیسے قیاس کیا جاتا ہے...... اس شخص کا!

☆...... جو اپنے نفس کو ایمان اور احتساب کے ساتھ استشہادی عمل یعنی بارود سے اڑا دیتا ہے اور اللہ کی طرف مطمئن خوشی خوشی جنت اور شہادت کے لیے متوجہ ہوتا ہے اور جو کچھ اللہ کے ہاں آخرت کا اجر ہے۔

اس شخص کے ساتھ!

☆...... جو اپنے نفس کو قتل کرتا ہے۔ مایوسی، غصے اور ناامیدی کے ساتھ قضاء وقدر پہ معترض ہوتے ہوئے، مصیبتوں اور تکلیفوں سے بچنے کے لیے موت سے جلدی کرتا ہے...... کیا یہ دونوں برابر ہیں؟

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں **(افنجعل المسلمین کالمجرمین ما لکم کیف تحکمون)** کیا ہم مسلمانوں کو مجرموں کے برابر کر دیں۔ تم کیسا حکم لگاتے ہو

اور اللہ فرماتے ہیں (**ام حسب ا لـذیـن اجتـر حـو ا السیـئات ان نجعلهم کـالـذیـن امنو و عملو اا لصا لحات سواء محیا هم و مما تهم سا ء ما یـحکمو ن**) وہ لوگ جنھوں نے برے اعمال کیے کیا ہم انہیں ان کے برابر کر دیں جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے، یہ کہ ان کی زندگی وموت کو ایک جیسا کر دیں، پس کیا ہی برا حکم ہے جو وہ لگاتے ہیں (**الجاثیة** 21)۔

اور جو کوئی استہشادی عمل کو خودکشی پے قیاس کرتا ہے اور دونوں کا حکم ایک جیسا لگاتا ہے اس دعوی کے ساتھ کہ دشمن کے سامنے قتل ہونے والا خود اپنے ہی بارود سے ہلاک ہوا نہ کہ دشمن کے اسلحہ سے تو اس نے قیاس کے اصولوں کو توڑ ڈالا کیونکہ اس نے اصولیوں کی تعریف قیاس پے صحیح غور نہیں کیا وہ کہتے ہیں (**هـو الـحاق فر ع با صل فی ا لحکم لعلةجامعه بینهما**) کہ قیاس ''فرع'' کا ''اصل'' کے ساتھ ملانا ہے ان کے درمیان کسی مشترک علت کی بنا پے۔ تو اس میں معاصرین نے 'علت' اور 'صفت' میں فرق نہیں کیا اور یہ گمان کیا کہ دونوں صورتیں ہی خودکشی ہیں اور انہوں نے اس بات پہ دھیان نہیں دیا کہ وہ علت جس نے خودکشی کرنے والے کو اپنی زندگی ختم کرنے پہ مجبور کیا ہے وہ ہے اپنی روح کو تقدیر کی سختیوں سے بچانا اور زندگی سے تنگ آنا اور یہ بات مجاہد کو جو چیز ابھارتی ہے اس کے سراسر خلاف ہے۔

اس جھگڑے کو مانتے ہوئے اگر ہم یہ تسلیم کر بھی لیں کہ خودکش نے براہ راست اپنے آپکو قتل کیا تو پھر اس شخص کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے جو اپنے آپ کو ہلاکت کے لیے پیش کرتا ہے کہ گاڑی کے رستے میں آجائے یا ریل کی پٹری پہ لیٹ جائے جیسا کہ مغربی ممالک میں خودکشی کا طریقہ رواج پذیر ہے۔ کیا وہ خودکش نہیں ہے حالانکہ اس نے کوئی ایسا آلہ اپنے اوپر استعمال نہیں کیا جو اسے قتل کر دے جیسے کہ کوئی زہر جو اسے مار دے یا کوئی لوہے کا اوزار جسے وہ اپنے پیٹ میں گھسا دے۔ نہ ہی اس نے اس مسئلہ میں اپنے آپ کو کسی پہاڑ سے نیچے گرایا ہے کہ خود کو ہلاک کر دے؟

استشہادی عملیات کے حکم میں مصالح اور مفاسد کا خیال رکھنا:

بندوں کے افعال واعمال پہ حکم لگاتے وقت مصالح ومفاسد کی رعایت رکھی جاتی ہے۔اس میں محض گمان یا فرض کر لینا درست نہیں کہ یہ عمل مفسدہ کی طرف لے جانے والا ہے جیسے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے باب میں کیا جاتا ہے۔

ابو حامد امام الغزالی رحمہ اللہ (**الاحیاء** 26/7 **مطبوعہ المنشورۃ مع شرحھا و ھو الاتحاف**) میں کہتے ہیں کہ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ اکیلے مسلمان کے لیے جائز ہے کہ وہ پوری صف پہ اکیلا حملہ آور ہو جائے اگر چہ اسے معلوم ہو کہ وہ قتل ہو جائے گا جیسے کہ اس کو اسطرح لڑنا جائز ہے کہ کافروں کے خلاف قتال کرتا ہوا قتل ہو جائے۔اسی طرح یہی معاملہ ہے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں۔لیکن اگر اسے پتہ ہو کہ اس کے اس حملہ کا دشمن کو کوئی بھی نقصان نہ ہوگا، جیسے کوئی اندھا (نابینا) کسی صف پہ اکیلا حملہ آور ہو جائے تو یہ حرام ہے اور آیتِ تہلکہ کے عموم میں داخل ہے۔ اس کا یہ اقدام اسی صورت جائز ہوگا جب اسے یہ معلوم ہو کہ وہ اس وقت تک قتل نہ ہوگا یہاں تک کہ قتال نہ کر لے۔اسوقت بھی یہ اقدام جائز ہوگا جب اسے پتہ چلے کہ اس کا یہ عمل دشمنوں کے دلوں میں رعب ڈال دے گا اور مسلمانوں میں شہادت کی محبت اور بڑھا دے گا اور دشمن کی شوکت ٹوٹ جائے گی اور دشمن سارے مسلمانوں کے بارے میں یہ سوچنے پہ مجبور ہو جائیں گے کہ ان کا ایک آدمی اگر ایسا لڑتا ہے تو باقی کیسے ہوں گے؟

میں (مؤلف) کہتا ہوں کہ معاملہ کی حساسیت اور دقت اور لوگوں کے درمیان اختلاف کے پیشِ نظر ان اعمال کے مصالح ومفاسد کو سامنے رکھتے ہوئے اہل علم کی طرف رجوع کیا جانا چاہیے اور اس کے ساتھ ساتھ عسکری ماہرین، میڈیا اور سیاسی لوگوں کی طرف بھی رجوع کیا جانا چاہیے۔ہم نے ان سے ملاقاتیں کیں اور ان سب کو اس بات پہ مجتمع پایا

کہ یہ کارروائیاں نہ تو کسی زمین کو آزاد کر سکتی ہیں، نہ ہی دشمن کے کسی حملہ کو پسپا کر سکتی ہیں اور نہ ہی کوئی غصب شدہ حق واپس دلا سکتی ہیں لیکن یہ کارروائیاں دشمن میں انتہاء درجہ کی خون ریزی کرتی ہیں اور اس کی قیمت کو کم کر دیتی ہیں اور دشمن کی صفوں میں بلبلہ اور خوف کی فضاء پیدا کر دیتی ہیں جس سے دشمن کے افراد میں خوف و ہراس پیدا ہو جاتا ہے۔ ان کارروائیوں سے جس قدر دشمن کا نقصان ہوتا ہے، اس سے انتقام لیا جاتا ہے لیکن حقیقت واقعہ نے اس میں موجود مصالح کو اس کے مفاسد پہ غالب کر دیا ہے والحمدللہ۔

ان مصلحتوں میں سے ایک یہ ہے کہ شہادت کی حرص دشمن کے خلاف عدّ ۃ یعنی تیاری کا نعم البدل ثابت ہوتی ہے اور دشمن کے اندر بہت گہرا معنوی و مادی اثر ڈالتی ہے۔ جیسے کہ اسکی مثالیں دیکھی جا سکتی ہیں بیت المقدس اور اس کے اطراف میں اور جس کا ہم نے مشاہدہ کیا جنوبِ سوڈان میں ''دبابین کی کاروائی'' جس نے واقعی طور پہ یہ ثابت کر دیا کہ شہادت کی محبت مسلمان کو کافر کی زندگی سے محبت پر فائق کر دیتی ہے۔

ان کارروائیوں سے دشمن کے اوپر دہشت اور رعب طاری ہوتا ہے اور ایسا کرنا مقاصدِ شرعیۃ میں سے ہے۔ اللہ عزوجل فرماتے ہیں (**سنلقی فی قلوب الذین کفروا الرعب بما اشرکوا باللّٰہ**) ہم ان کے شرک کے سبب انکے دلوں میں رعب ڈال دیں گے۔ اسی طرح اللہ فرماتے ہیں (**فاما تثقفنھم فی الحرب فشرد بھم من خلفھم لعلھم یذکرون**) جب کبھی جنگ میں آپ کا ان کے ساتھ مقابلہ ہو تو انکو ایسی مار مارو کہ انکے کے پیچھے والے بھی بھاگ کھڑے ہوں تا کہ وہ نصیحت پکڑیں (الانفال 57)۔

بخاری وغیرہم نے جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (**نصرت بالرعب مسیرۃ شھر**) ایک مہینے کی مسافت پر میری رعب کے ساتھ مدد کی گئی ہے۔ اس لیے جو شخص اللہ کے ہاں اپنا آپ بیچ دیتا ہے دشمن کی صفوں میں رعب ڈالنے کے لیے ایسا عمل جو طمانیت اور موت کے ساتھ کیا جائے بہت مئوثر ہے

اور اس کے اوپر کافی وشافی مثال موجودہ دور کی فدائی کارروائیاں ہیں۔ انہی کارروائیوں نے چیچنیا کی پہلی جنگ میں روسی زعما کی ناک کو خاک آلود کردیا یہاں تک کہ وہ ذلیل ہوکر مجاہدین کے ساتھ مذاکرات کرنے پہ مجبور ہوگئے اور اپنی ایڑیاں پھیر کر بھاگ کھڑے ہوئے اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا جب کہ رعب ان کے دل میں بیٹھ چکا تھا اور ان کے نشانے خطاء ہوگئے اور ہوا اکھڑ گئی (**فللّٰه الحمد و المنة**)۔

اس بات سے صرفِ نظر نہیں کہ جو ناظر دیکھتا ہے کہ دشمن اس کے جواب میں وحشیانہ کارروائی کرتا ہے اور اپنی پوری طاقت ظاہر کرتا ہے لیکن بندوں میں یہ اللہ عزوجل کی جاری سنت ہے۔ اللہ فرماتے ہیں (**ان یمسسکم قرح فقد مس القوم قرح مثله وتلک الایام نداولها بین الناس**) اگر تمہیں تکلیف پہنچی ہے تو ان لوگوں کو بھی ایسی تکالیف پہنچی ہیں اور ہم ایام کو لوگوں کے درمیان پھیرتے رہتے ہیں (**آل عمران** 140)۔ اللہ فرماتے ہیں (**الذین قال لهم الناس ان الناس قد جمعوا لکم فاخشوهم فزادهم ایمانا و قالوا حسبنا اللّٰه و نعم الوکیل**) وہ لوگ کہ جب انہیں لوگوں نے کہا کہ لوگ تمہارے لیے جمع ہوگئے ہیں پس ان سے ڈرو تو وہ کہنے لگے ہمیں اللہ کافی ہے اور بہتر کارساز ہے (**النسآء** 104)۔

ہم دیکھتے ہیں کہ وہ آدمی جس نے فدائی کارروائیوں کو اچھا نہیں جانا اور نہ ہی اس پہ کوئی اچھے کلمات کہے، وہ معذور ہے کیونکہ وہ ثمرہ اور فوائد جو ان کارروائیوں میں مجاہدین کو نظر آتے ہیں بعض اوقات وہ فوائد دوسرے آدمی کو نظر نہیں آتے یا اس سے خفیہ ہوتے ہیں۔ ایسے فوائد خاص طور پہ ان لوگوں کو نظر نہیں آتے جو جہاد سے پیچھے اپنے گھروں میں بیٹھے ہوتے ہیں۔ کسی چیز کا ظاہر ہونا یا خفیہ ہونا ایسے امور میں سے ہے کہ بعض اوقات کچھ چیزیں کچھ لوگوں پہ ظاہر ہوتی ہیں جو دوسروں سے مخفی ہوتی ہیں۔ جس طرح کسی انسان کو کسی کا حال معلوم ہوتا ہے اور وہ دوسرے کسی اور کو معلوم نہیں ہوتا۔ اسی طرح بعض بنیادی باتیں جو کہ اگرچہ خفیہ ہوتی ہیں لیکن لوگ

انہیں تسلیم کر لیتے ہیں اور جو ظاہر ہوتی اس کے باوجود وہ اس میں جھگڑا کرتے ہیں۔ انسانی نفس بعض اوقات ظاہری امور سے حاصل ہونے والی معلومات سے اتنا خوش نہیں ہوتا جتنا وہ ان امور سے خوش ہوتا جسکا علم اسے بحث وتمحیص سے حاصل ہوتا ہے۔
(شرح العقيدة الطحاوية ، لابن العز الحنفی / صفحه112)

فدائی حملوں میں قتل ہونے والے عام افراد:

وہ شخص جو فدائی کارروائیوں کو محض اس وجہ سے رد کرتا ہے کہ اس سے سویلین یعنی عام لوگ، عورتیں، بچے، اور بوڑھے ہلاک ہوتے ہیں۔ ایسے شخص کے لیے اس دعویٰ پر اس پہ کوئی حجت ودلیل نہیں۔ بخاری ومسلم، ابوداؤ، ترمذی، ابن ماجہ اور مسند احمد میں ابن عباس اور صعب بن جثامہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے (**سئل عن اهل الدار يبيتون من المشركين، فيصاب من نسائهم وذراريهم**) وہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ابواء یا ودان کے علاقہ سے گذرے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس علاقہ کے لوگوں کے متعلق سوال کیا گیا کہ ان پہ شب خون مارا گیا تو اس سے ان کی عورتیں اور بچے بھی قتل ہو جاتے ہیں تو ان کا کیا حکم ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (**هُمْ مِنهُمْ**) وہ انہی میں سے ہیں۔ اور میں نے انہیں فرماتے سنا (**لا حمىٰ الا للّٰه ولرسوله** صلی اللہ علیہ وسلم) غصہ وغضب صرف اللہ اور اس کے رسول کی خاطر رکھنا چاہیے۔

اس حدیث سے علماء نے جنگ میں شب خون کا جواز اخذ کیا ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ کہتے ہیں شب خون میں کوئی حرج نہیں جب کہ روم کے خلاف کیا شب خون نہیں مارے گئے تھے اور انہوں نے کہا (**لا نعلم احداً أكره البيات**) ہم نہیں جانتے کہ کسی نے شب خون مارنے سے کراہت کی ہو (المغنی مع الشرح الکبیر 10503/)۔ لہٰذا شب خون میں کسی قدر خطرہ ہے کہ اس میں بچے اور عورتیں بھی ہلاک ہو جاتی ہیں اور بوڑھے بھی قتل ہو جاتے ہیں۔ پس اس مسئلہ میں نصِ شرعی

اختلاف کی جڑوں کو کاٹ دیتی ہے۔

ترمذی ثور بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ (**ان النبی ﷺ نصب المنجنیق علی اهل الطائف**) کہ نبی ﷺ نے اہل طائف پہ منجنیق نصب فرمائی۔ جبکہ یہ بات معلوم ہے کہ منجنیق سے پھینکا ہوا پتھر سارے قلعے میں بلا امتیاز کہیں بھی گر سکتا ہے۔ پس اس کے ثبوت کے ساتھ محارب اور اس کے لاحقین کا فرق ختم ہو جاتا ہے۔ بلکہ اس میں اضافی بات یہ ہے کہ دشمن کے ساتھ تعامل میں اس کی دو گروہوں میں تقسیم ٹھیک نہیں کہ اس کی تیسری قسم کوئی نہیں۔ بلکہ محارب میں تو وہ بھی شامل ہو جاتا ہے جس نے صرف رائے اور مال کے ساتھ ہی مدد کی ہو جیسے کہ نبی ﷺ نے بنو قریظہ کے ساتھ کیا جبکہ ان کے قتال کے قابل تمام لوگ قتل کر دیئے گئے (**وهم القادرون علیٰ حمل السلاح**) اور وہ اسلحہ اٹھانے پہ قادر تھے اور کسی قرظی سے یہ سوال نہ کیا گیا (**احاربت ام لا؟**) کیا تو نے قتال کیا یا نہیں؟ کافر کا خون کوئی عقد (معاہدہ) یا ذمہ ہی بچا سکتا ہے تو کیا یہودیوں کا فلسطین میں مسلمانوں کے ساتھ کوئی عہد یا ذمہ ہے؟

خلاصہ بحث:

اس موضوع کا خلاصہ درج ذیل نقاط میں کیا جا سکتا ہے۔

- دفاعی ہو یا اقدامی، جہاد قیامت تک کے لیے ہر نیک و بد امام کے ساتھ جاری ہے اور کسی کے لیے یہ جائز نہیں کہ بنا کسی شرعی عذر کے اسے موقوف کرے یا ساقط کرے۔
- عام طور آج مسلمان جس قسم کے جہاد سے واقف ہیں جو آج افغانستان، بوسنیا، چیچنیا، فلسطین اور فلپائن وغیرہ میں ہو رہا ہے وہ دفاعی جہاد ہے نہ کہ اقدامی اور کوئی بھی فرد جس پہ جہاد فرضِ عین ہو گیا ہے اس کے نکلنے کے لیے کسی امیر کے وجود کی، نہ ہی کسی خاص و عام ولی الامر کے اذن کی ضرورت ہے۔

◉ آج جس مسئلہ کو لوگ ''استشہادی کارروائیوں'' کے مسئلہ کے نام سے جانتے ہیں وہ اس زمانہ کا مسئلہ ہے اور اس پہ حکم لگاتے ہوئے مصالح ومفاسد کا خیال رکھا جائے گا جو کہ زمان ومکان کے اختلاف کے ساتھ مختلف ہوسکتا ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے کہ آج اہل علم کے درمیان اسے مقرر کرنے میں اختلاف ہے۔ پس ان کی آراء انہیں چیزوں کے تابع ہوتی ہیں اور تمام لوگ اپنے اجتہاد پہ معذور ہیں اور سب کے لیے خیر کی امید کی جائے نہ کہ اس بات پہ ان کی اعراض کو ستا کر لیا جائے۔

◉ سیرۃ نبویۃ ﷺ کے واقعات میں، قولی وفعلی سنتوں میں، سلف الصالح کے افعال اور آئمہ کے اقوال میں ایسی صراحتیں موجود ہیں جو بطریقِ قیاس (علت کے توافق) کے ساتھ موجودہ استشہادی عملیات کی مشروعیت پہ دلالت کرتی ہیں خاص طور پہ ان علاقوں میں جہاں جہاد فرض عین ہے جیسے کہ فلسطین وعراق وغیرہ۔

◉ قیاس فرع کو اصل کے ساتھ ملانے کو کہتے ہیں جب کہ ان کے درمیان کوئی جامع علت موجود ہو۔ پس استشہادی عملیات میں اور دشمن پہ اکیلے حملہ آور ہونے اور شہادت کی تلاش میں اس پہ دھاوا بول کے اپنی جان کو خطرے میں ڈالنے میں ''علت'' مشترک ہے اور ان دونوں کا حکم ایک ہے چاہے ان کے نام مختلف ہوں۔

◉ استشہادی عملیات کو خودکشی کے ساتھ تشبیہ دینے کی کوئی معقول وجہ نہیں ہے کیونکہ اس میں نیت، وجہ اور اس کا اثر تینوں مختلف ہوتے ہیں اور نہ ہی ایسی عملیات کرنے والوں پہ خودکش کا حکم لگایا جانا چاہیے۔ اس لیے کسی کے لیے بھی یہ جائز نہیں کہ ان کی نیت پہ حکم لگاتا پھرے بلکہ انہیں احسن جہت پہ محمول کیا جائے گا جیسے کسی ساکت کی طرف کوئی قول منسوب نہیں کیا جاسکتا۔

◉ جہاد میں جب مہلک جگہوں پہ وارد ہونا جائز ٹھہرا اور اس پہ اجماع کا انعقاد بھی ثابت ہے، پس اس کی ایک واضح صورت ہمارے زمانے میں استشہادی عملیات ہیں جو کہ اپنے نفس کو دشمن کے درمیان پھاڑنے، ان پہ حملہ آور ہونے اور انہیں تباہی

کی طرف منتقل کرنے پہ مشتمل ہے۔ جیسے کہ زبردستی دشمن کی گاڑیوں کا رخ موڑنا یا اس طرح کی کوئی اور صورت۔ اس لیے ایسے تمام افعال کی مشروعیت کے قول کی ہم نے ضرورت محسوس کی۔

◉ بعض معاصر علماء نے اپنے فتاویٰ اور احکام استشہادی عملیات پہ اور ان کے نافذ کرنے والوں اور اس کے اثرات پہ جو حکم لگایا ہے وہ سب حق ہے یا اسکا اکثر صحیح ہے جس پہ تدبر کے ساتھ مصالح و مفاسد کو سامنے رکھتے ہوئے وقوف کرنا ضروری ہے۔ اس لیے ایسے معاملے میں انفرادی عمل اور خوامخواہ طیش میں آنا کسی طور درست نہیں۔ نہ ہی امیر جہاد کی اطاعت سے باہر نکلنا چاہیے۔ یہ بات جان لینا چاہیے کہ وہ فتاویٰ جو ان عملیات کو جائز قرار نہیں دیتے وہ مفسدۃ کو مصلحہ پہ غالب کرنے کے ساتھ مشروط ہیں۔ یہ شرطِ مفسدۃ اپنے زوال کے ساتھ ہی زائل ہو جائے گی۔ کیونکہ اس فتویٰ سے تحریمِ مطلق ہی مراد نہیں لینی چاہیے چاہے اس کے الفاظ کتنے سخت ہوں اور اس کے اصحاب کیسے متحد ہوں۔

◉ وہ شخص جو فدائی کارروائیوں کو اس دعویٰ پہ رد کرتا ہے کہ اس سے بعض سویلین شہری لوگ مثلاً عورتیں بچے اور بوڑھے شکار ہوتے ہیں جو کہ غیر محارب ہیں، ایسے شخص کے لیے اس میں کوئی دلیل نہیں وہ بھی ایک ایسے وقت میں جبکہ تمام اہلِ کفر اپنی آراء اور اموال کے ساتھ اور ٹیکسوں کے ذریعے نہ صرف انکی مدد کر رہے ہیں بلکہ ان کی آوازوں میں اپنی آواز بھی ملا رہے ہیں۔

◉ فدائی یا استشہادی کارروائیاں جہاد کے وسائل میں سے ایک شرعی وسیلہ ہیں جن کی طرف ضرورت کے وقت بمقدارِ ضرورت رجوع کیا جاتا ہے جبکہ یہ کوئی اصل متعین نہیں ہے۔ نہ ہی یہ کفار، منافقین سے جہاد کرنے اور ان پہ سختی کرنے کا واحد راستہ ہے۔ اس لیے امت کو چاہیے کہ استعداد اور اعداد کی تمام صورتوں کو مہیا کرے۔

جیسے کہ اللہ عزوجل فرماتے ہیں (**واعدوا لهم ما استعتم من قوة**

ومن رباط الخیل ترھبون به عدو اللّٰه و عدو کم)اور جہاں تک تمہارا بس چلے کافروں کے لیے طاقت جمع رکھو اور تیار بندھے ہوئے گھوڑے، اس سے تمہارے اور اللہ کے دشمنوں کے دلوں میں تمہاری دہشت بیٹھ جائے گی۔

اس کے ساتھ ہم اللہ سے دعاء گو ہیں!

کہ اللہ اس دین کو تمکنت بخشے جسے اس نے اپنے ان بندوں کے لیے پسند کیا ہے جو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے اور اس کی راہ میں ہر مہنگی و سستی کوشش کو بروئے کار لاتے ہیں۔ اللہ سے ہم دعا گو ہیں کہ ہماری آنکھوں کو اس دین کی نصرت و تمکین کے مناظر سے ٹھنڈا کرے اور ہمیں مسجدِ اقصیٰ میں نماز پڑھنا نصیب کرے اور اس کے اطراف میں پہرے کی توفیق دے اور اس کے محاذوں پہ جہاد کی سعادت عطا کرے (آمین)۔

وصلی اللّٰه علی نبینا محمد ﷺ وبارک علی نبینا واله وصحبه اجمعین

وکتب:

احمد بن عبد الکریم نجیب

(الملقب بالشریف)

Deblin/Ireland

8فی غرة صفر الخیر 1423 **هجری**

15 **اپریل**2002

باردوتی بیدی وبجعبتی کفنی		یا امتی انتظری نصری و لا تھنی
بعقیدتی امضی ابقیٰ مع الزمن		حصنی اذا عصفت بی موجۃ الفتن
فلیھدموا بیتی، بیتی من الطین		وقرآنی لی زاد فی شدۃ المحن
ساظل امطرھم حمم البراکین		و أذیقھم غضبی ذُلًّا مع الھون
لن یسکنوا ارضیٰ و اکون فی الدون		فلیسفکوا دمنا فوق الثری یجری
یا دولۃ الکفر بعلوجک الحمر		لن نرتضی یوماً بالذل و القھر

☆......بارود میرے ہاتھ میں ہے اور میرے جبہ میں میرا کفن ہے اے قوم مایوس نہ ہو، میری فتح کا انتظار کر۔

☆......جب میرے قلعے میں فتنوں کی ہوائیں چلیں گی، میں عقیدہ کے ساتھ سفر جاری رکھوں اور زمانے میں زندہ رہ سکوں گا۔

☆......میرا گھر مٹی کا ہے اسے ڈھانا ہے تو ڈھادو کیونکہ سخت فتنوں میں قرآن میرا زادِ سفر ہے۔

☆......میں ان پہ آتش فشانوں کی گرمی برساتا رہوں گا اور ذلت کے ساتھ انہیں اپنے غصہ کا ذائقہ چکھاؤں گا۔

☆......وہ میرے جیتے جی میری زمین پہ قرار نہ پکڑ پائیں گے، پس ہمارا خون بہادو چاہے اس سے آسمان بھی سرخ ہو جائے۔

☆......اے کفر کی حکومت تیرے کفر کے سبب ہی یہ دشمنی ہے، ہم تیرے ظلم و قہر پہ بالکل راضی نہ ہوں گے۔

کیا یہودیوں کے خلاف فدائی کاروائیوں میں شریعت کی مخالفت ہے؟

فتویٰ

فضیلۃ الشیخ سلیمان بن ناصر العلوان
(حفظہ اللہ تعالیٰ)

فضیلۃ الشیخ سلیمان بن ناصر العلوان (حفظہ اللہ)

ایک تعارف

شیخ سلمان بن ناصر بن عبداللہ بن العوان شہرِ ''بریدۃ'' میں پیدا ہوئے اور وہیں پروان چڑھے۔ان کی ولادت 1389 ہجری میں ہوئی۔ان کے کل پانچ بھائی ہین جبکہ وہ تیسرے نمبر پر ہیں۔1410 ہجری میں وہ رشتہ ازواج میں منسلک ہوئے اوران کے تین بیٹے ہیں جن میں بڑے کا نام عبداللہ ہے۔

شیخ نے اپنا تعلیمی سفر 1404 ہجری میں شروع کیا جبکہ ان کی عمر قریبا 15 سال تھی اوراس وقت وہ متوسطہ کے تیسرے مرحلہ میں تھے۔متوسطہ سے فراغ کے بعد وہ ثانویہ کے مدارس میں داخل ہوئے جبکہ ان کا یہ عرصہ پندرہ دنوں سے متجاوز نہ تھا لیکن اس کے بعد انہوں نے سرکاری تعلیم کو ترک کر دیا اوراپنے آپ کو علومِ شرعیہ کے حصول کے لیے مکمل طور پہ وقف کر دیا اور علماء کی صحبت اختیار کر لی۔مطالعہ کتب اور مختلف علوم میں پڑھائی وحفظ کے وہ بہت زیادہ شیدا تھے۔اپنے تعلیمی سفر کی ابتدا سے ہی جبکہ وہ تعلیم کے لیے بالکل فارغ تھے وہ اپنے دن کا اکثر حصہ کتب حفظ کرنے اور مذاکرہ ومباحثہ میں صرف کرتے تھے۔

علم کے حصول میں شیخ کا طریقہ:

سب سے پہلے شیخ نے قرآن حفظ کیا اور 1407 ہجری میں اسے مکمل کر لیا اس کے بعد انہوں نے شیخ محمد بن عبدالوھاب رحمہ اللہ کی کتاب التوحید، ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ کی عقیدۃ واسطیہ، الفتویٰ الحمویۃ اور البیقونیۃ حفظ کی۔حفظ کا یہ سارا مرحلہ تعلیم کی ابتداء سے قبل تھا۔اس کے ساتھ وہ ان ایام میں ابن تیمیہ، ابنِ قیم، سیرۃ ابنِ ہشام، البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر، مئولفاتِ ابن، رجب رحمہم اللہ، اور ائمہ نجد کی تألیفات کا

مطالعہ کرتے تھے۔اس کے علاوہ شیخ بعض متخصص علماء کے پاس بعض کتب کے متون بھی حفظ کرتے تھے۔دروس کا یہ سلسلہ روزانہ ہوتا تھا سوائے جمعہ کے دن کے۔اس طرح ایک دن میں وہ چار مشائخ کے پاس جا کر اکتسابِ فیض کرتے تھے۔اور یہ فجر کے بعد،ظہر کے بعد،مغرب کے بعد اور عشاء کے بعد کے اوقات ہوتے تھے۔

شیخ حفظہ اللہ تمام فنون میں کتب کے متون حفظ کرنے پر بہت حریص تھے اور کسی بھی متن کو حفظ کرنا شروع نہ کرتے یہاں تک کہ اسکی شروح کا مطالعہ نہ کر لیتے۔فقہ میں شیخ دوسرے مذاہب کے متعلق بھی بہت شوق رکھتے یہاں تک کہ انہوں نے مذاہبِ اربعہ کے حفظ کو شروع کیا اور اس کے ساتھ ابنِ حزم، ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد ابنِ القیم رحمہم اللہ کے اجتہادات و اختیارات کو حفظ کرنا شروع کیا۔میں نے ان سے سوال کیا کہ آپ کتنے گھنٹے ایک دن میں پڑھائی کے لیے صرف کرتے تھے۔تو انہوں نے جواب دیا کہ ایک دن میں میں پندرہ گھنٹے سے زائد پڑھتا تھا اور یہ سارا وقت حفظ اور مطالعہ پر منقسم ہوتا تھا۔پھر میں نے ان سے پوچھا کہ کتبِ عقیدہ، حدیث، فقہ، نحو وگیرہ کے علاوہ فکری کتب، احوالِ عالم اور مسلمانوں کے مسائب کو جاننے کے لیے کیا آپ کسی اور چیز کا مطالعہ بھی کیا کرتے تھے؟ یہ کتابیں میں شروع میں پڑھا کرتا تھا اور شروع میں جو کتابیں میں پڑھیں ان میں محمد قطب کی ''واقعنا المعاصر''، ''المخططات الاستعماریہ لمکافحۃ الاسلام لمحمد صواف '' اور ان دنوں میں اس قسم کی کتب بہت پڑھتا ہوں۔اس وقت تک میں دوسو سے زائد کتب اس موضوع پر پڑھ چکا ہوں۔اسی طرح میں نے اصولِ رافضہ، زیدیۃ اور معتزلۃ جیسے گمراہ فرقوں کی کتبِ اصول کا مطالعہ کیا ہے۔میں نے شیخ سے پوچھا کہ آپ نے کہ آپ نے ادب کی کتب کا کوئی ذکر نہیں کیا کیا آپ کتبِ ادب کا مطالعہ نہیں کرتے؟ تو انہوں نے جواب دیا،اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ میں نے ان کتب کو نہیں پڑھا بلکہ میں نے جاحظ کی تمام کتب کا مطالعہ کیا ہے، الکامل للمبرد،

تأ لیفاتِ ابنِ قتیبہ ،خزانۃ الادب، معلقات السبع کی شروح اور ادب کے مشہور دیوانوں کا مطالعہ بھی کیا ہے۔اسی طرح میں نے متأخرین کی بہت سی کتب سے بھی استفادہ کیا ہے۔اسی طرح میں مصطفیٰ العافعی کی کتب ، عباس العقاد کی بعض کتب،المنفلوطی کی النظرات اس کے تینوں اجزاء،محمود شاکر کی تالیفات، سید قطب رحمہ اللہ کی تالیفات اور بہت سے متاخرین ادیب کی کتب کا بھی مطالعہ کیا ہے۔

میں نے پوچھا کہ ان فوائد کے متعلق جو آپ کتب کے مطالعہ کے دوران لکھتے ہیں؟ تو انہوں نے کہا شروع میں جب میں کسی کتاب کا مطالعہ کرتا تو اس کے لیے علیحدہ اوراق رکھ لیتا جن پر میں ان کا خلاصہ، اہم مسائل اور اشکالات وغیرہ لکھ لیا کرتا تھا۔لیکن ان دونوں میں میں ایسا نہیں کرتا بلکہ فوائد کا خلاصہ پہلے صفحہ پہ لکھ لیتا ہوں اور اس کے ساتھ صفحہ کا حوالہ لکھ لیتا ہوں تا کہ ضرورت کے وقت کام آئے۔

مشایخ واساتذہ:

شیخ نے بعض علماء کے سامنے قصیم شہر میں زانوئے تلمذ طے کیے ان میں

(۱) فضیلۃ الشیخ الفقیہ / صالح بن ابراہیم البلیہی :(ان کے پاس انہوں نے کتاب التوحید اور عمدۃ الاحکام حفظ کی اور ان کے سامنے ’’السلسبیل‘‘ کی پہلی جلد پڑہی اور بلوغ المرام کتاب النکاح تک)۔

(۲) **فضیلۃ الشیخ المحدث / عبد اللہ الدویش** ۔(ان کے پاس پوری کتاب التوحید حفظ کی اور عقیدۃ الواسطیہ ،فتویٰ حمویہ والآجرومیہ)۔

(۳) **فضیلۃ الشیخ عبد اللہ محمد الحسین أبالخیل** (ان کے پاس نخبۃ الفکر، البیقونہ،فتویٰ حمویۃ والرحبیۃ ، بلوغ المرام حفظ کیں اور ان کے سامنے شرح عقیدۃ الطحاویۃ ، جامع الاصول لابن الاثیرؒ،صحیح بخاری اور سنن ابی داؤد وغیرہ پڑھی)۔

(۴) **فضیلۃ الشیخ محمد بن سلمان العلیط** (ان کے پاس الاصول الثلاثہ پڑھیں اور زادالمستقنع کا بعض حصہ اور سلم الاصول لحافظ حکمی، فضل الاسلام

لمحمد بن عبدالوھاب رحمہ اللہ اور ان کے سامنے جامع العلوم والحکم لابن رجب اور زاد المعاد لابن القیم وغیرہ پڑھیں)۔

(۵) فضیلة الشیخ محمد بن فهد الرشودی (ان کے پاس ورقات لابن الجوینی، بلوغ المرام لابن الحجر، المنتقیٰ من اخبار المصطفی لمجد الدین ابوالبرکات ابن تیمیة، مسائل الجاہلیہ لمحمد بن عبدالوہاب، الکلم الطیب لابن تیمیہ، اور الفوائدالجلیہ فی المباحث الفرضیہ للشیخ ابن باز وغیرہ حفظ کیں)۔

(٦) فضیلة الشیخ احمد بن ناصر العلوان (انکے پاس الاجرومیہ، الفیہ ابن مالک کا اکثر حصہ اسی طرح نحو میں انہوں نے ملحۃ الاعراب کو بھی حفظ کیا)۔

(۷) اسی طرح آپ نے اکثر طلاب العلم کے سامنے بریدة شہر میں بہت سی کتب کا مطالعہ کیا اور ان کے ساتھ آداب المشی الی الصلاة، کشف الشبہات اور الاصول الثلاثہ حفظ کی۔

درس وتدریس:

شیخ نے درس وتدریس کا سلسلہ اپنے گھر میں 1410 ہجری میں شروع کیا اسی طرح 1411 ہجری میں آپ افادہ وتدریس کے لیے مسجد میں منتقل ہوگئے۔ شیخ کے دروس سارا ہفتہ فجر، ظہر اور مغرب کے بعد ماسوائے جمعہ کے جاری رہتے تھے۔ شیخ نے حدیث کی کتب میں سے صحیح بخاری، جامع ابی عیسیٰ الترمذی، سننِ ابی داوٗد، مئوطا امام مالک، بلوغ المرام، عمدة الاحکام اور اربعین النوویة وغیرہ کی شروح کی۔ اسی طرح مصطلح میں الموقظہ للذھبی رحمہ اللہ اور مختصر علوم الحدیث لحافظ ابنِ کثیر اور شرح السخاوی علی الفیہ العراقی کی شرح کی۔

اسی طرح علل میں المطبوع من العلل لعلی ابن المدینی والتمییز لمسلم اور شرح ابنِ رجب علی علل الترمذی۔ عقیدة میں التدمیریہ، فتویٰ حمویة، عقیدة واسطیہ،

کتاب التوحید، الشریعہ للآجری، السنۃ لعبداللہ بن احمد بن حنبل، السنۃ لابن نصر، الابانہ لابن بطہ، الصواعق لابن القیم اور النونیۃ لابن القیم وغیرہ کی شرح کی۔ فقہ میں شیخ نے زاد المستقنع، ابی شجاع فی الفقہ الشافعی، الروضہ الندیۃ لصدیق حسن خان، حاشیۃ الروض المربع لابن قاسم، عمدۃ الفقہ لابن قدامۃ، الرحبیۃ فی الفرائض، الورقات فی اصول الفقہ اور مرقی السعود وغیرہ کی شرح کی۔ نحو میں شیخ نے الآجرومیہ، الملحہ اور الفیہ ابن مالک کی شرح کی۔ اسی طرح تفسیر میں ابن کثیر رحمہ اللہ، الجلالین اور تفسیر البغوی کی شرح کی۔

تدریس پر پابندی:

1417 ہجری میں بعض غیر معروف وجوہ کی بنا پر شیخ کو مسجد میں تدریس سے روک دیا گیا اور تا حال وہ موقوف ہے......!

فضیلۃ الشیخ سلمان بن ناصر العلوان (حفظہ اللہ تعالیٰ)

آپ جانتے ہیں کہ اس وقت فلسطینی مسلمانوں پہ یہودی مجرموں کے ہاتھوں اور عربوں کے رسوا کن سکوت کے سبب کیا بیت رہی ہے۔تو کیا یہودیوں کے خلاف فدائی کارروائیوں میں شریعت کی مخالفت ہے؟

الجواب:

یہودی ذلیل لوگ ہیں اور نقائص وعیوب کا مرقع ہیں اور اللہ کے یہ دشمن اسلام اوراس کے اہل کے خلاف بہت شریر ہیں۔اللہ فرماتے ہیں(**لتجدن اشد الناس عداوۃ للذین اٰمنو الیھود والذین اشرکوا**)ضرور آپ پائیں گے لوگوں میں مومنوں کی دشمنی میں سب سے زیادہ سخت یہودیوں کواوران لوگوں کو جومشرک ہیں (المائدہ،82)۔اللہ تعالیٰ نے ان کے خلاف جہادوقتال فرض کیا ہے تا کہ اللہ کا کلمہ بلند ہوجائے اورکلمہ کفر نیچا ہوجائے۔لیکن ان کے متعلق یہ حکم تو اس وقت ہے جب وہ اپنے گھروں میں ٹکے ہوئے ہوں اور کسی بھی عہد ومیثاق کو نہ توڑ رہے ہوں، نہ ہی مسلمانوں کے اموال سلب کر رہے ہوں اور نہ ان کی زمینوں کوغصب کر رہے ہوں تو اللہ فرماتے ہیں(**قاتلوا الذین لا یوء منون باللّٰہ ولا بالیوم الآخر ولا یحر مون ما حرم اللّٰہ و رسولہ و لا یدینون دین الحق من الذین اوتوا الکتاب حتی یوء تو الجزیۃ عن ید و ھم صغرون**)اہل کتاب کے ان لوگوں کے ساتھ قتال کروجواللہ اورآخرت پہ ایمان نہیں لاتے اور نہ ہی اللہ اوراسکے رسول کے محرم کردہ کو حرام جانتے ہیں، نہ ہی دین حق کواختیار کرتے ہیں یہاں تک کہ وہ (اس قتال کے سبب)اپنے ہاتھوں سے جزیہ دیں اوروہ ذلیل ہوں (التوبہ 29)۔

لیکن جب اللہ کے دشمن اپنے تلواریں سونت کے ہمارے سینوں پہ رکھ دیں اور ہر چھوٹے بڑے کورعب میں مبتلاء کردیں اورزمینوں کوغصب کرلیں اورعزتوں کو

لوٹنا شروع کر دیں تو ایسے میں مسلمانوں کے اہلِ قدرت پہ ان کے ساتھ قتال کرنا، ان کا خون بہانا، ان کے خلاف دائمی جہاد کرنا یہاں تک پورا فلسطین اور عام مسلمانوں کے ملک آزاد ہو جائیں، واجب ہے۔ شرعی طور پہ یہودیوں کے لیے مسلمانوں کا اپنی زمینوں کے کسی ایک بھی جزء سے دستبردار ہونا جائز نہیں ہے اور نہ ہی ان کے ساتھ کسی قسم کی صلح جائز ہے کہ وہ اہل، مکرو دھوکہ ہیں۔

میں یہ دیکھتا ہوں کہ اس وقت، یہودیوں سے قتال کرنے میں، ان کے اندر تباہی پھیلانے اور انہیں اپنی مقدس زمینوں سے نکالنے میں مسلمان رسوائی پہ راضی ہیں۔ جبکہ اس کا بہترین طریقہ کہ جس کے ساتھ بندر کے ان بھائیوں کا علاج کیا جا سکتا ہے وہ ہے ''فدائی کارروائیوں'' کا قیام اور اپنے نفس کو دین کے محمود مقاصد کے لیے پیش کرنا ہے کہ جس سے رعب دشمن پہ طاری ہو جائے اور ان کے مال اور بدن میں خسارے کے بادل منڈلانے لگیں۔

فدائی کارروئی یا استشہادی کارروائی کے جواز کی دلیلیں بہت زیادہ ہیں جو کتب میں منشور ہیں۔ میں نے ایک جگہ پہ دس سے کچھ اوپر ذکر کی ہیں اور ان کے نتائج وخوبیاں بھی بیان کی ہیں جو اس کی تطبیق سے واضح ہیں۔ اللہ فرماتے ہیں **(ومن الناس من یشری نفسه ابتغاء مرضاة الله والله رءوف بالعباد)** اور لوگوں میں سے وہ ہے جو اپنے نفس کو اللہ کی رضاء کی تلاش میں بیچ ڈالتا ہے، بے شک اللہ اپنے بندوں پہ بہت رحیم ہے (البقرۃ 207)۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور آئمہ تابعین رحمہم اللہ سے اس آیت کی تفسیر میں جو اقوال منقول ہیں وہ اس بات کی دلیل ہیں کہ جس شخص نے اپنے نفس کو اللہ کی خاطر بیچ دیا اور دشمن کے اندر گھس گیا اور پیچھے نہ ہٹا اگر چہ اسے یقین ہو کہ وہ اسے قتل کر دیں گے تو وہ اس عمل میں محسن ہے اور اپنے رب سے اجر کا ادراک کرنے والا صابر وشہید شمار کیا جائے گا۔

صحیح مسلم (3005) میں حماد بن سلمہ کے طریق سے روایت ہے وہ کہتے

ہیں ہم سے ثابت البنانی نے بیان کیا وہ عبدالرحمٰن ابن ابی لیلیٰ سے وہ صہیب رضی اللہ عنہ سے اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں بادشاہ، جادوگر اور بچے کے قصہ میں اور اسمیں ہے کہ پھر اس موحد بچے نے بادشاہ سے کہا کہ تو مجھے قتل نہیں کرسکتا یہاں تک کہ تو وہ نہ کرے جس کا میں تجھے حکم دیتا ہوں۔ بادشاہ کہنے لگا وہ کیا ہے بچے نے کہا کہ لوگوں کو ایک میدان میں جمع کر اور مجھے سولی پہ لٹکا پھر میرے ترکش سے ایک تیر لے پھر اسے کمان میں ڈال پھر کہہ **بسم اللّٰہ رب الغلام** شروع اللہ کے نام سے جو اس بچے کا رب ہے پھر مجھے وہ تیر مار، اگر تو نے ایسا کیا تو تو مجھے قتل کر پائے گا۔ تو بادشاہ نے لوگوں کو ایک میدان میں اکٹھا کیا اور اس بچے کو سولی پہ لٹکایا پھر اسے مارا تو تیر اسکی شہ رگ پہ لگا تو اس نے اپنا ہاتھ اس جگہ پہ رکھ لیا تو لوگ کہنے لگے **امنا برب الغلام امنا برب الغلام** ......ہم بچے کے رب پہ ایمان لائے۔

بادشاہ سے کہا گیا کہ جس بات سے تو ڈرتا تھا وہی ہوئی اللہ نے تیرے لیے خطرہ بھیج دیا ہے۔ دیکھ سارے لوگ ایمان لے آئے۔ تو بادشاہ نے خندقیں کھودنے کا حکم دیا اور اس میں لکڑیاں ڈال کے خوب آگ بھڑکائی گئی پھر اس نے کہا کہ جو اپنے دین سے نہیں پھرے گا اس کو اس آگ میں ڈال دو یا ان سے کہو کہ آگ میں کود جائیں۔ تو سب لوگ آگ میں کود گے یہاں تک کہ ایک عورت کی باری آئی اور اسکے ساتھ اسکا ایک شیر خوار بچہ تھا تو عورت نے اس کے لیے شفقت کرتے ہوئے کچھ سست روی کا مظاہرہ کیا تو بچہ بول اٹھا ''**یاامه اصبری فانک علی الحق**'' اے ماں صبر کہ تو حق پہ ہے'' اور اس آگ میں کود جا۔

اس حدیث میں استشہادی کارروائی جسے مجاہدین اللہ کی راہ میں مفسد یہودیوں اور عیسائیوں کے خلاف نافذ کرتے ہیں اسکی صحت پہ دلیل ہے۔ کیونکہ اس میں بچے نے بادشاہ کو اپنے قتل کی راہ بتائی جبکہ بادشاہ اپنے لشکر و اعوان کے ساتھ اسے قتل کرنے سے عاجز آچکا تھا۔ پس بچے کے اس فعل میں قتل نفس کا تسبب ہے جبکہ

بچے کے اس عمل اور استشہادی کارروائی میں مشترک چیز یہ ہے کہ دونوں کا حکم اپنے قتل میں مباشرت کرنا یعنی بلاواسطہ خود ایسا عمل کرنا۔ جبکہ ان دونوں مسئلوں سے غایت و مقصود حق کی نصرت اور یہود و نصاری اور مشرکین کی تباہی ہے۔ ان کے چیلوں اور مددگاروں کی قوت میں کمزوری اور ان کے دلوں میں رعب بٹھانا ہے۔

مصلحت کا تقاضا یہی ہے کہ مسلمان ایک آدمی یا چند آدمیوں کے ذریعے کفار میں دہشت پھیلاتے اور انکی قوت کو کمزور کرتے ہیں۔ اللہ فرماتے ہیں(**واعدوا لهم ما استطعتم من قوة ومن رباط الخيل ترهبون به عدو الله وعدوكم و آخرين من دونهم لا تعلمونهم الله يعلمهم**)اور جہاں تک تمہارا بس چلے کافروں کے خلاف قوت اور بندھے ہوئے گھوڑے تیار رکھو اس سے اللہ کے اور تمہارے دشمن دہشت زدہ ہو جائیں گے اور ان کے دلوں میں دہشت بیٹھ جائے گی جن کو تم نہیں جانتے صرف اللہ ہی جانتا ہے۔ اکثر اہل علم نے اس بات کی رخصت دی ہے کہ مسلمان کے لیے دشمن کی صفوں کے اندر گھسنا جائز ہے چاہے اسے یقین ہوں کہ وہ اسے قتل کر دیں گے۔ اسی طرح اکثر علماء نے ان قیدیوں کو قتل کرنے کا جواز پیش کیا ہے جب کہ کافر ان کو بطور ڈھال استعمال کر رہے ہوں اور کافروں کا ضرر ان مسلمان قیدیوں کے قتل کیے بغیر دور کیا جانا ممکن نہ ہو تو ایسے میں قتل کرنے والا مسلمان مجاہد ہے اور اللہ کی طرف سے ماجور ہے اور قتل ہونے والا شہید ہے(واللہ اعلم)۔

اخوکم:

سليمان بن ناصر العلوان

10/7/1421ہجری

snallwan@hotmail.com

خودکشی اور استشہادی کارروائیوں میں کیا فرق ہے؟

فتویٰ

فضیلۃ الشیخ حمود رحمہ اللہ بن عقلاء الشعیبی

(جزیرۃ العرب حجاز)

الشیخ حمود بن عقلاء الشعیبی رحمہ اللہ کا تعارف

شیخ حمود بن عقلاء الشعیبی رحمہ اللہ کا شمار دورِ حاضر کے ممتاز ترین علمائے دین میں ہوتا ہے۔ آپ کی وسعتِ علمی اور بیباکانہ حق گوئی کی بدولت نہ صرف جزیرۂ عرب بلکہ تمام عالمِ اسلام میں آپ کو عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھا گیا۔ آپ نے اپنی زبان وقلم سے تمام عمر دین کی خدمت اور مجاہدین کی بھرپور نصرت کی۔ اپنی زندگی کے آخری چند سالوں میں...... جب گیارہ ستمبر کے مبارک واقعات کے بعد امتِ مسلمہ کے حکمرانوں پر کفر کا رعب طاری تھا اور بہت سے اہلِ علم کی زبانوں پر خوف کے مارے تالے پڑ چکے تھے...... آپ نے اپنی ضعیف العمری کے باوجود حق کا اعلانیہ اظہار کرنے کا فریضہ سرانجام دیا اور اپنے مدلّل فتاویٰ کے ذریعے جہاد کی پشتیبانی کا حق ادا کیا۔ اللہ آپ کی قبر کو نور سے منور کرے اور آپ کی لغزشوں سے درگزر فرمائے۔ آمین!

آپ رحمہ اللہ کا پورا نام **الشیخ العلامة ابو عبداللّٰہ حمود بن عبد اللّٰہ بن محمد بن عقلاء الشعیبی الخالدی** رحمہ اللہ تھا۔ آپ 1342 ہجری میں سعودی عرب میں **بریدة** کے علاقے **الشقة** میں پیدا ہوئے۔ جب سات سال کی عمر کو پہنچے تو بیماری کے سبب اپنی بینائی کھو بیٹھے۔ اس صدمے کے باوجود آپ نے مدرسے میں اپنی تعلیم جاری رکھی۔ آپ کی عمدہ تعلیم وتربیت میں آپ کے والد کی انتھک کوششوں کا بڑا اہم کردار رہا۔ صرف پندرہ سال کی عمر ہی میں آپ نے **شیخ عبداللّٰہ بن مبارک العمری** کی زیرِ سرپرستی مکمل قرآن حفظ کرلیا۔

آپ 1367 ہجری میں اپنے والد کے کہنے پر حصولِ علم کی خاطر ریاض آگئے اور **فضیلة الشیخ عبداللطیف بن ابراهیم آلِ شیخ** سے مختلف علومِ

دینیہ کی بنیادی تعلیم حاصل کی۔1368 ہجری میں آپ نے **فضیلة الشیخ محمد بن ابراھیم آلِ شیخ** کی شاگردی اختیار کی اور مختلف مضامین کا تفصیلی علم حاصل کیا۔آپ کے اساتذہ میں **فضیلة الشیخ ابراھیم بن سلیمان، فضیلة الشیخ سعود بن رشود، فضیلة الشیخ عبداللّٰہ بن محمد بن حمید** اور **فضیلة الشیخ عبدالعزیزبن رشید** وغیرہ جیسے نامور علماء بھی شامل ہیں۔ریاض میں شعبۂ شریعت قائم ہونے کے بعد آپ نے **شیخ عبدالعزیز بن باز** رحمہ اللہ اور **شیخ محمد امین شنقیطی** رحمہ اللہ سے بھی کئی مضامین پڑھے،خصوصاً **شیخ شنقیطی** سے تو آپ درس کے اوقات کے بعد ان کے گھر جا کر بھی پڑھتے تھے۔ انہوں نے آپ کو اصولِ فقہ اور تفسیر کے مضامین پڑھائے۔آپ شعبہ شریعت سے اپنی تعلیم مکمل کر کے 1372 ہجری میں فارغ ہوئے اور اسی سال ریاض کے '**المعھدالعلمی**'میں بطور' **مدرس**'مقرر ہوئے۔1378 ہجری میں آپ کو شعبہ شریعت میں مدرس مقرر کیا گیا جہاں آپ تقریباً چالیس سال تک حدیث، فقہ، اصولِ فقہ، توحید، نحو اور تفسیر وغیرہ پڑھاتے رہے، اور اسی عرصے میں ترقی کر کے '**استاذ**' کے درجے تک جا پہنچے۔

آپ رحمہ اللہ کئی کتابوں کے مصنف بھی ہیں، مثلاً:

- **الامامة العظمیٰ.**
- **مختصر عقیدة اھل السنة و الجماعة.**
- **البراھین المتظاھرة فی حتمیة ایمان باللّٰہ والدار الآخرة.**
- **شرحِ بلوغ المرام .**
- **القول المختار فی حکم الاستعانة بالکفار.**

- تسهيل الوصول الى علم الاصول۔

آپؒ نے اپنے فتاویٰ کے ذریعے مجاہدین کا زبردست دفاع کیا۔آپ نے جن اہم موضوعات پر فتاویٰ دیئے وہ درج ذیل ہیں:

- ۱۱ستمبر کے واقعات کا شرعی جواز۔
- مجاہدین طالبان کی حکومت......ایک اسلامی حکومت۔
- طالبان کی بت شکنی کا شرعی جواز۔
- فلپائن میں جہاد کا شرعی جواز۔
- یہود ونصاریٰ کے جزیرۂ عرب میں قیام کی شرعی حیثیت۔
- یہود ونصاریٰ کے اقتصادی مقاطعے کا شرعی حکم۔
- شہیدی حملوں کا شرعی جواز۔(آئندہ صفحات پر پیش کیا گیا ہے)
- قانونِ الٰہی سے ہٹ کر فیصلہ کرنے والے حکمرانوں کی شرعی حیثیت۔

آپ نے مسلمان معاشروں کو دین سے دور لے جانے والے عوامل کے سدِ باب کے لیے متعدد چھوٹے کتابچے بھی لکھے، مثلاً آپ نے تصویر، محفلِ موسیقی میں شرکت اور غیر شرعی عیدیں اور جشن منانے کی شرعی حیثیت کو بخوبی واضح کیا۔اللہ اس سچے عالمِ دین کو بہترین جزا سے نوازے اور اپنی خصوصی رحمتوں سے ڈھانپ لے۔ آمین!

آپ رحمہ اللہ کے شاگردوں میں علماء، اساتذہ اور وزراء کی ایک بہت بڑی تعداد شامل رہی، مثلاً وزیر برائے اسلامی امور ڈاکٹر عبداللہ محسن الترکی، وزیرِ انصاف ڈاکٹر عبداللہ بن محمد بن ابراهيم آلِ شیخ، هيئة كبار

العلماء کے رکن ڈاکٹر صالح بن فوزان الفوزان ،مجاہد شیخ سلمان بن فهدالعودة ،مجاہد شیخ علی بن خضیر الخضیر ،قاضی تمییز عبدالرحمٰن بن صالح الجبر ،قاضی تمییز عبدالرحمٰن بن سلیمان الجار اللّٰہ ،قاضی تمییز عبدالرحمٰن بن غیث ،قاضی تمییز عبدالرحمٰن بن عبدالعزیز الکِلیّة ،منطقة القصیم کے قاضی اعلیٰ شیخ عبدالرحمٰن بن عبداللّٰہ العجلان ،ریاض کے قاضیٔ اعلیٰ سلیمان بن مهنا ،ڈائریکٹر جنرل شعبۂ امر بالمعروف ونہی عن المنکر عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن السعید ،ڈائریکٹر شعبۂ تحقیق وادّعاء محمد بن مهوس ، ڈاکٹر عبداللّٰہ الغنیمان ، سیکرٹری وزارتِ انصاف حمد بن فریان اور سیکٹری وزارتِ داخلہ ابراهیم بن داؤد.

جن نمایاں شخصیات نے ایم اے یا ڈاکٹریٹ کے مقالے آپؒ کی رہنمائی اور سرپرستی میں لکھے ان میں ڈاکٹر محمد عبداللّٰہ السکاکر ،ڈاکٹر عبداللّٰہ بن صالح المشیقح ،ڈاکٹر عبداللّٰہ بن سلیمان الجاسر ،ڈاکٹر صالح بن عبدالرحمٰن المحیمید ،ڈاکٹر محمد بن لاحم ،ڈاکٹر عبدالعزیز بن صالح الجوعی ،ڈاکٹر ناصر السعوی ،ڈاکٹر خلیفه الخلیفه اور ڈاکٹر ابراهیم بن محمد الدوسری وغیرہ بھی شامل ہیں۔

آپ 72 سال کی عمر میں 5 ذی القعدہ ،1422 ہجری کو فوت ہوئے۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ آپ کو آپ رحمہ اللہ کی تمام تر علمی و عملی کاوشوں کی بہترین جزا عطا فرمائے اور آپ رحمہ اللہ کے علم و عمل کو آپ رحمہ اللہ کی بخشش کا ذریعہ بنائے۔آمین!

فضیلۃ الشیخ حمود بن عقلاء الشعیبی رحمہ اللہ: (نور اللہ مرقدہ)

فلسطین، چیچنیا اور دیگر اسلامی ممالک میں مجاہدین اپنے دشمنوں کے خلاف جہاد فی سبیل اللہ میں مصروف ہیں اور ان کے اندر ایک ایسے طریقے سے خونریزی مچاتے ہیں جسے استشہادی کارروائیوں کا نام دیا جاتا ہے۔ یہ کارروائیاں جنہیں مجاہدین سرانجام دیتے ہیں وہ اس طرح ہیں کہ کوئی اپنے جسم کے ساتھ بارودی بیلٹ باندھ لیتا ہے یا اپنے جبہ میں بارود رکھ لیتا ہے یا اپنی گاڑی میں بارود یا بعض بم رکھ لیتا ہے پھر دشمن کی بھیڑ میں گھس جاتا ہے اور پہلے اپنے آپ کو سرنڈر ہوتا دکھاتا ہے اور پھر اپنے آپ کو اڑا دیتا شہادت کی نیت اور دشمن کے اندر تباہی پھیلانے کی غرض سے۔ پس ایسی کارروائیوں کا کیا حکم ہے؟ اور کیا یہ عمل خودکشی ہے؟ خودکشی اور استشہادی کارروائیوں میں کیا فرق ہے؟ جزاکم اللہ خیراً۔

الجواب:

الحمد لله رب العلمين والصلاة والسلام على اشرف الانبيآء والمرسلين نبينا محمد وعلىٰ آله وصحبه أجمعين اما بعد!

اس سوال کے جواب سے قبل یہ جان لینا چاہیے کہ اس قسم کی کارروائیاں جدید دور میں متعارف ہوئی ہیں اور اس سے قبل اس طریقہ سے ایسی کوئی کارروائی نہ کی جاتی تھی۔ ہر زمانے کی اپنے مصائب واحداث ہوتے ہیں جو اس میں وقوع پذیر ہوتے ہیں تو علماء ان کے بارے میں اجتہاد کرتے ہوئے انہیں نصوص اور ان واقعات کے مشابہ سابقہ واقعات پہ وارد کرتے ہیں جن کے متعلق سلف صالحین نے اپنے فتاویٰ صادر کیے ہوتے ہیں۔ اللہ فرماتے ہیں (**ما فرطنا فی الکتاب من شئی**) ہم نے اس قرآن میں ہر چیز کا ذکر کیا ہے اور نبی ﷺ نے فرمایا (**فیه فصل ما بینکم**) اس میں تمہارے تنازعات کا فیصلہ ہے۔ مذکورہ استشہادی کارروائیاں

مشروع عمل ہیں اور یہ جہاد فی سبیل اللہ کا حصہ ہیں جبکہ ایسا کرنے والے کی نیت خالص ہو اور یہ دین کے دشمنوں کے خلاف کامیاب ترین فعال وسیلہ ہے ۔ ان کارروائیوں میں دشمن کے لیے تباہی ہے، زخم اور قتل ہے اور اس سے ان کے اندر رعب پھیلتا ہے اور مسلمانوں کو جرأت ملتی ہے اور ان کے دشمنوں کے دل ٹوٹتے ہیں اور مسلمانوں کے دشمن کی توہین ہوتی ہے۔ اس طرح بہت سے جہادی مصالح حاصل ہوتے ہیں۔ اسکی مشروعیت قرآن وسنت، اجماع، اور وقائع وحوادث کے دلائل سے واضح ہے جس میں سلف صالحین نے بھی فتاویٰ صادر کیے ہیں جیسے کہ ہم ذکر کریں گے۔

ا۔ قرآن سے دلائل:

1۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں (**و من الناس من یشری نفسه ابتغاء مرضات اللّٰه واللّٰه رء ووف بالعباد**) اور لوگوں میں سے وہ ہیں جو اپنی جانوں کو اللہ کی رضا کی خاطر بیچ ڈالتے ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس آیت کو کثیر تعداد کے دشمن پہ اکیلے حملہ آور پہ محمول کیا ہے جیسے کہ عمر بن الخطاب ، ابوایوب الانصاری اور ابوہریرۃ رضی اللہ عنہم نے فرمایا جسے ابوداؤ، ترمذی نے روایت کیا اور ابن حبان اور حاکم نے اسے صحیح کہا (تفسیر القرطبی 361/2)۔

2۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں (**ان اللّٰه اشتری من المو منین انفسهم و امو الهم بان لهم الجنة یقاتلون فی سبیل اللّٰه فیقتلون ویقتلون**) بے شک اللہ نے مومنوں سے خرید لیا ہے ان کی جان ومال کو جنت کے بدلے کہ وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں پس قتل کرتے ہیں اور قتل ہوتے ہیں۔ ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اکثر نے اس آیت کو ہر مجاہد فی سبیل اللہ پہ محمول کیا ہے۔

3۔ اللہ فرماتے ہیں (**واعدوا لهم ما استطعتم من قوة ومن رباط الخیل ترهبون به عدو اللّٰه و عدو کم**) اور جہاں تک تمہارا بس چلے کافروں کے لیے قوت

جمع رکھو اور تیار بندھے ہوئے گھوڑے، اور اللہ کے دشمنوں اپنے دشمنوں کو دہشت زدہ کیے رکھو۔ استشہادی کارروائیاں ایسی ہی ہیں کہ دشمن کو دہشت زدہ رکھتی ہیں۔

4۔ اللہ تعالیٰ عہدوں کو توڑنے والے یہودیوں کے بارے میں فرماتے ہیں (**فاما تثقفنهم فى الحرب فشرد بهم من خلفهم لعلهم يذكرون**) اگر جنگ میں آپ کا ان سے مقابلہ ہو جائے تو انہیں ایسی مار مارو کہ ان کے پچھلے بھی بھاگ کھڑے ہوں شاید کہ وہ نصیحت پکڑیں۔

۲۔حدیث سے دلائل:

1۔ صحیح میں بچے کے قصہ والی معروف حدیث میں ہے جہاں اس بچے نے اپنے قتل کا طریقہ بتایا تو انہوں نے اسے قتل کیا اور وہ اللہ کی راہ میں شہید ہو گیا۔ یہ جہاد ہی کی ایک قسم ہے اور اس سے ایک عظیم نفع اور مصلحت کا حصول ہوا کہ وہ پورا شہر اللہ کے دین میں داخل ہو گیا۔ جب انہوں نے کہا **امنا برب الغلام** ......ہم بچے کے رب پہ ایمان لائے۔ اس قصہ میں وجہ دلالت یہ ہے اس بچے نے اپنے آپ کو خطرے میں ڈالا اور اپنے نفس کو دین کی مصلحت کی خاطر ہلاک کر ڈالا اور انہیں بتایا کہ کیسے اسے قتل کیا جائے۔ جبکہ وہ لوگ اس کے قتل کرنے پہ قادر نہ تھے سوائے اس طریقہ کے جو اس نے خود انہیں بتایا۔ اس کا یہ عمل بابِ جہاد کے ضمن میں بخش دیا گیا۔ اس طرح استشہادی یعنی فدائی کارروائیوں کی حالت ہے کہ فدائی بھی اپنے نفس کو دین کی مصلحت کی خاطر خطرے میں ڈال دیتا ہے۔ اس امر کی اصل ہمارے دین میں موجود ہے۔ جیسے کہ اگر کوئی آدمی لوگوں کو اچھائی کا حکم دے اور برائی سے روکے اور لوگ اس کے باعث ہدایت بھی پائیں اور وہ اس کام میں قتل کر دیا جائے تو وہ مجاہد ہے اور شہید ہے۔ اس کی مثال ایسے آدمی کی سی ہے جس کے متعلق نبی ﷺ نے فرمایا کہ (**افضل الجهاد كلمة الحق عند سلطان جائر**) سب سے افضل جہاد

جابر سلطان کے سامنے کلمہ حق بلند کرنا ہے۔

2۔ معرکہ یمامہ میں **براء بن مالک** رضی اللہ عنہ کا فعل۔ کہ انہیں کمان میں ڈال کے نیزوں پہ اٹھایا گیا اوور دشمن کی طرف پھینکا گیا تو انہوں نے قتال کر کے دروازہ کھول دیا۔ اوران کے اس عمل پہ کسی صحابی نے انکار نہیں کیا اوران کا قصہ سنن البیہقی کتاب السیر ، باب التبرع للقتل (44/9) تفسیر القرطبی (364/2) اسدالغابہ (206/1) اورتاریخ طبری میں مذکور ہے۔

3۔ سلمہ بن الاکوع، اخرم الاسدی اور ابوقتادہ رضی اللہ عنہم نے اکیلے عیینہ بن حصن اور اس کے ساتھیوں پہ حملہ کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے افعال کی تعریف فرمائی (**خیر رجالنا سلمہ**) ہمارے بہتری پیادہ سلمہ رضی اللہ عنہ تھے (متفق علیہ) ابن النحاس کہتے ہیں کہ اس صحیح ثابت حدیث میں اکیلے آدمی کے جمعِ کثیر پہ حملہ کرنے کے جواز کی مضبوط دلیل ہے اگر چہ اسے غالب گمان ہو کہ وہ قتل ہوجائے گا جبکہ وہ طلب شہادت میں مخلص ہو۔ جیسا کہ اخرم الاسدی نے کیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس فعل کوئی پہ کوئی عیب نہیں لگایا اور نہ ہی صحابہ نے انہیں اس فعل سے منع کیا۔ بلکہ حدیث میں اس فعل کے استحباب کی دلیل ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی مدح فرمائی جیسے کہ گذر چکا ہے حالانکہ ان میں سے ہر ایک نے اکیلے حملہ کیا تھا اور مسلمانوں کے پہنچنے کا انتظار بھی نہ کیا (مشارع الاشواق 540/1)۔

5۔ **ابی حدرد الاسلمی** رضی اللہ عنہ نے جمعِ کثیر پہ اکیلے حملہ کردیا جبکہ ان کے ساتھ کوئی دوسرا آدمی نہ تھا تو اللہ نے ان کو مشرکین کے خلاف نصرت دی۔ اسے ابنِ ہشام نے اپنی سیرت میں اور ابنِ النحاس نے مشارع الاشواق (545/1) میں ذکر کیا ہے۔

6۔ **عبد اللّٰہ بن حنظلہ** رضی اللہ عنہ **الغسیل** کا فعل جبکہ انہوں نے ایک معرکے میں ننگے جسم قتال کیا تو دشمنوں نے انہیں قتل کرڈالا۔ اسے ابنِ النحاس نے مشارع

الاشواق (555/1) میں ذکر کیا۔

7۔ بیہقی نے سنن (44/9) میں نقل کیا کہ ایک آدمی نے ابوموسیٰؓ سے مرفوع حدیث ذکر کرتے ہوئے سنا کہ جنت تلواروں کے سائے میں ہے تو وہ آدمی کھڑا ہوا اوراس نے اپنی تلوار کا دستہ توڑ ڈالا اور دشمن پہ ٹوٹ پڑا یہاں تک کہ قتل ہوگیا۔

8۔ انس بن النضر رضی اللہ عنہ کا قصہ احد کے غزوۃ میں جب انہوں نے کہا جنت کی خوشبو...... پھر وہ مشرکین کے اندر گھس گئے یہاں تک کہ قتل ہوگئے (متفق علیہ)۔

۳۔اجماع سے دلائل:

ابن النحاس نے مشارع الاشواق (588/1) میں مہلب کا قول نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ جہاد میں مہلک خطروں میں حملہ آور ہونے کے جواز پہ اجماع ہے۔اسی طرح انہوں نے امام غزالی سے بحوالہ الاحیاء نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اکیلا مسلمان کافروں کی صف پہ حملہ آور ہو اور قتال کرے اگرچہ اسے معلوم ہو کہ وہ قتل ہو جائے گا۔امام نووی رحمہ اللہ نے شرح مسلم میں لکھا کہ جہاد میں اپنے آپ کو خطرات میں ڈالنے پہ اتفاق ہے۔اسے انہوں نے غزوۃ ذی قرد کے قصہ میں ذکر کیا ہے (187/12)۔

یہ سات واقعات اوراس کے ساتھ جو اجماع نقل کیا گیا ہے،اس مسئلہ کو فقہاء نے اپنی کتب میں اکیلے آدمی کے کثیر دشمن پہ حملہ کرنے کے نام سے ذکر کیا ہے بعض اوقات اسے (**الانغماس فی العدو**) دشمن کے اندر گھس جانے کا نام بھی دیا گیا ہے یا (**التغریر بالنفس**) اپنے آپ کو خطرے میں ڈالنے کا نام بھی دیا گیا ہے۔

امام النووی شرح مسلم باب ثبوت الجنۃ للشہید (46/13) میں کہتے ہیں ''اس میں دشمن کے اندر گھسنے اور شہادت کے لیے پیش ہونے کا جواز ہے اور یہ جمہور علماء کے نزدیک بلا کراہت جائز ہے''۔قرطبی نے اپنی تفسیر میں بعض علمائے مالکیہ

سے نقل کیا (دشمن پہ حملہ آور ہونے کے باب میں) یہاں تک کہ بعض نے کہا کہ سو آدمیوں پہ حملہ آور ہونا یا پورے لشکر پہ حملہ آور ہونا باوجود علم کے اور غالب گمان کے کہ وہ قتل ہو جائے گا لیکن دشمن کے اندر تباہی پھیلائے گا یا مسلمانوں کو کوئی نفع پہنچائے گا تو یہ فعل جائز ہے۔اسی طرح انہوں نے امام محمد بن حسن الشیبانی رحمہ اللہ سے نقل کیا وہ کہتے ہیں کہ اگر ایک آدمی ہزار مشرکین پہ اکیلا حملہ آور ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں جبکہ وہ نجات کی طمع رکھتا ہو یا دشمن میں تباہی پھیلانا چاہتا ہو (تفسیر القرطبی 264/2)۔ دشمن کے اندر گھسنے اور عظیم دشمن پہ اکیلے حملہ آور ہونے میں استشہاد کی دلیل یہ ہے کہ یہ مسئلہ منطبق ہے اس مجاہد پہ جس نے اپنے آپ کو خطرے میں ڈالا اور کفار کے مجمع میں اکیلا گھس گیا اور ان کے اندر تباہی پھیلا دی۔

وقائع وحوادث جن کی روشنی میں فدائی کارروائی کو دیکھا جاتا ہے۔

اولاً: مسئلہ ءتترس!

اگر کافر مسلمانوں کو بطور تترس (ڈھال) کے استعمال کریں اور مسلمان مجاہدین مضطر ہوں کہ ان کے قتل کیے بغیر لڑائی جاری رکھنا ممکن نہ ہو تو یہ جائز ہے۔ابن تیمیہؒ (الفتاوی 546,537/28 ,25/20) میں کہتے ہیں" علماء کا اس بات پہ اتفاق ہے کہ اگر کافر مسلمان قیدیوں کو جو ان کے پاس ہیں بطور ڈھال استعمال کریں اور مسلمانوں کو اس سے کسی ضرر کا اندیشہ ہو اگر انہوں نے لڑائی نہ کی تو ان خلاف قتال کیا جائیگا چاہے ایسے عمل میں ڈھال بنائے گئے مسلمانوں کی جان جاتی رہے، ان کا قتل جائز ہے۔ابن قاسم (حاشیۃ الروض 271/4) میں کہتے ہیں کہ اگر وہ کسی مسلمان کو ڈھال بنالیں تو پھر ان کو مارنا جائز نہیں سوائے اس صورت میں جب مسلمانوں پہ کوئی اندیشہ لاحق ہو تو پھر انہیں مارا جائے گا اور اس میں کوئی نزاع نہیں۔

وجہ دلالت اس میں یہ ہے کہ کافروں تک پہنچنے کے لیے ہم یہ عمل کرتے ہیں جبکہ اس میں مسلمان کے ہاتھوں اور اسی کے اسلحہ سے مسلمان قتل ہوتا ہے اور اس میں

علت، جامعہ یہ ہے کہ دشمن کی طرف پہنچنا اور تباہی پھیلانا ڈھال بنائے گئے مسلمانوں کے قتل کے ساتھ حاصل ہوتا ہے۔اس سے بعض مسلمانوں کی قربانی واقع ہوتی ہے تاکہ دشمن کے اندر تباہی پھیلائی جائے۔ یہ بات اس مجاہد میں بھی مشترک ہے کہ وہ فدائی کارروائی میں دشمن تک پہنچنے اور اس کے اندر تباہی پھیلانے کے لیے اپنے نفس کو ختم کردیتا ہے۔ بلکہ دیکھا جائے تو اہلِ تترس کا قتل زیادہ شدید ہے کیونکہ اس میں مسلمان اپنے ہاتھ سے دوسرے مسلمان کو قتل کرتا ہے اور یہ اس لیے بھی کہ ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان کو قتل کرنا بنسبت اس کے اپنے نفس کو قتل کرنے کے شدید جرم ہے۔ کیونکہ دوسرے کو قتل کرنا ظلم و زیادتی کے زمرہ میں ہے جبکہ مسلمان کا اپنے آپ کو قتل کرنا صرف اس کے نفس کے ساتھ خاص ہے اور اس کا یہ فعل باب الجہاد کے ضمن میں مغفور ہے۔ اس لیے جب دشمن تک پہنچنے کے لیے مسلمان کے ہاتھوں مسلمان کا قتل مسئلہ تترس میں جائز ٹھہرا تو مجاہد کا اپنے آپ کو دشمن میں تباہی پھیلانے کے لیے قتل کرنا اس کے جیسا ہے یا اس سے آسان ہے۔ پس ایسا فعل جو ایک بہت بڑا جرم ہے اس کا اقدام جائز ہے تو پھر اس پہ بھی کوئی حرج نہیں ہونا چاہیے جو اس سے کم تر ہے جبکہ دونوں میں مقصد ایک ہی ہے یعنی دشمن کے اندر تباہی پھیلانا کیونکہ اعمال کا دارومدار نیتوں پہ ہے۔

یہاں اس کے لیے رد موجود ہے جو کہتا ہے مسئلہ انغماس (یعنی دشمن کے اندر گھس جانا)، میں گھسنے والا کافروں کے اسلحہ اور ان کے ہاتھ سے قتل ہوتا ہے تو ہم کہتے ہیں مسئلہ تترس میں مسلمان مسلمان کے اسلحہ اور ہاتھوں سے قتل ہوتے ہیں لیکن اس کے باوجود ان کے قتل کا اعتبار قتل کے بارے میں وارد وعید کے ساتھ نہیں کیا گیا۔

۳۔شب خون مارنا:

اس سے مراد ہے رات کے وقت دشمن پہ حملہ کرنا اور اسکے اندر تباہی پھیلانا

چاہے اس کے اندر ایسے لوگوں کا بھی قتل ہوجائے جن کا قتل جائز نہیں جیسے کہ کافروں کے بچے اور عورتیں وغیرہ۔ ابن قدامہ کہتے ہیں دشمن پہ شب خون مارنا جائز ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کہتے ہیں دشمن پہ شب خون مارنے میں کوئی حرج نہیں اور کیا روم کے ساتھ قتال میں شب خون نہ تھا اور کہتے ہیں کہ ہم نہیں جانتے کہ کسی نے شب خون مارنے کو برا جانا ہو(**المغنی مع الشرح503/10**)۔

وجہ دلالت اس میں یہ ہے کہ دشمن کے اندر تباہی پھیلانے کے لیے ایسے موقع پہ جب ایسے لوگوں کا قتل جائز ٹھہرا جو کہ عام طور پہ جائز نہیں ہوتا تو کہا جائے گا کہ وہ مجاہد جس کا اپنے نفس کو ختم کرنا جائز نہیں لیکن دشمن کے اندر تباہی پھیلانے کے لیے اس کا اپنا نفس کو ختم کرنا جائز ہے۔ اسی طرح عورتوں اور بچوں کا قتل جو کہ جائز نہیں جبکہ وہ ان کے ہاتھوں قتل ہو گئے جن کے ہاتھوں انہیں قتل نہ ہونا چاہیے تھا لیکن مقاصدِ جہاد اور نیت کے تحت یہ جائز ٹھہرا۔

خلاصہ!

اوپر مذکور دلائل کی روشنی میں یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مجاہد کا فدائی کارروائی میں دشمن کے اندر تباہی پھیلانے کے لیے اپنے نفس کو خطرے میں ڈالنا اور اسے ختم کرنا جائز ہے۔ اگر وہ کافروں کے اسلحہ اور ان کے ہاتھوں قتل ہو جیسے کہ مسئلہ انغماس میں ہے یا مسلمان کے اسلحہ اور ان کے ہاتھوں قتل ہو یا کوئی ایسا سبب بتائے جیسے کہ بچے نے اپنے قتل کے بارے میں کیا تو یہ تمام صورتیں باب الجہاد کی مصالح کے تحت برابر ہیں جیسے کہ اس میں بہت سے مسائل مباح ہیں مثلاً ''جھوٹ اور دھوکہ'' وغیرہ۔ اسی طرح اس میں ان لوگوں کا قتل بھی جائز ٹھہرتا ہے جن کا قتل جائز نہیں۔ یہی مسائلِ جہاد کی اصل ہے اسی لیے استشہادی یا فدائی کارروائی کے مسئلہ کو اس باب میں داخل کیا گیا ہے۔

جہاں تک فدائی کارروائیوں کا خودکشی کے ساتھ قیاس کا تعلق ہے تو یہ **قیاس مع الفارق** ہے۔ کیونکہ ان دونوں کے درمیان ایسے فرق ہیں جو انہیں جمع

ہونے سے روکتے ہیں۔ پس خودکش اپنی جان کو ختم کرتا ہے تنگ آ کر، عدمِ صبر کے ساتھ، یا تقدیر پہ سختی کرتے ہوئے یا اس پہ اعتراض کرتے ہوئے اور موت پہ جلدی کرتے ہوئے درد، زخم اور عذاب سے بچنے کے لیے اور اللہ کی رحمت و رضا سے مایوس ہو کر۔ جب کہ مجاہد فدائی کارروائی میں خوش وخرم ہدایت کی تلاش میں نکلتا ہے، اللہ کی مدد و نصرت کا متلاشی ہوتے ہوئے، دشمن کے اندر تباہی پھیلانے کی غرض سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے کے لیے ...... یہ دونوں برابر نہیں ہیں۔ اللہ فرماتے ہیں (**افنجعل المسلمين كا المجرمين مالكم كيف تحكمون**) کیا ہم مجرموں اور مسلمانوں کو برابر کر دیں تمہیں کیا ہے کیسا حکم لگاتے ہو۔ اللہ فرماتے ہیں (**ام حسب الذين اجترحوا السيئات ان نجعلهم كا لذين امنوا وعملوا الصالحات سواء محياهم ومماتهم ساء ما يحكمون**) کیا ہم ان لوگوں کو جنہوں نے برے اعمال کیے ان کے جیسا کر دیں جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے، کیا ہی برا حکم ہے جو وہ لگاتے ہیں (الجاثیہ 21)۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں (**افمن كان موء منا كمن كان فاسقا لايستوون**) کیا ایمان والا فاسق کے جیسا ہے، یہ دونوں برابر نہیں ہیں)۔

ہم اللہ سے دعا گوہ ہیں کہ وہ اپنے دین کی مدد کرے اور اپنے لشکر کو عزت دے اور اس کے دشمن کے خاسر بنا دے (آمین)

و صلى الله على نبينا محمد وعلىٰ آله وصحبه اجمعين.

أملاه:

أ. حمود بن عقلاء الشعيبى رحمه الله

02/02/1422ھجری

مسئلہ کا حکم قرآن وسنت اور اقوالِ سلف کی روشنی میں کیا ہے؟

فتویٰ

فضیلۃ الشیخ سلمان العودۃ (حفظہ اللہ تعالیٰ)

فضيلة الشيخ سلمان العودة (حفظہ اللہ تعالیٰ)

السلام عليكم ورحمة الله وبركاته!

فضيلة الشيخ!

استشہادی کارروائیوں کے بارے میں جدل وکلام بہت زیادہ ہوگیا ہے جسکے لیے کانفرنسیں اور سیمینارز کروائے گئے اور مقالات نشر کئے گئے ہیں۔ جن میں بعض لوگوں نے اس کی تائید کی ہے اور بعض نے اسکی مخالفت کی ہے اور بعض نے اس کا دفاع کیا ہے اور ہر ایک کی اپنی آراء ودلائل ہیں۔ ان ایام بعض اہلِ علم کی طرف سے بھی چند باتیں سامنے آئیں جن کا کچھ اثر بھی سامنے آیا۔ فضیلۃ الشیخ ہم آپ سے یہ چاہتے ہیں کہ آپ اللہ کی توفیق کے ساتھ ہمیں درج ذیل کی وضاحت فرمایئے؟

1۔ مسئلہ کا حکم قرآن وسنت اور اقوالِ سلف کی روشنی میں کیا ہے؟

2۔ اس کی حدود اور نافذ کرنے کی کیا مجالات ہیں بمعنی کہ کیا یہ صرف کافر کے خلاف انکے ملکوں میں ہی کی جاسکتی ہیں یا ان کی حدود سے باہر بھی جہاں ان کی مصالح اور اثر ونفوذ ہے، ان کے خلاف کی جاسکتی ہیں؟

3۔ کیا یہ کارروائیاں صرف عسکری اہداف پہ ہی کی جاسکتی ہیں یا ہر اس چیز پہ بھی جو دشمن پہ مؤثر ہو؟

4۔ کیا اس میں حربی شامل ہیں یا مدنی یعنی سویلین بھی شامل ہیں؟

5۔ خونریزی کی حد اس میں کیا ہے؟ اگر ایسی کارروائی کا مقصود کسی ایک آدمی کو قتل کرنا مقصود ہو جو کہ کوئی بڑا قائد ہو بخلاف اس کہ جب ہدف ایک بڑا گروہ ہو یا ایسی اشیا جو دشمن کے نزدیک اہمیت نہ رکھتی ہوں تو اس معاملہ میں پیمانہ کیا ہوگا؟

6۔ یہ کارروائیاں اگر جائز ٹھہریں تو کیا اس میں والدین کی اجازت کی بھی شرط ہے؟

7۔ کیا مسلمان ملکوں میں بھی دوسروں (غیر مسلموں) کے خلاف ایسی کارروائیاں کی جاسکتی ہیں؟

8۔ کیا ایسا آدمی جوان کارروائیوں میں مارا جائے اس کے لیے رحم کی دعا کی جائے گی اور وہ شہید سمجھا جائے گا؟

9۔ ان کارروائیوں کا صحیح اور شرعی نام کیا ہونا چاہیے؟

10۔ کیا ان کارروائیوں کی تیاری پہ زکوۃ یا مسلمانوں کے بیت المال سے مال صرف کیے جاسکتے ہیں؟

ان معاملات میں ہمیں فتویٰ دیجیے۔ جزاکم اللہ خیراً۔

الجواب:

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

یہ مسئلہ جسے استشہادی کارروائیوں کا نام دیا گیا ہے جدید مسائل سے تعلق رکھتا ہے کہ جس پہ کتبِ فقہاء متقدمین میں کوئی نص نہیں ملتی کیونکہ یہ جدید جنگ کا ہتھیار ہے جو کہ بارود اور اسکی کی اقسام کے ظہور پذیر ہونے کے بعد سامنے آیا ہے اور یہ غالباً ان جنگوں کا ایک جز ہے جسے **حرب العصابات** کہا جاتا ہے کہ جسے فدائیوں کے سریع الحرکت گروہ سرانجام دیتے ہیں۔ جنگ کے ایسے رنگ ہمیں امریکہ کی سول وار کی تاریخ میں بھی دیکھنے کو ملتے ہیں۔ اسی طرح دوسری جنگِ عظیم اور اس کے بعد بھی اس کا تذکرہ ملتا ہے۔ یہاں تک کہ یہ عمل جنگ کا ایک حصہ بن گیا جسکے عسکری اداروں اور اکیڈمیوں میں پڑھایا جانے لگا۔

ان کارروائیوں کی مسلمانوں کو ضرورت علی وجہ الخصوص پیش آئی اور اس کے متعدد اسباب ہیں۔

(ا) ایک ہے ان میں فدا ہونا قربان ہونا دین کے لیے اور شہادت کی محبت اور اپنی زندگی کو ایسے وقت میں بالکل سستا کر دینا جبکہ وہ انتہائی ذلت کی سطح پہ پہنچ چکی

ہو۔پس ذلت کی زندگی سے عزت کی موت اچھی ہے۔

فیارب ان حانت وفاتی فلا تکن   علی شرجع یعلیٰ بحضر المطارف

و لکن احن یومی شهیداً بعصبة   یصابون فی فج من الارض خائف

عصائب من شیبان ألف بینهم   تقی اللّٰہ نزالون عند التزاحف

اذا فارقوا دنیاهم فارقوا الاذی   و صارو الی موعودٍ مافی المصاحف

☆ اے رب اگر میری وفات کا وقت قریب آپہنچا تو یہ ایسی نہ ہو کہ جسے سرسبز تختوں پہ اٹھایا جاتا ہے۔

☆ لیکن مجھے کسی ایسی جماعت کے ساتھ شہید کر جو زمین کے دور دراز مقام میں مصیبت میں مبتلا ہوں۔

☆ نوجوانوں کے ایسے تقوی والے گروہ ہوں کہ جن کے اندر میں شامل ہوں اور وہ جنگوں میں کود جاتے ہوں۔

☆ جب وہ دنیا کو چھوڑیں تو اذیت سے آزاد ہو جائیں اور صحیفے میں کیے گئے موعود کی طرف پلٹ جائیں۔

(۲) دوسرا ہے مسلمانوں کے بعض علاقوں میں ٹیکنالوجی اور علوم میں پیچھے ہونے کے باعث دشمن ان کے اوپر جرات کرتا ہے اور طرح طرح کی زیادتیاں کرتا ہے جبکہ ان کا دشمن علوم وٹیکنالوجی میں ان سے بہت بلند ہے۔ اسی وجہ سے بعض مسلمان مما لک مغربی استعمار کے لیے آسان شکار بن گئے ہیں اور وہ امور ہیں جنکا مشاہدہ ہم کرتے ہیں فلسطین کی مبارک سرزمین پر، کشمیر، چیچنیا، افغانستان اور وہ اسلامی جمہوری مملکتیں جو کبھی پہلے یورپ کے زیرِ تسلط تھیں۔

(۳) اور ان امور میں سے ایک ہے مسلمانوں کے پاس اختیارات وامکانات کی کمی کا ہونا کیونکہ انسانی زندگی کی قوت کے عوامل میں سے یہ ہے کہ اس کے امکانیات یا اختیارات نہ ہوں یا کم ہو جائیں تو پھر اسکی زندگی بے معنی ہوگی۔

اس کے پاس کوئی ایسی چیز نہ ہوگی جسکا وہ خسارہ اٹھائے اور نہ ہی کوئی ایسی چیز جو اسے قوت بخشے۔ اس قسم کی عملیات جسے فدائی یا استشہادی عملیات کہا جاتا ہے ان کے بارے میں کثرت سے سوال کیا جانے لگا تاکہ اس کی مشروعیت کے بارے میں جانا جائے جبکہ دوسرے بعض ذرائع ابلاغ کے لوگ ان کارروائیوں کو خودکش کارروائیوں کا نام دیتے ہیں۔

جبکہ اس کے بارے میں فقہاء و مجتہدین نے اختلاف کیا ہے کسی نے اجازت دے کر اور کسی نے منع کر کے جو کچھ بھی ان کی نظر میں دلائل سے واضح ہوا۔ نصوصِ شرعیہ میں حالات کی مشابہت کی مراجعت کے بعد اور تاریخ وقائع میں موجود واقعات کے بعد ہمیں اس طرف مائل ہونا پڑتا ہے کہ اس مسئلہ میں معاملہ کی حیثیت کیا ہے؟

1۔ مصنف ابن ابی شیبہ، محمد بن اسحاق سے روایت کرتے ہیں (وہ صدوق مدلس ہیں) اور وہ عاصم بن محمد بن قتادہ سے وہ کہتے ہیں معاذ بن عفراء رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ اپنے بندے کی کس بات پہ خوش ہوتا ہے تو آپ نے فرمایا اسکے دشمن کے اندر ننگے جسم گھس جانے پر۔ تو انہوں اپنی زرہ اتار پھینکی اور قتال کرنے لگے یہاں تک کہ شہید ہو گئے (اسے ابنِ حزم نے صحیح کہا المحلیٰ میں 294/7)۔

2۔ ابنِ حزم نے المحلیٰ (ایضا) میں ابی اسحاق السبیعی سے روایت کیا وہ کہتے ہیں میں نے ایک آدمی کو سنا اس نے براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ اگر کوئی آدمی ہزار آدمیوں پہ حملہ کر دے تو کیا اس نے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال دیا ہے تو انہوں نے کہا نہیں لیکن ہلاکت تو یہ ہے کہ آدمی گناہ کا مرتکب ہو اور پھر کہے کہ میرے لیے کوئی توبہ نہیں۔ ابن حزم کہتے ہیں کہ ابو ایوب الانصاری اور ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہما نے اس بات کا انکار نہیں کیا کہ اکیلا آدمی لشکرِ جرار پہ حملہ آور ہو اور ثابت قدم رہے یہاں تک کہ قتل ہو جائے۔

3۔ ابو ایوب رضی اللہ عنہ کا قصہ قسطنطینہ کے حوالے سے معروف و مشہور ہے۔ اور اس

میں ہے کہ مسلمانوں میں سے ایک آدمی کافروں کی صف پہ ٹوٹ پڑا اوران کے اندر داخل ہو گیا تو لوگ چیخنے لگے اور کہنے لگے سبحان اللہ اس نے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال دیا۔ تو ابو ایوب رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے اے لوگو کہ تم اس آیت کی تاویل کرتے ہو جبکہ یہ آیت ہمارے انصار کے گروہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ جب اللہ تعالیٰ نے اسلام کو عزت دے دی اوراس کے مددگاروں کی کثرت ہوگئی تو ہمارے بعض نے دوسروں سے کہا کہ ہمارے اموال ضائع ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے اسلام کو عزت دے دی اوراس کے مددگار بھی بڑھ گئے تو اگر ہم اپنے اموال کی اصلاح کرلیں تاکہ جو کچھ ضائع ہو چکا ہے اس کا مداوا ہو جائے تو اللہ عزوجل نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پہ یہ آیت نازل فرمائی......الخ۔ (یہ حدیث سنن ترمذی 2898 میں ہے اور ترمذی نے اسے حسن صحیح غریب کہا اور ابوداؤد نے اسے روایت کیا 2151)

4۔ جیسا کہ اہل السیر نے روایت کیا اور ابنِ مبارک نے روایت کیا کتاب الجہاد (134/1) میں براء بن مالک رضی اللہ عنہ کے قصہ میں کہ جب انہوں نے اپنے آپ کو بنی حنیفہ کے مرتدین کے درمیان ڈال دیا۔ اس کے بعض مصادر جیسے کہ السیر 196/1 وغیرہ میں ہے کہ انہوں نے اپنی ساتھیوں کو حکم دیا کہ انہیں ایک کمان میں ڈال کر اپنے نیزوں کے ذریعے باغ کے اندر پھینکیں۔ تو انہوں نے ان پہ شدید حملہ کر دیا اور قتال کرتے رہے یہاں تک کہ دروازہ کھول دیا اوراس دن انہیں 80 سے اوپر زخم آئے اس دن انکے زخموں کی مرہم پٹی کرنے والے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ تھے۔ اسی طرح کی روایت ثقات ابن حبان (175/2) میں بھی ہے اور تاریخ طبری (281/2) میں بھی ہے۔ اسی طرح کا ملتا جلتا واقع براء رضی اللہ عنہ کے بارے میں تستر کے ساتھ بھی منسوب ہے۔

5۔ امام احمد نے ابی اسحاق سے روایت کیا کہ میں نے براء رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آدمی مشرکین پہ سوار ہو جاتا ہے کیا وہ ان لوگوں میں سے جنہوں نے اپنے آپ کو ہلاکت

میں ڈال دیا ہے انہوں نے کہا نہیں کیونکہ اللہ عزوجل نے اپنے نبی ﷺ کو مبعوث کیا اور انہیں حکم دیا (**فقاتل فی سبیل اللّٰہ لا تکلف الا نفسک**) پس اللہ کی راہ میں قتال کیجیے آپ اپنے نفس کے خود ذمہ دار ہیں۔ جبکہ یہ آیت نفقہ کے متعلق ہے۔

6۔ صحیح مسلم میں صہیب رضی اللہ عنہ کی طویل مشہور حدیث ہے جس میں بچے کا قصہ ہے کہ جب بادشاہ بچے کے قتل سے عاجز آ گیا تو بچے نے کہا تو مجھے قتل نہیں کر سکتا یہاں تک کہ تو وہ نہ کرے جسکا میں تجھے حکم دیتا ہوں تو اس نے کہا وہ کیا ہے کہنے لگا کہ لوگوں کو ایک میدان میں اکٹھا کر اور مجھے سولی پہ چڑھا اور میرے ترکش سے ایک تیر لے اور اسے کمان میں ڈال پھر کہہ اللہ کے نام سے جو اس بچے کا رب ہے پھر وہ تیر مجھے مار اگر تو ایسا کرے گا تو مجھے قتل کر دے گا (الحدیث) اور اس حدیث میں ہے کہ بادشاہ نے وہی کیا جو اسے بچے نے حکم دیا تھا تو بچہ مر گیا اور لوگ کہنے لگے **امنا برب الغلام** ہم بچے کے رب پہ ایمان لے آئے۔ یہ حدیث مسند احمد (22805) وغیرہ میں بھی ہے۔ پس اس بچے نے بادشاہ کو ایسا طریقہ بتایا جس سے یہ واقعۃً قتل ہو سکتا تھا پھر بادشاہ نے اس کا امر نافذ کر دیا اور اس کے ساتھ وہ عظیم مصلحت جس کا بچے نے ارادہ کیا تھا پوری ہوگئی کہ لوگ ایمان کی وادی میں داخل ہو گئے جب انہیں پتہ چلا کہ بچے کے لیے اللہ نے کیسی کرامت کو ظاہر کیا۔

7۔ ابو سعید الخذری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ وہ لوگ کہ جب صف کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو پیچھے مڑ کر نہیں دیکھتے یہاں کہ وہ قتل کر دیے جائیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو جنت کے اعلیٰ ترین مکانوں میں ہوں گے اور ان کی طرف ان کا رب مسکرائے گا اور تیرا رب جب کسی قوم پہ مسکرائے تو اس پہ کوئی حساب نہیں ہے۔ اسے ابن ابی شیبہ (569/4)، طبرانی، ابویعلیٰ، ابن مبارک نے کتاب الجہاد اور ابو نعیم نے الحلیۃ میں روایت کیا۔ اور منذری نے کہا کہ اس کے رواۃ ثقہ

ہیں۔

8۔ جیسے کہ ابنِ ابی شیبہ رحمہ اللہ نے مدرک بن عوف الاحمسی سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں میں عمر رضی اللہ عنہ کے پاس تھا تو انہوں نے کہا اور اس میں ہے اے امیر المومنین ایک آدمی نے اپنے نفس کو بیچ ڈالا (یعنی جنگ کے دوران اکیلا حملہ آور ہو گیا) کہنے لگا اے امیر المومنین یہ بندہ تو بالکل خالی گیا لوگ یہ سمجھتے تھے کہ اس نے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال دیا تو عمر رضی اللہ عنہ نے کہا لوگ جھوٹ کہتے ہیں بلکہ وہ تو ایسا آدمی ہے کہ جس نے آخرت کو دنیا کے بدلے خرید لیا ہے۔

9۔ امام محمد بن حسن الشیبانی رحمہ اللہ السیر (163/1) میں لکھتے ہیں جو آدمی دشمن پہ حملہ آور ہوا تو وہ ایسا ہے کہ جو دین کے غلبہ کی سعی کر رہا ہے اور اپنے آپ کو شہادت کے لیے پیش کر رہا ہے جس سے وہ حیاتِ ابدیہ کا فائدہ حاصل کرے گا تو ایسا آدمی کیسے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے والوں میں سے ہو سکتا ہے۔ پھر انہوں نے کہا اس میں کوئی حرج نہیں کہ آدمی اکیلا دشمن پہ حملہ آور ہوا اور اگر چہ اسے یقین ہو کہ وہ قتل ہو جائے گا۔ جب وہ دیکھے کہ وہ کوئی ایسا کام کر پائے گا جو قتل، زخم یا شکست کی طرف لے جائے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں احد کے دن ایسے افعال کیے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پہ فاعلین کی تعریف بھی فرمائی۔ ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ آپ کی کیا رائے ہے کہ سعد بن ہشام نے جب دونوں صفیں آمنے سامنے ہوئیں تو حملہ کر دیا اور اپنے آپکو ہلاکت میں ڈال دیا تو انہوں نے کہا ہرگز نہیں اور انہوں اس آیت پہ اس کے عمل کو محمول کیا (**ومن الناس من یشری نفسه ابتغاء مرضات الله**) اور لوگوں میں سے وہ ہیں جو اپنے نفس کو اللہ کی رضاء کی خاطر بیچ ڈالتے ہیں اور اگر وہ جانتا تھا کہ اس سے دشمن کے اندر کوئی تباہی نہ پھیلے گی تو اس کے لیے ایسا جائز نہ تھا کیونکہ اس طرح اس کے حملہ سے کچھ حاصل نہ ہوا جس سے کہ دین کا غلبہ حاصل ہو لیکن وہ صرف قتل ہو جائے تو اللہ فرماتے ہیں کہ (**ولا تقتلوا انفسکم**) اپنی جانوں کو قتل نہ کرو۔

پس اگر وہ تباہی نہ پھیلا سکے تو اس کے لیے اقدام مفید نہیں ہے۔

10۔ حافظ ابن حجر نے اکیلے آدمی کے دشمن کی کثیر تعداد پہ حملہ کرنے کے متعلق لکھا کہ جمہور کہتے کہ اگر ایسا عمل اسکی شجاعت کی بنا پر ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ اس سے دشمن کو رعب میں ڈال دے گا یا مسلمانوں کو ان پہ جرات دلائے گا یا اس جیسے صحیح مقاصد کے لیے ہو تو یہ جائز ہے۔ لیکن جب یہ محض اپنے نفس کو ضائع کرنے تک ہی ہو تو یہ ممنوع ہے اور ہوسکتا ہے اس سے مسلمانوں میں بزدلی پھیلے (سبل السلام 473/2)۔

11۔ حاشیہ الدسوقی (208/2) میں اس کے ساتھ دو امور کی شرائط لگائی گئی ہیں۔(۱) کہ اسکی نیت اللہ کے کلمہ کی سر بلندی ہو (۲) اور وہ گمان کرتا ہو کہ اسکے عمل کی دشمن میں تاثیر ہوگی۔

12۔ ابن العربی (166/1) میں کہتے ہیں صحیح بات یہ ہے کہ اکیلے آدمی کا دشمن کے عددِ کثیر پہ حملہ کرنا جائز ہے کیونکہ اس میں چار وجوہ ہیں۔

(۱) شہادت کی طلب (۲) دشمن میں تباہی پھیلانا (۳) مسلمانوں کو جرات دلانا (۴) دشمن کے دلوں کو کمزور کرنا، تاکہ وہ دیکھ لیں کہ اگر ایک ایسے لڑتا ہے تو باقی کیسے لڑتے ہوں گے۔

13۔ ابنِ تیمیة کہتے ہیں جیسے الانصاف (116/4) میں ہے کہ دشمن کے اندر مسلمانوں کی مصلحت کی خاطر گھس جانا مسنون عمل ہے اور اس کے علاوہ صورت پہ ممنوع ہے اور وہ ہلاکت ہے۔ ان تمام نصوص میں اس بات کو ملاحظہ رکھا جائے کہ یہ مسئلہ ایک آدمی یا ایک چھوٹی جماعت کے مسلمانوں کے لشکر سے نکل کر دشمن پہ حملہ آور ہونے کے بارے میں ہے۔ لیکن اس کے بعض میں کچھ اس سے مختلف بھی ہے جیسے بچے کا قصہ۔

ان تمام نصوص کو جمع کر کے جو بات سامنے آتی ہے (واللہ اعلم) کہ اس طرح کی کارروائیاں جن کے متعلق سوال کیا گیا ہے کرنا جائز ہیں ایسی شروط کے ساتھ جو فقہاء کے کلام سے واضح ہیں۔

(۱) یہ کہ ایسا عمل اللہ کے کلمہ کی سربلندی کے لیے ہو۔

(۲) اس بات کا غالب امکان ہو یا یقینِ جزم ہو کہ اس سے دشمن کے اندر تباہی پھیلے گی جیسے کہ قتل، زخم یا شکست وغیرہ یا اس سے مسلمانوں کو جرات ملے گی یا یہ کہ دشمن کمزور ہوگا اور سوچے گا کہ اگر ایک ایسے لڑتا ہے تو باقی کیسے لڑتے ہوں گے۔ لیکن اس بات کا لحاظ رکھا جانا چاہیے کہ اس کا اختیار فردِ واحد کے پاس نہ ہو خاص طور پہ اس قسم کے حالات میں جن میں ہم رہ رہے ہیں بلکہ ایسے عمل کا حکم لازمی طور پہ اہلِ علم اور علوم عسکریہ کے جنگی ماہرین ہی سیاسی وعسکری احوال دیکھنے کے بعد اس کا فیصلہ کریں جس سے اسلام کی حمایت اور اس کے مددگاروں کی مدد ہو۔

(۳) یہ کہ ایسی کاروائی ایسے دشمن کے خلاف ہو جس نے مسلمانوں کے خلاف جنگ کا اعلان کر رکھا ہو کیونکہ کفار کی اقسام ہیں۔ ان میں بعض محارب ہیں، بعض امن پسند ہیں، بعض پناہ والے ہیں اور بعض ذمی ہیں اور بعض معاہد ہیں۔ جبکہ محض کفر مطلقاً ان کے قتل کو مباح نہیں کر دیتا بلکہ صحیح بخاری میں ہے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے وہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **(من قتل معاهداً لم يرح رائحة الجنة وان ريحها يوجد من مسيرة اربعين عاماً)** جس نے کسی معاہد کو قتل کیا وہ جنت کی خوشبو نہ پا سکے گا اور جنت کی خوشبو چالیس سال کی مسافت تک سونگھی جا سکتی ہے۔ اسے ابن ماجہ ،احمد اور نسائی وغیرہ نے بھی روایت کیا ہے۔ کافروں کے ساتھ معاہدوں کی اصل انکی صحت ہے (یعنی جب تک کہ انہیں توڑا نہ جائے) اور اس میں عدمِ تاویل کو روا رکھا جائے۔ کیونکہ اس سے فتنہ وفساد پھیلتا ہے۔

(۴) یہ کہ ایسی کارروائیاں ان کے ملکوں میں ہوں یا کسی ایسے ملک میں جہاں وہ داخل ہو گئے ہوں اور اسے اپنی ملکیت میں لے لیا ہو اور اس پہ حکومت کرنے لگیں اور مسلمان ان کو وہاں سے نکالنے کا ارادہ کر لیں جیسے یہود فلسطین میں، روس چیچنیا میں، جہاں ایسے ملکوں کے خلاف مذکورہ شروط کے ساتھ ایسی کارروائی کرنا ممکن ہے۔

(۵) یہ کہ ایسی کارروائی والدین کی اجازت کے ساتھ ہو کیونکہ اگر عام جہاد میں والدین کی اجازت کی شرط لگائی جاتی ہے تو ان کی اجازت اس باب میں بھی اولیٰ ہے۔ظاہر بات یہ ہے کہ اگر والدین سے جہاد کی اجازت مانگی جائے اور وہ اجازت دے دیں تو یہ کافی ہے اور اسکے ساتھ خاص کارروائی کے لیے اجازت ضروری نہیں اور جو کوئی ان شروط کے مطابق ایسی کارروائی کو نافذ کرتا ہے تو وہ اللہ کے حکم سے شہید ہے جب اس کی نیت کی صحت قائم ہو جائے۔کیونکہ اعمال کا دارومدار نیتوں پہ ہے اور ایسے شخص کے لیے دعاء کی جائے گی۔

☆......ایسی کارروائیوں کے لیے مسلمانوں کے بیت المال سے خرچ کرنا جائز ہے، یا زکوۃ وغیرہ سے کیونکہ یہ فی سبیل اللہ ہے۔

☆......جہاں تک خونریزی کی حد کے تعین کا تعلق ہے تو اس کا مقرر کرنا اہل مہارت اور اس مسئلہ کے اہل کے ساتھ ہے یا جیسے علم کے ساتھ محقق ہو یا ان کا غالب گمان ہو کہ اس کے ساتھ دشمن کے اندر کاری ضرب لگے گی یا انہیں کوئی بڑا نقصان پہنچے گا یا ان کے اندر رعب پھیلے گا یا یہ کارروائی ان کو اگلے جہان کی طرف روانہ کردے گی۔سوائے اس کے کہ اس کا کوئی برا نتیجہ نہ نکلے جو کہ اس سے بڑھ کر ہو کہ دشمن معصوم لوگوں سے انتقام لینے پہ اتر آئے یا ان کے شہروں پہ چڑھائی کردے یا ان کے اوپر جنگ مسلط کردے جس کی کہ مسلمان طاقت نہیں رکھتے اور نہ ہی اس کے لیے تیاری کے حامل ہیں۔

☆......جو کچھ اس مسئلہ کے مشابہ ہو تو اس کو اہل علم کی طرف یا جو اس میں فہم وادراک رکھتا ہے اسکی طرف ارسال کرنا چاہیے تا کہ اس میں نظر کی جائے۔اس کے ساتھ اس باب میں اجتہاد بھی وارد ہے اور وہ خطاء وصواب دونوں پہ محمول ہے لیکن مسلمانوں کو اپنے رب کا تقویٰ اختیار کرنا چاہیے جہاں تک کہ انکی

استطاعت ہو۔

كتبه : سلمان بن فهد العودة

دہشت گردی اور استشہادی کارروائیاں

جیسے کہ ان کی مکروہ عادت ہے کہ وہ اپنی منظّم دہشت گردی کو نئے لبادے اوڑھاتے رہتے ہیں۔ یہودی خناسوں نے فلسطینی زمینوں پہ دوبارہ قبضے کے جرم کو" حفاظت کی باڑ" کا نام دیا ہے اور اس سے انکی مراد دھوکہ دہی اور دغا بازی ہے۔ ان سے پہلے امریکیوں نے اپنی آخری جنگ کو" شریف گدھ" کا نام دیا تھا جبکہ گدھوں کا کام لاشوں کے گرد منڈلانا ہے۔ میں اس میں کوئی فرق نہیں جانتا کیونکہ اسرائیل کی یہ جنگ اصل میں امریکی جنگ کا تسلسل ہے۔ یا دوسری عبارت کے ساتھ ہم یہ کہ سکتے ہیں کہ اسرائیل اصل میں امریکہ کے نائب کی حیثیت سے لڑ رہا ہے۔ جیسے کہ ان کا زعم ہے کہ اس جنگ کے دوسرے حصہ کا مقصد فلسطینی مزاحمت کا قلع قمع کرنا ہے اور ان کے اختیارات کو ختم کرنا ہے اور شاید کہ بلاواسطہ نچلی سطح پہ اختیار اپنے ہاتھ میں لینا ہے۔ یہ جنگ اور اس کے متعلقات بہت سنجیدہ اور خطرناک منصوبہ بندی کا خطرہ ظاہر کررہے ہیں۔ وہ کسی میں فرق نہیں کررہے اور ہر کوئی ان کا ہدف ہے اور اس معاملے میں کسی بھی جزئی دستبرداری سے وہ راضی نہیں سوائے اس کے کہ سبھی ان کے تنخواہ دار خائن بن جائیں۔ اس جنگ میں کیمروں کے عدسوں اور میڈیا نے جو کچھ پیش کیا ہے وہ بہت ہی ناقابلِ یقین صورتِ حال ہے علاوہ ان ثبوتوں اور گواہیوں کے جو اقوامِ ملحدہ کے وفد برائے مہاجرین نے پیش کیں۔

لوگوں کی حالت یہ ہوگئی ہے کہ رعب وخوف کی اس فضاء میں چیختے ہیں اور ندائیں دیتے ہیں جبکہ وہ کھنڈروں پہ سوتے ہیں۔ ایسے میں انہیں اس عمل سے کوئی فدائی کارروائی ہی روک سکتی ہے جو اس جنگ میں ان کی جانب کچھ توازن پیدا کرے گی۔ یوں لگتا ہے کہ امریکی ان کارروائیوں میں حریت پسندی کی اس کارروائی کے ساتھ مشابہت دیکھ رہے جس نے انہیں گیارہ ستمبر کو ہدف بنایا۔ لیکن اگر وہ اس میں

تشابہ ڈھونڈتے ہیں تو وہ پہلے لوگ ہیں جنہوں نے اپنی سول وار زمیں ایسی کارروائیوں کوشروع کیا تھا۔ پھرانہیں کارروائیوں کو دوسری جنگِ عظیم میں ان کے خلاف استعمال کیا گیا اوران کارروائیوں کو'' کامیکاز'' کا نام دیا گیا۔ جنگی اسلوب تو علوم وفنون ہیں جبکہ اہم بات جنگوں کا عدل اوراس کی اخلاقیات ہیں۔

یہ عجب نہیں ہے کہ ساٹھ امریکی حلفاً دستخطوں کے ساتھ کہیں کہ ہم کس لیے لڑتے ہیں؟ جو چیز انہیں دہشت گردی کے خلاف لڑنے پہ جواز فراہم کرتی ہے وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ یہ اخلاقی جنگ۔ اس وثیقہ کواسلام الیوم نے انٹرنیٹ پہ بہت اچھی طرح رد کیا اور جبکہ اسے مرکز القیم نے تیار کیا تھا جبکہ یہاں مقصد صرف اس جنگ کی عدالت کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ جوسرزمین کی آزادی کے لیےلڑی جارہی ہے اور اس لیےلڑی جارہی ہے تاکہ غاصب کواپنی زمین سے باہر نکالا جاسکے۔

ابھی تک ان کے پاس دہشت گردی کی کوئی معین تعریف نہیں ہے جو کہ یہ واضح کرے کہ یہ کیسی جنگ ہے اور کمزور قوموں کی غاصب اور استعمار کے خلاف تحاریک کو جائز ٹھہرائے۔ لیکن یہ تو محض طاقت وروں کے دعوے ہیں جن کے لیے کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہوتی۔ کچھ دن قبل میں (شیخ سلمان العودہ) ''وال سٹریٹ جنرل'' جو کہ امریکہ میں تین اعلیٰ صحیفوں میں شمار کیا جاتا ہے، کے ایک مندوب سے ملا تو وہ کہنے لگا کہ کسی قسم کی کوئی حدود یا اخلاقیات موجود نہیں یہ تو محض قوت ہی قوت سے عبارت ہے۔ اور پانچ سو سالوں سے طاقتیں وہی کچھ کررہی ہیں جو وہ چاہتی ہیں اور جتنا ہی وہ قوت کو زیادہ حاصل کرلیتی ہیں اتنا ہی زیادہ کماتی ہیں۔ جب امریکیوں نے ریڈ انڈینز RedIndians پہ غلبہ پایا اور جب انگریز نے آسٹریلیا کے اصل باشندوں کو قابو کرلیا تو انہوں نے معرکہ جیت لیا۔ جبکہ جنوب افریقہ کے لوگ بڑے نرم تھے اس لیے انہوں ان پہ پورا غلبہ نہ کیا بلکہ وہ ان کی طرف آئے اور پھر فتح یاب ہوگئے۔

کل موئمتر الاسلامی کی کانفرنس ''کوالالمپور'' میں منعقد ہوئی ہے اور اسکی سب سے بڑی کامیابی یہ تھی کہ وہ دہشت گردی کی تعریف متعین کرنے میں ناکام رہی۔

جبکہ حربِ عادلہ جسے قرآن نے بیان کیا ہے اس کی مثالیں کچھ یوں ہیں۔

1۔ ان لوگوں سے لڑائی جو ہمارے ساتھ لڑتے ہیں۔

2۔ ان لوگوں سے لڑائی کرنا جنہوں نے ہمیں ہمارے گھروں اور مالوں سے ناحق نکالا۔

3۔ کمزوروں کی مدد کے لیے قتال۔

یہ تمام باتیں اسرائیل کے ساتھ اس لڑائی میں محقق ہیں بلکہ عربوں کی اسرائیل کے ساتھ لڑائی میں بھی۔اس لیے یہاں سے استشہادی عملیات کے متعلق سوال اٹھا جو کہ کمزوروں کے ہاتھ میں باقی آخری عسکری وسیلہ دکھائی دیتا ہے۔ یہاں سے اس کے متعلق بحث وجدال کا آغاز ہوا جس کے لیے سیمینارز، کانفرنسیں منعقد کی گئیں، کتابیں اور مقالات لکھے گئے۔ان میں بعض نے اس کی تائید میں اور بعض نے مخالفت میں لکھا اور بعض متردد ہی رہے لیکن اس کے ساتھ اس مسئلہ کے بعض مفردات کے متعلق بھی سوال ٹھائے گئے مثلاً!

اس کو نافذ کرنے کی حدود ومجالات کیا ہیں؟ اس معنی میں کہ کیا یہ صرف کافروں کے خلاف ان کے ملکوں میں ہی ہوں گی یا ان کے حدود کے باہر ان کے مصالح کے خلاف بھی ہوں گیں؟

☆ ......کیا ایسی کارروائیاں صرف عسکری اہداف کے خلاف کی جائیں گی یا ہر اس چیز پہ جو دشمن پہ اثر انداز ہو؟

☆ ......اس میں خونریزی کی حد کیا ہے؟ کہ اگر اس میں ہدف ایک ہی آدمی ہو جیسے کہ دشمن کا کوئی بڑا سردار ہو یا ہدف کی تعداد زیادہ جیسے کہ عامہ الناس یا ایسی اشیاء جن کی کوئی اہمیت نہیں تو اس میں پیمانہ یا اعتبار کیا ہوگا؟

☆......کیا اس میں والدین کی اجازت کی شرط ضروری ہے؟

☆......کیا مسلمان ملکوں میں بھی غیر مسلموں پہ حملے کیے جا سکتے ہیں؟

☆......کیا اس کارروائی کا نافذ کرنے والا شہید ہے یا کہ خودکش اور کیا ہم اس کے لیے رحم کی دعا کریں؟

☆......اس کارروائی کا حقیقی اور شرعی نام کیا ہونا چاہیے؟

(نوٹ) اس کے بعد شیخ کے فتویٰ کا پہلا حصہ سارا دہرایا گیا ہے جسے ہم نے بسببِ تکرار ترک کر دیا ہے اور اس میں موجود اشعار کو پہلے حصہ میں وارد کر دیا ہے جہاں کہ وہ تھے۔

فدائی کاروائیوں کے بارے میں اشکالات؟

فتویٰ

ڈاکٹر مسلم محمد جودت الیوسف (حفظہ اللہ تعالیٰ)

مدیر معهد المعارف لتخريج الدعاة (فلپائن) سابقاً

والباحث فی الدراسات الفقهية القانونية

ان الحمد لله نحمده و نستعينه ونستهديه ونستغفره و نسترشده، و نعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له و من يضلل فلاهادى له، واشهد ان لا اله الا الله و حده لاشريک له واشهد ان محمداً عبده ورسوله. قال تعالىٰ يا ايهالذين امنوا اتقووا الله حق تقاته ولا تموتن الا وانتم مسلمون (ال عمران102) وقال ايضا: يا ايها النا س اتقوا ربكم الذى خلقككم من نفس واحده وخلق منها زوجها وبث منهما رجالاً كثيراً ونساء واتقوا الله الذى تساء لون به والارحام ان الله كان عليكم رقيبا (النساء1). و قال جل جلاله يا ايهالذين امنوا اتقوا الله و قولوا قولاً سديداً يصلح لكم اعمالكم ويغفرلكم ذنوبكم ومن يطع الله و رسوله فقد فاز فوزا عظيما (الاحزاب 71-70). بے شک اللہ کا کلام ہی بہتر کلام ہے اور سب سے بہترین رستہ محمد رسول اللہ ﷺ کا رستہ اور سب سے برے امور بدعت کے ہیں اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی آگ میں ہے۔

امابعد! یہ خطرناک ترین حملہ جو کہ اسلام کے دشمنوں نے اسلام، مسلمانوں اور ان کے ملکوں پہ جاری کر رکھا ہے، ہم سے طلب کرتا ہے کہ ہم اپنے ''عدد'' کو سارے مالی ومعنوی وسائل کے ساتھ تیار کریں تا کہ اس دشمن کو اور اسکی راہ چلنے والوں کو پیچھے دھکیلا جا سکے ہر اس قوت کے وسیلے کے ساتھ جو ہمیں میسر ہو۔ اللہ فرماتے ہیں(**واعدو الهم ماا ستطعتم من قوه ومن رباط الخيل ترهبون به عدو الله و عدوكم وآخرين من دونهم لاتعلمونهم الله يعلمهم وما تنفقوا من شيء فى سبيل الله يوف اليكم و انتم لاتظلمون**)اور جہاں

تک تمہارا بس چلے دشمن کے لیے طاقت جمع رکھوں بندھے ہوئے گھوڑوں کے ساتھ اور اس سے تم اللہ کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو دہشت زدہ رکھو اور ان کو بھی جنہیں تم نہیں جانتے صرف اللہ جانتا ہے اور جو کچھ تم، اس کی راہ میں خرچ کرو گے تمہیں پورا پورا لوٹا دیا جائے گا اور تم پہ ظلم نہ کیا جائے گا(الانفال60)۔

ان حملوں کو روکنے کا واحد رستہ جہاد فی سبیل اللہ چاہے وہ روایتی جہاد ہو یا پھر جدید طرز کی فدائی کارروائیاں کہ جن کو اس امت کے منتخب شدہ افراد سرانجام دیتے ہیں۔ جب وہ اپنے جسم کے ساتھ کوئی بارودی بیلٹ باندھ لیتے ہیں یا گاڑی وغیرہ میں اس کو ڈال لیتے ہیں پھر وہ دشمن کے مجمع میں گھس جاتے ہیں اور اس بارود کو ان کے درمیان پھاڑ دیتے ہیں، چاہے اس کے ساتھ انہیں اپنے نفس کی بھی قربانی دینی پڑے۔

ملاحظہ ان کارروائیوں پہ یہ ہے کہ مجاہد کی یہ لڑائی اس کے اپنے ہاتھ اور اسلحہ کے ساتھ تھی اور اگر چہ اس کا اصل ہدف دشمن کا خاتمہ تھا۔ استشہادی مجاہد کی موت کے متعلق شبہ کہ وہ اپنے ہاتھوں اور اس کے اپنے اسلحہ سے ہوئی نہ کہ اسکے دشمن کے اسلحہ سے ہوئی، اس اشکال کو رد کرنے کے لیے ہم بعض دلائل پیش کرتے ہیں اور اسمیں سے ہے نبی ﷺ کا یہ قول مبارک **(انما الاعمال بالنیات و انما لکل امری مانوی)** تمام اعمال کا دارومدار نیتوں پہ ہے اور ہر شخص کے لیے وہی کچھ ہے جس کی اس نے نیت کی ہو۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس جرات مندانہ کارروائی میں مجاہد کی نیت اپنے نفس کا قتل کرنا ہرگز نہ تھا بلکہ اس کا مقصد اللہ کے کلمہ کی سربلندی، شہادت کی کامیابی، اور دشمن کے اندر تباہی پھیلانا تھا۔ پس بہت فرق ودوری ہے اس خودکش میں جو اپنی زندگی کے عذاب سے نکلنے کے لیے اپنے آپ کو ختم کرتا ہے اور وہ جو اللہ کی رضاہ اور جنت کی کامیابی تلاش کرتا ہے۔

اللہ کے اس قول کی طرف اچھی طرح دھیان کرو......اللہ فرماتے ہیں **(و لا تقتلو انفسکم ان اللّٰہ کان بکم رحیما و من یفعل ذالک عدوانا و**

ظلما فسوف نصلیه نارا و کان ذالک علی اللّٰه یسیراً)اور اپنی جانوں کو مت قتل کرو بے شک اللہ تمہارے اوپر رحیم ہے اور جو کوئی ایسا ظلم و عداوت کے سبب کرے گا تو ہم اسے آگ تک پہنچا دیں گے اور یہ کام اللہ کو بہت آسان ہے (النسآء 30-29)۔اللہ کے اس قول پہ باریک بینی کے ساتھ غور کیجیے(**و من یفعل ذالک عدوانا و ظلماً**)یعنی جو کوئی ایسا عدوان وظلم کے سبب کرے گا......اللہ کے اس بیان کی تعبیر کیسی ہے کہ جس میں اس حکم کی علت بیان کی گئی ہے۔پس خودکش خودکشی کرتا ہے ظلم وعدوان کے سبب نہ کہ اللہ اور جنت کی محبت میں۔

استشہادی کارروائی کو نافذ کرنے والے کو چاہیے!

(۱) اپنی نیت کو خالص رکھے اور اپنے نفس کو پھاڑنے کے ساتھ اعلائے کلمۃ اللہ کو مقصود رکھے جہاں تک اسکی استطاعت ہو۔جیسے کہ اس کے غالب گمان میں ہے کہ یہ کارروائی کسی اور وسیلہ سے نہیں کی جاسکتی یا یہ کہ اس میں سلامتی اغلباً موجود نہیں۔

(۲) اس کو یہ غالب گمان ہو کہ اسکی یہ کارروائی دشمن کے اندر تباہی پھیلائے گی یا اس پہ رعب طاری کردے گی یا مسلمانوں کو ان کے دشمن پہ جرات دلائے گی۔

(۳) یہ کہ مجاہد ایسی کارروائی نہیں کرتا مگر صرف جنگ کی حالت میں اور اس میدان میں اہل علم و تجربہ سے مشورہ کے بعد۔

جس کے علم میں اخلاص نیت کے علاوہ کچھ بھی نہ ہو تو اس کا عمل جائز ہے (واللہ اعلم) لیکن وہ اس سے افضل نہیں جس نے ان شروط کی تکمیل کی تاکہ اسکی یہ کارروائی بہترین حال پہ واقع ہو۔لیکن جس سے ان شروط کا فقدان واقع ہوا سوائے اخلاص نیت کے تو ہم یہ اعتبار نہیں کرتے کہ اس کا عمل ضائع ہو گیا ہے بلکہ وہ شہید اور اللہ عزوجل کی طرف سے ماجور ہے۔

علماء نے دشمن پہ غالب امکان کے ساتھ حملہ آور ہونے والے پر حکم لگایا ہے۔ پس جس کو غالب گمان ہو کہ وہ قتل ہو جائے گا تو وہ گویا ایسے ہی کہ اسے یقین ہو گیا ہو اور

دونوں کا حکم ایک جیسا ہی ہے۔ پس اس مسئلہ میں ان کے نزدیک موت کے غالب امکان کا کوئی فرق نہیں۔ نہ ہی اس میں کوئی فرق ہے جو دشمن کے اندر گھس کر اپنے قتل میں دشمن کے ساتھ معاون بنتا ہے اور وہ جو استشہادی کارروائی کے ذریعے اپنے نفس کو قتل کرتا ہے جب تک کہ وہ اللہ کے دین کی نصرت اور اللہ کی رضا کی تلاش میں ایسا کر رہا ہے۔

مجاہد کی شہادت کے لیے یہاں قتل کرنے والے ہاتھ کا کوئی اعتبار نہیں، چاہے اس نے اپنے نفس کو بارود پھاڑ کے قتل کیا ہو، یا اس کا اپنا اسلحہ اسی کو لگ گیا ہو یا اسے مسلمانوں نے غلطی سے قتل کر دیا ہو یا اسے مسلمانوں نے تترس کی حالت میں ضرورت کے تحت قتل کیا ہو یا پھر اس نے دشمن کو دین کی مصلحت کی خاطر اپنے قتل کا طریقہ بتایا ہو جیسے کہ وہ بچے کے قصہ میں ہے کہ اس نے اپنی قوم کے اسلام کی امید میں ایسا کیا۔ پس یہ صورت اور اس جیسی صورتِ احوال باہم متشابہ ہیں۔ قاتل ہاتھ کے مختلف ہونے سے حکم مختلف نہیں ہو جائے گا جب تک کہ استشہادی کارروائی میں "نیت اور قصد" موجود ہے اور ہم اپنے بھائیوں کے ساتھ یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ اپنی جانوں کو قربان کرتے ہیں صرف اور صرف اللہ کے کلمہ کی سربلندی اور دشمن کی تباہی کے لیے۔

اللہ فرماتے ہیں **(ان اللّٰہ اشتریٰ من الموء منین انفسھم و اموالھم بان لھم الجنة یقاتلون فی سبیل اللّٰہ فیقتلون ویقتلون وعداً علیه حقا فی التوراة والانجیل والقرآن ومن اوفیٰ بعهده من اللّٰہ فا ستبشرو ببیعکم الذی بایعتم به وذالک هو الفوز العظیم)** بے شک اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے ان کی جان اور مال کو جنت کے بدلے میں خرید لیا ہے کہ وہ اللہ کی راہ میں قتال کرتے ہیں پس قتل کرتے اور قتل ہوتے ہیں، یہ وعدہ ہے ان کے ساتھ انکے رب کی طرف سے جو اس سے پہلے تورات، انجیل اور قرآن میں بھی کیا گیا ہے پس خوش ہو جاؤ اس تجارت پہ جو تم نے کی ہے اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے (التوبہ 111)۔

ولا حول ولا قوة الا بالله العلی العظیم.

اللہ کا شیر

شاعر:لقمان البغدادی / الدورۃ. بغداد/ 19/04/1422 ہجری

ہراس شیر کی طرف جو(کتیبۃ الاستشھادیین) اورالقاعدۃ کی پناہ گاہوں میں دجلہ وفرات کے ملک میں اپنے گھوڑے پر سوار شہادت کے حسین لمحات کا منتظر ہے۔

صُبَّ عَلیھِم سَوطَ عَذابِ		یا اَسَدِ اللّٰہِ الاِرھَابِیِ

برسادے کوڑا ان پے عذاب کا اے اللہ کے ''دہشت گرد'' شیر

فَجِّرھا .....وَادحَر اَمرِیکا		ھُبُلَ العَصرِ مَعَ الاَ ذنَابِ

پھاڑ دے تو دھتکار دے امریکہ کو، اس دور کے ہُبل کو چیلوں سمیت

مَزِقھُم.....قَطِعھُم اِرَباً		یَومُکَ ھَذا یَومَ ضِرَابِ

پھاڑ دے انہیں ٹکڑوں میں کاٹ دے تیرا یہ دن مار کا دن ہے

اَصحَابُکَ قَبلَکَ قَد دَخلُوا		لِلجَنَّۃِ مِن ھٰذَا البَابِ

داخل ہوگئے تیرے ساتھی تجھ سے پہلے جنت کے لیے اس دروازے سے

وَکَأنِّی بِأزوَاجِکَ فِیھَا		تَتَلَھَّفُ مِن طُولِ غِیَابِ

گویا تیری بیویاں اسمیں غمناک ہیں تیری طویل غیر حاضری کے سبب

فَجِّرھَا فِیھِم یَا بَطَلاً		لَاتَ لِعَمرِکَ حِینَ عَتَابِ

اڑادے ان میں اے بطل، تیری قسم وہ تیرے عتاب کی خبر چھپاتے ہیں

أَدرِک ثَارَ دَمِ سَفَکُوہُ		وَحشِیٍّ مُندَلِقِ الاَقتَابِ

بتا انہیں اس خون کا زور جوانھوں نے وحشیوں کی طرح آنتیں نکال کے بہایا

زَلزِلھُم شَتِّ شَملَھُم		اَنزِل بِھِم شَرَّ عِقَابِ

زلزلے بپا کر ان کی ہوا اکھیڑ دے اور ان پے بدترین سزا نازل کر

بِرِعَاعِ مَاحَكَمُوا يَوماً		بِشَرِيعَةِ رَبِّ الاَربَابِ

ذلیل لوگوں نے ایک دن بھی رب الارباب کی شریعت کے مطابق حکومت نہ کی۔

شَرِّد حُمرَ" حِرسَ الوَثَنِي"		يَااَسَدِ اللّٰه الوَثَّابِ

بت پرست پہرے داروں کا غصہ ٹھنڈا کراے اللہ کے تیز رفتار شیر

جَندِلهُم بِجَهَنَّمَ زُمرَاً		صَرعیٰ بِظَفرِ مِنكَ وَنَاب

بچھاڑ کے پھینک انہیں جہنمیوں کے گروہ میں، گرا کے زمین پے فتح کو قریب کر

كَم فِي فِعلِكَ هٰذا عِبَرُ		تَذكِرَةٌ لِأُولِي الاَلبَاب

تیرے اس فعل میں پنہاں ہیں کتنی نصیحتیں جو عقل رکھنے والوں کے لیے یاددھانی ہے۔



رسالۃ فی عملیات استشہادیۃ

استشہادی کارروائیوں کے متعلق رسالہ

اعداد:
اللجنة الشرعية بجماعة الجهاد
مصر المظلومة

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مصر کی **جماعة الجهاد** جو کہ مصر میں ایک کالعدم تنظیم شمار کی جاتی ہے جس کی قیادت کبھی شیخ ایمن حفظہ اللہ کے ہاتھ میں تھی، اس کی شرعی دراسات کی کمیٹی نے ایک رسالہ بعنوان ''**رسالة فی عملیات استشهادیة**'' شائع کیا اور اس میں بنیادی طور پہ تین مسائل کو زیرِ بحث لایا گیا۔ ان میں پہلا مسئلہ تھا استشہادی یا فدائی کارروائیوں کا شرعی حکم، دوسرا مسئلہ کافروں کو مارنے کا جواز ایسے وقت میں جب وہ مختلط ہوں ان لوگوں کے ساتھ جن کا قتل جائز نہیں اور تیسرا مسئلہ طاغوتوں کے اعوان و مددگاروں کا شرعی حکم تھا۔ لیکن یہاں ہم صرف اپنے موضوع کا حصہ بیان کریں گے اور باقی مواد کو کسی اور موقع کے لیے اٹھا رکھیں گے۔ اگرچہ اس میں بہت باتوں کا تکرار ہے لیکن مسئلہ کی تائید و تاکیدِ مزید کا سامان اس میں موجود ہے۔

۱۔ استشہادی کارروائیوں کی شرعی حیثیت:

اس حصہ میں ہم اہم دلائل اور استشہادی کارروائیوں کے جواز میں علماء کا کلام پیش کریں گے۔ اس بحث کو ہم درج ذیل میں تقسیم کرتے ہیں۔

۱۔ دین کی مصلحت کی خاطر اتلافِ نفس کا جواز۔

۲۔ جہاد میں مہلک مواقع پہ حملہ کرنے پہ علماء کا اجماع۔

۳۔ اکیلے آدمی کا کثیر عدد پہ حملہ کرنے کا جواز (موت کے یقین کے ساتھ)

۴۔ قتل نفس کی نہی سے دین کی مصلحت کی خاطر قتل نفس کا خروج۔

۵۔ ہلاکت میں داخل ہونے سے قتل فی سبیل اللہ کا خروج۔

۶۔ صبر کی فضیلت، جس کو قید کا یقین ہو اور وہ موت تک لڑے۔

۷۔صبر کی فضیلت، قتل پہ صبر کرنا اور کلمہ کفر نہ کہنا۔
۸۔امر بالمعروف ونہی عن المنکر میں قتل پہ صبر۔
۹۔تعذیب کے تحت اپنے راز بچانے کے لیے قتل نفس کا جواز۔

اللہ فرماتے ہیں کہ ''اصحابِ خندق قتل کر دیئے گئے۔ایندھن سے بھری ہوئی آگ تھی۔مسلمانوں کے ساتھ کیے جانے والے فعل پہ وہ خود شاہد تھے۔انہوں نے ایمان والوں سے اللہ عزیز وحمید پہ ایمان لانے کا ہی انتقام لیا تھا (البروج 8-4)۔ مسلم نے اپنی صحیح میں صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم سے پہلی قوموں میں ایک بادشاہ ہوا کرتا تھا اور اس کا ایک جادوگر تھا۔جب جادوگر بوڑھا ہوگیا تو اس نے ایک دن بادشاہ کو کہا کہ میں بوڑھا ہوگیا ہوں پس تو مجھے ایک لڑکا بھیج جسے میں اپنے جادو کا علم سکھلا دوں۔تو بادشاہ نے جب ایک بچے کو جادوگر کے پاس بھیجا تو اسے رستے میں ایک راہب ملا تو وہ اس کے پاس بیٹھ کے اس کی باتیں سننے لگا جو اسے بھلی معلوم ہوئیں اور پھر وہ جادوگر کے پاس گیا تو اس سے سیکھنے لگا۔یہی ان کا طریقہ رہا یہاں تک کہ ایک دن جادوگر نے اسے لیٹ آنے کے سبب مارا تو بچے نے اس کی شکایت راہب سے کی تو اس نے کہا جب تجھے جادوگر کا خوف ہو تو کہنا مجھے گھر والوں نے روک لیا تھا اور جب گھر والے دیر سے آنے کا سبب دریافت کریں تو کہنا کہ مجھے جادوگر نے روک لیا تھا۔ایسا ہی چلتا رہا کہ ایک دن اس کے رستہ میں ایک بہت بڑا جانور آگیا تو اس نے کہا آج میں جان جاؤں گا کہ راہب بہتر ہے یا جادوگر۔اس نے ایک پتھر لیا اور کہا اے اللہ اگر راہب کا دین تجھے جادوگر کے طریقے سے زیادہ پسند ہے تو اس جانور کو ہلاک کر دے تاکہ لوگ چلے جائیں۔تو اس کے پتھر مارنے سے وہ جانور مر گیا اور لوگ چلے گئے۔

تو اس نے راہب کو خبر دی، راہب نے اسے کہا اے میرے بیٹے (انت الیوم افضل منی قد بلغ من امرک ماأری وانک ستبتلی فا ن ابتلیت

فلا تدل علی) آج تو مجھ سے افضل ہوگیا ہے کیونکہ تو ایسے مقام تک پہنچ گیا اور اب تجھے آزمایا جائے گا پس اگر ایسا ہو تو میرے بارے میں مخبری نہ کرنا۔ یہ بچہ پھر اللہ کے حکم سے بہرے، کوڑھیوں اور ساری بیماریوں کا علاج کرتا تھا تو بادشاہ کے ایک وزیر کو جو اندھا تھا اس کا پتہ چلا۔ وہ اس کے پاس بہت سے تحفے لے کے آیا، کہنے لگا اگر تو مجھے شفا دے دے تو میں اس کے علاوہ بھی تجھے بہت کچھ دوں گا۔ تو بچے نے کہا میں شفا نہیں دیتا بلکہ شفاء تو اللہ دیتا ہے پس اگر تو اللہ پہ ایمان لے آئے تو میں اللہ سے دعا کروں گا کہ تجھے بصارت دیدے۔ تو وہ ایمان لے آیا اور اسے اللہ نے شفا دیدی۔

پھر جب وہ بادشاہ کے پاس آیا۔ بادشاہ کہنے لگا تجھے کس نے شفا دی کہنے لگا میرے رب نے۔ بادشاہ نے کہا کہ میرے سوا بھی تیرا کوئی رب ہے تو اس نے کہا کہ میرا اور تیرا رب اللہ ہے۔ تو بادشاہ نے اسے تعذیب دینا شروع کی یہاں تک کہ اس نے بچے کے بارے میں بتا دیا۔ جب بچہ آیا تو بادشاہ کہنے لگے کہ تیرا جادو اس قدر ہوگیا کہ تو کوڑھیوں کو جلا بخشنے لگا اور یہ کرنے لگا۔ تو بچے نے کہا شفا تو اللہ دیتا ہے۔ اسے بھی تعذیب دی گئی یہاں تک کہ اس نے راہب کے متعلق بتا دیا۔ جب راہب آیا تو بادشاہ نے اسے اپنے دین سے پھر جانے کو کہا لیکن اس نے انکار کر دیا تو اس کے سر پہ لوہے کی کنگھی چلائی گئی جو اسے ہونٹوں تک کاٹتی چلی گئی۔ پھر بادشاہ کے وزیر کیساتھ بھی ایسا ہی کیا گیا۔ پھر بچے کو لایا گیا اور اس سے کہا گیا اپنے دین سے پھر جا تو اس نے انکار کر دیا۔ تو بادشاہ نے اسے اپنے چند آدمیوں کے سپرد کیا اور انہیں کہا فلاں فلاں پہاڑ پہ اسے لے جاؤ اور اسے لے کر اس پہاڑ پہ چڑھو پس جب تم اس کی چوٹی پہنچ جاؤ تو اگر تو یہ اپنے دین سے پھر جائے تو ٹھیک ورنہ اسے پہاڑ سے نیچے پھینک دو تو وہ اسے لیکر پہاڑ پہ چڑھے تو اس لڑکے نے کہا اے اللہ کیسے بھی ہو ان کو میرے لیے کافی ہو جا تو پہاڑ لرزنے لگا اور وہ لوگ پہاڑ سے گر گئے۔ یہ چلتا ہوا بادشاہ کے پاس پہنچا تو بادشاہ کہنے لگا تیرے ساتھ جو بندے تھے کدھر گئے۔ کہنے لگا اللہ مجھے ان کے

لیے کافی ہوگیا۔تو بادشاہ نے اسے اپنے بندوں کے ایک گروہ کے حوالے کیا اورانہوں نے اسے ایک کشتی میں سوار کیا کہ اگر یہ دین سے پھر جائے تو ٹھیک ورنہ اسے سمندر میں ڈبودوتو وہ کہنے لگا(**اللهم أكفنيهم بما شئت و كيف شئت**)اے اللہ ان کو میرے لیے کافی ہوجا تو کشتی غوطہ کھانے لگی اور وہ ڈوب گئے اور یہ بادشاہ کے پاس پہنچ گیا تو وہ کہنے لگا تیرے ساتھ جولوگ تھے ان کا کیا بنا تو یہ کہنے لگا اللہ مجھے ان کے لیے کافی ہوگیا اور کہنے لگا اے بادشاہ تو مجھے قتل نہیں کرسکتا یہاں تک کہ تو وہ کام نہ کرے جس کا میں تجھے حکم دیتا ہوں۔ بادشاہ نے کہا وہ کیا ہے۔کہنے لگا تو لوگوں کو ایک کھلے میدان میں جمع کر پھر تو ایک تیر لیکر اسے کمان میں چڑھا لے پھر کہہ اللہ کے نام سے جو اس بچے کا رب ہے پھر مجھے مار تو اگر تو نے ایسا کیا تو مجھے قتل کرنے کے قابل ہوجائے گا۔تو بادشاہ نے لوگوں کو ایک میدان مین جمع کیا اور اسے سولی پہ لٹکا دیا پھر اس نے بچے کے ترکش سے ایک تیر لیا اور اسے کمان میں چڑھایا اور کہا اللہ کے نام سے جو اس بچے کا رب ہے پھر تیر مارا تو تیر اسکی شہ رگ پہ لگا تو اس نے اپنی شہ رگ پہ ہاتھ رکھ لیا جہاں اسے تیر لگا تھا اور وہ مر گیا۔تو سب لوگ کہنے لگے ہم اس بچے کے رب پہ ایمان لے آئے......**امنا برب الغلام** ...... **امنا برب الغلام** جب بادشاہ آیا تو اسے کہا گیا کہ تو نے دیکھ لیا اس بات کو جس سے تو ڈرتا تھا تو اللہ نے تیرا ڈر واقع کردیا دیکھ لوگ ایمان لے آئے تو اس نے خندقیں کھودنے کا حکم دیا اور اسمیں لکڑیاں ڈال دی گئیں اور پھر خوب آگ کو بھڑکایا گیا تو بادشاہ نے کہا جو اپنے دین سے نہیں پھرے گا اس کو اس آگ میں ڈال دو تو انہوں نے ایسا ہی کیا یہاں تک کہ وہ جب ایک عورت کے پاس پہنچے تو اس نے تھوڑا پس وپیش کے ساتھ کام لیا کہ وہ اس آگ میں کودے تو اس کا شیر خوار بچہ بول اٹھا اے ماں صبر کر بے شک تو حق پہ ہے(مسلم نے اسے کتاب الزہد والرقائق میں بیان کیا/خندقوں والوں کے قصہ میں، اور اسے احمد نے صہیب سے روایت کیا)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مسلم نے اپنی صحیح میں اصحابِ احدود کا واقعہ روایت کیا ہے اور اس میں ہے کہ بچے نے دین کے غلبے کی مصلحت کو دیکھتے ہوئے اپنے نفس کے قتل کا حکم دیا۔ اسی لیے آئمہ اربعہ نے کافروں کی صفوں کے اندر گھسنے کو جائز ٹھہرایا چاہے ایسے حملہ آور کو غالب گمان ہو کہ وہ ہلاک ہو جائے گا۔ پس اگر ایسا آدمی یہ اعتقاد رکھتا ہو کہ جہاد کی مصلحت کی خاطر قتل ہو رہا ہے جبکہ اس کا اپنے نفس کو قتل کرنا بنسبت دوسرے کو قتل کرنے کے بڑا گناہ ہے، پس اس کا فعل اگر دین کی مصلحت کے لیے دوسرے کے قتل کی طرف لے جاتا ہو اور مفسد دشمن کے ضرر کو دور کرنے کے لیے جب اور کوئی رستہ نہ ہو تو ایسا فعل اولیٰ ہے (مجموع الفتاویٰ 540/28)۔

اس حادثہ سے چند امور کی وضاحت ہوتی ہے۔

1۔ بچے نے اپنے نفس کو اپنے حکم و ارادہ سے قتل کیا جبکہ بادشاہ دو بار اس کے قتل کی کوششوں میں ناکام ہو چکا تھا۔ تو بچے نے بادشاہ کو وہ طریقہ بتایا جس کے ساتھ اسے قتل کیا جا سکتا ہے۔

2۔ یہ قتل دعوت کی نصرت اور لوگوں پہ حجت قائم کرنے کے لیے واقع ہوا تاکہ لوگ اللہ سبحانہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہو جائیں۔ پس اس قتل سے دعوت کی نصرت ہوئی اور دین کی نصرت کی خاطر یہ ایک محمود شرعی مقصد ہے۔ یہ عمل جنگ کے دوران دشمن کی صفوں میں تباہی پھیلانے کے مسئلہ سے زیادہ وسیع ہے۔

3۔ اس حادثے کا ذکر قرآن نے مدح وستائش کے ساتھ کیا ہے اور یہ ذکر کیا ہے کہ کیسے مومنوں نے کفر کے خلاف قتل کو اختیار کیا۔ اس لیے قرطبی نے ان آیات کی تفسیر میں کہا کہ ہمارے علماء کہتے ہیں ''اللہ عزوجل نے اس آیت میں مومنوں کو خبر دی ہے کہ جب ان کے دل میں وحدت ہو تو کیسے کیسے مصائب وشدائد سے واسطہ پڑ سکتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو بچے کا یہ واقعہ بیان فرمایا تاکہ وہ ان مصائب پہ جو انہیں پہنچ

رہے ہیں صبر سے کام لیں، جیسے کہ اس بچے کو اس چھوٹی عمر میں مصائب جھیلنا پڑے اور وہ حق پہ ڈٹا رہا۔اسی طرح کیسے راہب دین پہ قائم رہا۔اسی طرح بہت سے لوگ تھے کہ جب وہ ایمان لائے اور اسمیں راسخ ہو گئے تو انہوں نے آگ میں جانا قبول کر لیا اور اپنے دین سے ہر گز نہ لوٹے۔ابن العربی کہتے کہ یہ ہمارے نزدیک منسوخ ہے جبکہ میں کہتا ہوں کہ ہمارے نزدیک یہ ہرگز منسوخ نہیں ہے جبکہ صبر تو وہی کرتا ہے جس کا نفس مضبوط ہو اور اس کا دین مضبوط ہو۔اللہ تعالیٰ لقمان علیہ السلام کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ انہوں نے اپنی وصیت میں کہا(**یا بنی اقم الصلو ۃ وأمر بالمعروف وانه عن المنکر واصبر علی ما اصابک ان ذالک لمن عزم الامور**)اے بیٹے نماز قائم کر، نیکی کا حکم دے برائی سے روک اور جو مصیبت تجھ کو آئے اس پہ صبر کر، بے شک یہ عزیمت والے کام ہیں (لقمان.17)۔

ابوسعید الخذری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا(**ان من اعظم الجهاد کلمة عدل عند سلطان جائر**)سب سے بڑا جہاد یہ ہے کہ جابر سلطان کے سامنے کلمہ عدل کہا جائے (اسے ترمذی نے روایت کیا اور کہا کہ یہ حدیث حسن غریب ہے،اسکی اسناد جید ہیں، احمد، نسائی اور بیہقی نے اسے طارق بن شہاب سے روایت کیا ہے، جبکہ حاکم نے ابوسعید رضی اللہ عنہ سے، ابن ماجہ اور طبرانی نے اسے الکبیر میں روایت کیا اور ابن عدی نے ابوامامہ سے روایت کیا)۔ابن سنجر (محمد بن سنجر) نے روایت کیا ہے امیمہ رضی اللہ عنہا سے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خادمہ تھیں وہ کہتی ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کروا رہی تھی کہ ایک آدمی آیا اور عرض کی مجھے وصیت کیجیے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا''اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا اگرچہ تجھے کاٹ دیا جائے یا آگ میں جلا دیا جائے (اسے ابن ماجہ نے کتاب الفتن میں اور احمد نے مسند میں روایت کیا اور یہ حسن ہے)۔قرطبی (293/19) میں کہتے ہیں کہ ہمارے علماء نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے صحابہ ایسے تھے کہ جن کو قتل، تعذیب اور سولی کا سامنا کرنا پڑا لیکن ان

میں سے کوئی بھی اس بات کی طرف متوجہ نہ ہوا۔ اس باب میں قاری کو عاصم اور خبیب رضی اللہ عنہما کا قصہ ہی کافی ہے۔ اسی طرح جنگوں میں جو مشکلات و امتحانات انہیں پیش آئے، جیسے کہ قتل، قید اور جلایا جانا وغیرہ۔ پس ایسے مواقف پہ اجماع ہے۔

پس غلام کا بادشاہ کو حکم دینا ظلم وزیادتی نہیں کہلا سکتا جیسا کہ آگے اجماع کا ذکر آئے گا جسے ابنِ حجر نے ذکر کیا ہے اور نہ ہی اپنے نفس کو ہلاکت میں ڈالنے کو ہلاکت کہا جا سکتا ہے جیسے کہ اس باب میں عمر اور ابو ایوب الانصاری رضی اللہ عنہما کا قول مذکور ہے

4۔ وہ مومنین جو بچے کے رب پہ ایمان لائے انہوں نے اپنے ارادہ سے قتل کی راہ اپنائی تا کہ کفر کے خلاف دین کا اظہار ہو جیسے کہ حدیث میں اس کی وضاحت موجود ہے۔ پس ان کا خود بخود اس طرح آگ میں کودنا اور نہ ہی اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا اور نہ ہی ظلم وزیادتی کہا جا سکتا ہے۔ بلکہ یہ ایک ایسا عمل ہے جسے اللہ عزوجل محبت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور بے شک اس پہ ایسے مصالح مرتب ہوتے ہیں جنہیں اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

5۔ اس حدیث میں دین کی مصلحت کے لیے اتلافِ نفس کے بارے میں موجود قوی دلالت کے باعث شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے دشمن کے اندر گھس جانے پہ استدلال کیا ہے جیسا کہ اس کا ذکر گذر چکا ہے۔ اسی کے ساتھ شیخ محمد بن ابراہیم آل الشیخ رحمہ اللہ نے ایک دوسری صورت پہ استدلال کیا ہے کہ جس میں دین کی مصلحت کی خاطر قتلِ نفس کا جواز ہے۔ وہ ہے مسلمان قیدی کا مسلمانوں کے رازوں کی حفاظت کی خاطر اپنے نفس کا قتل کرنا۔ ان کے کلام کی نص کو ہم عنقریب ذکر کریں گے۔ گویا کہ یہ حدیث ایک ایسی اصل بن گئی ہے کہ جس میں کئی مسائل پہ استنباط کیا جاتا ہے۔ پس اس حدیث پہ یہ اعتراض کرنا بھی درست نہیں کہ یہ ہم سے پہلی شریعت کا قصہ ہے۔ شیخ الاسلام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ اس مسئلہ میں حجت پکڑی ہے اور یہ ہم سے پہلوں کی شریعت ہے جسکی صحت واقرار کا اعلان ہماری شریعت نے بھی کیا ہے۔ ہم سے پہلی شریعت

سے مراد ایسے احکام ہیں جن کو اللہ نے پہلی امتوں کے لیے مشروع ٹھہرایا تھا۔علماء کے درمیان اس باب میں کوئی اختلاف نہیں کہ پہلی شریعت ہماری شریعت ایسی صورت میں ہے جبکہ ہماری شریعت نے اسے واجب کیا ہو، اسے صحیح کہا ہو اور اس کے اور ہماری شریعت کے درمیان کوئی خلاف نہ ہو۔اختلاف اس بات میں ہے کہ ہم سے پہلی شریعت کیا ہمارے لیے بھی شریعت ہے؟ جبکہ ہماری شریعت نے اسکی تصحیح یا تقریر نہ کی ہو۔راجح بات یہ ہے کہ ہم سے پہلی شریعت ہمارے لیے بھی شریعت ہے جبکہ ہماری شریعت میں ایسی کوئی چیز وارد نہ ہو جو اس نا قابلِ اعتبار ٹھہراتی ہو۔ کیونکہ اس کی حکایت کا سکوت کے ساتھ بیان کیا جانا اس کے اقرار کے معنی میں آتا ہے۔

اس مسئلہ میں مزید تفصیل کے لیے **المستصفیٰ للغزالی 132 ،الاحکام للآمدی 186/2، شرح مسلم الثبوت 185/2-184 الاحکام لابن الحزم 724/5** اور **تفسیر القرطبی 38/7** کا مطالعہ مفید ہوگا۔

6۔ داعیوں کا رستہ اور انبیاء کے متبعین کا رستہ اذیت پہ صبر کرنا ہے جو انہیں حق کے رستے میں اور دعوت کی نصرت کے معاملے میں درپیش آئیں۔ جیسے کہ فرعون اور جادگروں کے قصہ میں ہے" وہ کہنے لگے ہم تجھے ہرگز ترجیح نہ دیں گے ان واضح نشانیوں پر جو ہمیں پہنچ چکی ہیں اور اپنے خالق پر، پس تو جو فیصلہ کرنا چاہتا ہے کر لے کہ تو تو صرف اس دنیا کا ہی فیصلہ کرے گا۔ ہم اپنے رب پہ ایمان لے آئے تا کہ وہ ہماری خطائیں اور جو تو نے ہمیں جادو کرنے پہ مجبور کیا اسے بخش دے اور اللہ بہتر اور باقی رہنے والا ہے(طہ 73-72)۔

اسی طرح جیسے کہ امام احمد بن حنبل کے قصہ میں، ان کی وہ آزمائش جس میں اللہ عزوجل نے سنت کو محفوظ رکھا جبکہ قرآن نے بھی ایسے مواقف کی حقیقت کا اعتراف کیا ہے۔اللہ فرماتے ہیں(**وجعلنا منهم ائمة يهدون بامرنا لما صبروا وكانوا بآياتنا يوقنون**)اور ہم نے ان میں ایسے آئمہ بنائے جو ہمارے حکم

کے ساتھ ہدایت کرتے تھے اور وہ ہماری آیتوں پہ یقین کرنے والے تھے (السجدہ 24)۔ یہ مومنوں کا راستہ ہے ایسا موقع پہ بھی جبکہ وہ کمزور ہوں۔ان کا طریق یہ ہے کہ اگر اللہ انہیں زمین میں تمکنت عطا فرما دے تو وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو قائم کرتے ہیں۔ یہ کام جہاد فی سبیل اللہ اور اللہ کی طرف دعوت کی اقسام میں سے ہے۔اسی لیے اللہ فرماتے ہیں(**الـذین ان مکناھم فی الارض أقاموا الصلاۃ و آتوا الزکوۃ وأمروا بالمعروف ونھوا عن المنکر وللّٰہ عاقبۃ الامور**) وہ لوگ کہ جب ہم انہیں زمین میں تمکنت دیں تو وہ نماز قائم کرتے ہیں، زکوۃ دیتے ہیں، نیکی کا حکم کرتے اور برائی سے روکتے ہیں۔اور سب امور کا انجام کار اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے (الحج 41)۔

یہ مومنین کا رستہ ہے جبکہ آج کے زمانے میں داعیان کا رستہ یہ ہے کہ وہ جہاد سے دوری کے ساتھ دیے گئے فتاویٰ صادر کر کے طاغوتوں کو تحفظ فراہم کر رہے ہیں۔ جب انبیاء کے متبعین ان طاغوتوں سے دشمنی کا، ان سے برات کا اظہار کرتے ہیں اور انہیں معزول کرنے کی سعی کرتے ہیں تو یہ نام نہاد داعی حضرات ان پہ حملے کرتے ہیں اور ان طاغوتوں کو ان کے قتل کی ترغیب دیتے ہیں۔پس جب یہ طاغوت، علماء اور منافقین حکومت کی کرسی پہ براجمان ہوتے ہیں ان کی سیرت یہ ہوتی ہے کہ وہ دشمنانِ اسلام سے دوستیاں لگاتے ہیں اور ان کے سامنے جھک جاتے ہیں جیسے کہ آج کے تمام مسلمان ممالک کا حال ہے اور ان لوگوں کی سیرت میں اللہ کے دین کے دشمنوں کے خلاف جہاد کا شائبہ بھی نہیں۔پس یہاں سے قاری کے سامنے رسولوں کے متبعین کا حال واضح ہو جاتا ہے کہ وہ دین، کتاب اللہ اور تلوار کے ساتھ اللہ کے دین کی نصرت کرتے ہیں۔ اللہ فرماتے ہیں ”تحقیق ہم نے رسولوں کو بھیجا واضح نشانیوں اور کتاب و میزان کے ساتھ تاکہ لوگوں کے درمیان انصاف قائم ہو اور ہم نے لوہا نازل کیا جس میں بہت زور ہے اور لوگوں کے لیے منافع ہیں اور تاکہ اللہ جان

لے کہ کون اس کی اور اس کے رسولوں کی غیب کے ساتھ مدد کرتا ہے، بے شک اللہ قوی وغالب ہے(الحدید25)۔

پس مومنین جب کمزور ہوتے ہیں تو وہ اپنے دلوں اور زبانوں کے ساتھ جہاد کرتے ہیں اور جب وہ تمکنت میں ہوتے ہیں تو نیکی کا حکم کرتے اور برائی سے روکتے ہیں، کفار سے جہاد کرتے ہیں اور توحید کی دعوت کو پھیلاتے ہیں۔ اس سے آپ کے سامنے فرق واضح ہو جائے گا انبیاء کے موحد متبعین کا اور مفاد پرست داعیان کا جو اللہ کی آیات کو تھوڑی قیمت پہ بیچ ڈالتے ہیں، مرتدین کی خدمت بجالاتے ہوئے اور اللہ کے دین کے دشمنوں کی وکالت کرتے ہوئے۔ اللہ فرماتے ہیں (**و اذ اخـــذ اللّٰہ میثاق الذین اوتوا الکتاب لتبیننہ للناس ولا تکتمونہ فنبذوہ وراء ظھورھم واشتروا بہ ثمنا قلیلا فبئس ما یشترون**)"جب اللہ نے ان لوگوں سے عہد لیا جن کو کتاب دی گئی تھی کہ تم اسے لوگوں کو بیان کرو گے اور کوئی بات اس میں سے چھپاؤ گے نہیں تو انہوں نے کتاب اللہ کو پسِ پشت ڈال دیا اور اسے تھوڑی قیمت کے بدلے بیچنے لگے پس کیا ہی برا سودا ہے(آل عمران 187)۔

اس کے علاوہ جو بات اس معنی میں نفس کے اتلاف کو دین کے غلبہ کے جواز میں تقویت دیتی ہے وہ ہے جسے ابن کثیر رحمہ اللہ نے دشمن کے سلطان کے ہاتھ "عکا" شہر چھیننے کے واقع میں بیان کیا ہے۔" جب جمادی الاولیٰ کے مہینے میں فرنگیوں لعنتیوں کا محاصرہ عکا شہر پہ شدت اختیار کر گیا اور وہ اس شہر کی طرف دور دراز سے امڈ کر آ گئے اور انگریزوں کا بادشاہ ایک بہت بڑے جمِ غفیر کو ساتھ لایا۔ اس موقع پہ مسلمانوں کو ایک ایسی بلاء عظیم کا سامنا ہوا کہ اس سے پہلے اسکی مثال نہ ملتی تھی۔ تو ایسے وقت میں سلطان (صلاح الدین ایوبی رحمہ اللہ) نے اپنی کچھ خاص علامتوں کو شہر میں پھیرایا جس سے لوگ اس کے پاس جمع ہو گئے۔ صلیبیوں نے ہر جانب سے محاصرہ کر رکھا تھا اور انہوں نے سات منجنیق نصب کر رکھی تھیں جن سے وہ سنگ باری کر رہے

تھے اوران سے صبح وشام سنگ باری جاری رہتی۔خاص طور پہ عین البقر نامی برج پہ بہت سنگ باری کی جارہی تھی یہاں تک کہ اس میں بہت واضح شگاف پڑ گیا تو مسلمانوں سے جوممکن ہوسکا اس سے انہوں نے اس خندق کو بھرنا شروع کیا۔جس میں مرے ہوئے جانور رکھے گئے،حتیٰ کہ جومسلمانوں میں سے مر گیا تھا اسکی لاش بھی لا کے اس خلاء میں پھینک دی گئی۔انگریز بادشاہ نے مسلمانوں پہ بہت سخت پکڑ کر رکھی تھی یہاں تک کہ جب بیروت کی جانب سے مسلمانوں کے لیے کمک آئی تو اس نے اسے بھی پکڑلیا۔انگریز بادشاہ نے چالیس کشتیوں کے ذریعے سمندر کا محاصرہ کیا ہوا تھا جب مسلمانوں کی کمک کا یہ معاملہ ہوا تو وہاں موجود 600 مجاہدین نے بہادری کا مظاہرہ کیا اور جب انہوں دیکھا کہ قتل اورغرق ہونے کے سوا کوئی رستہ نہیں تو کشتیوں کے بادبان کاٹ دیئے جس سے وہ کشتیاں ڈوب گئیں اوران کا آخری آدمی بھی شہید ہوگیا اور بادشاہ کو کوئی بھی کشتی ہاتھ نہ لگی۔اس واقعہ سے مسلمانوں کو بہت غم پہنچا (ان للہ وان الیہ راجعون)،(البدایہ والنہایہ 342/12)۔

پس اے پڑھنے والے تو دیکھ کہ کس طرح حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے ان کے حال پہ رحم کھاتے ہوئے کیسے ان کے اس فعل کو صحیح گردانا۔وہ کہتے ہیں کہ ان بہادروں کو دیکھو کہ کیسے انہوں نے اپنی کشتیوں کو اپنے ہاتھوں سے جلا ڈالا دو عظیم مصلحتوں کے حصول کی بنا پہ۔پہلی، کہ وہ دشمن کے ہاتھوں قتل نہیں ہوئے اور نہ ہی اس کے ہاتھوں قید ہوئے۔دوسری، دشمنوں کو غنیمت سے محروم کردیا۔

یہاں پہ ہم ایسے ہی فدائی عمل کی ایک اعلیٰ مثال بیان کرتے ہیں جو 1980 کی دہائی کے اوائل میں پیش آیا اوراس کو ارضِ فراعنہ مصر میں بہت سے لوگوں نے نقل کیا ہے جبکہ یہ معرکہ تین مجاہدین عصام القمری، ابراہیم سلامہ (رحمہما اللہ)، نبیل نعیم (فک اللہ اسرہ) اور تنخواہ دار مرتد نظام کے فوجیوں کے درمیان ہوا۔اس معرکہ کا نتیجہ یہ تھا کہ فوجی بکریوں کی طرح بھاگ گئے اور وہ ہمارے بھائیوں کی فائرنگ اوران کی

بمباری کے سامنے نہ ٹھہر سکے۔ بعد میں جب یہ تینوں بھائی ایک محفوظ مقام پہ پہنچے تو ابراہیم سلامہ بھائی کے ہاتھ سے ایک گرینیڈ گر گیا جس کی پن نکلی ہوئی تھی۔ اللہ اس بھائی پہ رحم کرے وہ فوراً اپنے باقی بھائیوں کی حفاظت کا خیال کرتے ہوئے اس بم پہ لیٹ گیا جس سے اس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے (**فنحسبه شهيداً ولا نزكي على الله احدا**)۔

یہ توحید کے جانباز مجاہد ہیں جو اپنے نبی کی سنت کا دفاع کر رہے ہیں، اللہ کے دشمن امریکہ سے، اسرائیل سے۔ یہ وہ مجاہدین ہیں جن کو علمائے سوء دہشت گرد کے نام سے پکارتے ہیں، انکے نام نہاد سلفی شاگرد انہیں ''بدعتی کہتے ہیں اور اخوان انہیں ''مفرور مجرم'' کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔(**ربنا افتح بيننا وبين قومنا بالحق وانت خير الفاتحين**) اے ہمارے پروردگار ہماری قوم اور ہمارے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ فرمادے (الاعراف89). **حسبنا الله ونعم الوكيل**۔

اپنے بھی ناراض ہیں مجھ سے بیگانے بھی ناخوش
میں زہر ہلا ہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند

۲۔ جہاد میں مہلک اعمال میں گھسنے پر علماء کا اجماع:

امام بخاری نے اپنی صحیح میں باب باندھا ''جس نے کفر کی بجائے ذلت اور قتل کو ترجیح دی'' اور اس میں انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین باتیں جس کے اندر ہوں گئی وہ ایمان کی حلاوت چھک لے گا پہلی کہ اللہ اور اس کا رسول ان کے ماسوا میں سب سے زیادہ اسے محبوب ہو، دوسری جب وہ کسی سے محبت کرے تو صرف اللہ کے لیے کرے اور تیسری یہ کہ وہ کفر میں واپس لوٹنا ایسا ہی جانے گویا کہ آگ میں ڈالا جانا۔ ابن حجر العسقلانی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ باب ''جس نے کفر کی بجائے ذلت اور قتل کو ترجیح دی'' اس میں اشارہ ہے کہ وہ شخص جس نے قتل اور ذلت کو کفر پہ

ترجیح دی تھی وہ سیدنا بلال اور خباب رضی اللہ عنہما تھے۔ اسی طرح وہ تمام لوگ جن کا ان کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے جیسے کہ عمار رضی اللہ عنہ کے والدین جو تعذیب کے دوران فوت ہو گئے۔ وہ کہتے ہیں کہ اس باب کا ایسا عنوان باندھنے کی وجہ یہ ہے کہ ایسے عمل کے فاعل نے کفر پہ کراہیت اور آگ میں داخل ہونے کی کراہیت کو برابر جمع کر دیا ہے۔ پس قتل اور ذلت مومن کے نزدیک آگ میں داخل ہونے سے زیادہ آسان ہے۔ اس لیے یہ عمل کفر سے زیادہ آسان ہوگا اگر اسے شدت سے اپنایا جائے۔ ابن بطال نے ذکر کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اس میں اصحابِ مالک کے لیے حجت ہے۔ لیکن ابن التین نے انکار رد کیا ہے کہ علما قتل کو کفر کے مقابل اختیار کرنے پہ متفق ہیں۔ یہاں تک کہ انہوں نے کہا کہ علماء کا اس بات پہ اتفاق ہے کہ جہاد میں مہلک جگہوں پہ حملہ آور ہونا جائز ہے (فتح لباری 330/12)۔

۳۔ جہاد میں اکیلے آدمی کا کثیر تعداد دشمن پہ حملہ کرنا:

اس سے قبل ہم نے قرآن وسنت سے دو صورتیں ذکر کی ہیں کہ جس میں مومنوں نے اپنے نفوس کو دین کی مصلحت کی خاطر قتل کیا۔ وہ صورتیں ہیں بچے کا بادشاہ کو اپنے قتل کا حکم دینا اور دوسری صورت ہے اصحاب الاحدود کا کفر کے مقابل آگ میں بنا متردد ہوئے کود جانا۔ یہاں تک کہ ایک بچے نے اپنی ماں سے کہا جس نے کچھ سستی دکھائی ''اے ماں صبر کر کہ تو حق کی راہ پہ ہے''

اسی طرح ہم نے دوسری صورت ذکر کی ہے تاریخ سے جسے حافظ ابنِ کثیر البدایہ میں ذکر کیا ہے کہ مجاہدین اپنی ہی کشتیوں کو جلا ڈالا تا کہ دشمن ان کو استعمال میں نہ لا سکے۔ یہاں ہم سنتِ مطہرہ اور سیرتِ صحابہ رضی اللہ عنہم سے چند ایک صورتیں ذکر کیے دیتے ہیں۔ یہ مواقف ایسے مجاہدین سے سرزد ہوئے ہیں جو جہاد کے دوران مہلک مواقع پہ حملہ آور ہوئے۔ اس کے بعد ہم اہلِ علم کے اقوال ذکر کریں گے۔ پھر ہم بیان

کریں گے کہ بیان کی گئی ان شکلوں کا دوسری ایسی ہی شکلوں کے ساتھ کوئی فرق نہیں ہے۔

☆سنتِ مطہرہ اور سیرتِ صحابہ سے مثالیں جہاں وہ مہلک مواقع میں اترے:

1۔ مسلم نے اپنی صحیح میں ابوبکر بن ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے سنا اور وہ جنگ میں یہ اعلان کر رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بے شک جنت تلواروں کے سائے تلے ہے تو ایک آدمی جو زخمی دکھائی دیتا تھا اس نے کہا اے ابوموسیٰ کیا تو نے یہ بات رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے انہوں نے کہا ہاں تو وہ اپنے ساتھیوں کے پاس لوٹ گیا اور کہا السلام علیکم پھر اس نے اپنی تلوار کی میان توڑ ڈالی اور اسے پھینک دیا اور اپنی تلوار لیے دشمن کی طرف چل پڑا اور لڑتا ہوا مارا گیا (صحیح مسلم حدیث رقم 1902)۔

2۔ مسلم نے اپنی صحیح میں انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ اور ان کے صحابہ رضی اللہ عنہم بدر کی طرف سبقت کرتے ہوئے دشمن سے پہلے وہاں پہنچ گئے اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ کوئی بھی تم سے کسی چیز کی طرف سبقت نہ کرے یہاں تک کہ میں تمہیں خود اس کا حکم نہ دوں۔ تو پھر مشرکین پہنچے تو نبی ﷺ نے فرمایا (**قوموا الی جنۃ عرضھا السموات والارض**) اس جنت کی طرف بڑھو جس کی وسعت زمین و آسمان کے برابر ہے تو عمیر بن حمام رضی اللہ عنہ کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ جنت کی وسعت زمین و آسمان کے برابر! آپ ﷺ نے فرمایا ہاں۔ کہنے لگے بخ بخ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کیا مطلب ہے تمہارا بخ بخ کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ یہ تو صرف امید ہے کہ میں اس جنت کے اہل میں سے ہوں گا تو آپ ﷺ نے فرمایا (**فانک من اھلھا**) تو اسی جنت کے اہل میں سے ہے تو انہوں نے اپنی پوٹلی سے

کھجوریں نکال کے کھانا شروع کردیں پھر کہنے لگے کہ اگر مجھے اتنی زندگی ملی کہ میں اپنی کھجوریں ہی کھالوں تو یہ بہت لمبی زندگی ہوگی تو انہوں نے اپنی کھجوریں پھینک دیں اور قتال کرنے لگے یہاں تک کہ شہید ہوگئے (صحیح مسلم حدیث رقم 1901)۔

3۔ مجھے مشرکین کے ساتھ قتال کرنے کا موقع ملا تو اللہ دیکھے گا کہ میں کیا کرتا ہوں۔ پھر جب احد کا دن آیا اور مسلمان شکست کھا گئے تو وہ کہنے لگے اے اللہ میں آپکی طرف معذرت کرتا ہوں جو کچھ میرے ساتھیوں نے کیا اور میں معذرت کرتا ہوں جو کچھ ان مشرکوں نے کیا پھر وہ آگے بڑھے تو انہیں رستے میں سعد بن معاذ ملے تو وہ کہنے لگے اے سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ...... جنت، اور نضر کے رب کی قسم مجھے احد پہاڑ سے جنت کی خوشبو آرہی ہے۔ تو سعد نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اس کی طاقت نہ رکھتا تھا جو اس نے کیا۔ انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ہم نے ان کے جسم پہ نیزے، تیروں اور تلواروں کے 80 سے اوپر زخم تلاش کیے اور ہم نے انہیں مقتول پایا جبکہ مشرکین نے انکا مثلہ کردیا تھا اور انہیں ان کی بہن کے سوا کوئی نہ پہچان سکا جس نے انہیں انگلیوں کے نشان سے پہچانا تو انس کہتے کہ ہم خیال کیا کرتے تھے کہ یہ آیت انس بن النضر رضی اللہ عنہ اور اس کے جیسے افراد کے بارے میں نازل ہوئی "مومنوں میں سے کچھ ایسے سچے مرد ہیں کہ جوانہوں نے اللہ سے عہد و پیمان باندھا تھا اسے پورا کر دکھایا ان میں کچھ ایسے ہیں کہ اپنے عہد کو نبھا چکے اور کچھ ایسے ہیں کہ ابھی تلک انتظار میں ہیں اور انہوں نے اپنے عہد کو بالکل نہیں بدلا (یہ لفظ بخاری کے ہیں)۔

ابن حجر کہتے ہیں کہ انس بن نضر رضی اللہ عنہ کے قصہ میں جو فوائد معلوم ہوتے ہیں ان میں سے یہ ہے کہ جہاد میں اپنی جان کو خرچ کیا جاتا ہے، اور یہ کہ عہد کو نبھانے کی بہت فضیلت ہے چاہے ایسا کرنا نفس پہ کتنا ہی شاق گذرے یہاں تک کہ اسے ہلاکت تک پہنچادے، اور یہ کہ جہاد میں شہادت کی طلب اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے کی نہی میں شامل نہیں ہے۔ اس حدیث میں انس بن نضر رضی اللہ عنہ کی ظاہراً فضیلت ان کے ایمان کی صحت، کثرتِ تقویٰ اور یقین کی قوت کے باعث ہے (فتح

الباری 26/6)۔

4۔ صحیحین میں جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ ایک آدمی نے کہا یا رسول اللہ ﷺ اگر میں قتل کردیا گیا تو میں کہاں ہوں گا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا جنت میں تو اس نے وہ کھجوریں پھینک دیں جو اس کے ہاتھ میں تھیں اور قتال کرنے لگا یہاں تک کہ قتل ہوگیا (اسے بخاری نے کتاب المغازی میں روایت کیا، باب غزوۃ احد، حدیث رقم 4046) اور انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے کہا یا رسول اللہ ﷺ اگر میں دشمن کے اندر گھس جاؤں اور قتال کرتا ہوا قتل ہوجاؤں تو کیا میں جنت میں جاؤں گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں تو وہ مشرکین کی صف میں گھس گیا اور لڑتا ہوا قتل ہوگیا (اسے حاکم نے روایت کیا)۔ ابن اسحاق نے مغازی میں عاصم بن عمر بن قتادہ سے روایت کیا ہے کہ جب بدر کے دن لوگ متحارب ہوئے تو عوف بن حارث رضی اللہ عنہ نے کہا یارسول اللہ ﷺ بندے کے کس عمل پہ رب خوش ہوتا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا (أن **یراہ غمس یدہ فی القتال یقاتل حاسراً**) کہ رب بندے کو دیکھے کہ وہ دشمن کے اندر ننگے جسم گھس گیا ہے۔ تو انہوں نے اپنی زرہ اتار پھینکی پھر آگے بڑھے یہاں تک کہ شہید ہوگئے (**الا صابہ فی تمییز الصحابہ لابن حجر رقم6092**)۔

5۔ انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ یمامہ کے دن کا تذکرہ کرتے ہیں کہ میں ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے پاس آیا وت وہ اپنے گھٹنوں کے بل جھکے ہوئے تھے اور غصے سے سرخ ہوئے جارہے تھے تو میں نے کہا اے چچا آپ کو یہاں آنے سے کس چیز نے روکا ہے؟ تو انہوں نے کہا ابھی اے میرے بیٹے پھر وہ آئے اور بیٹھ گئے اور لوگوں کے حال کو بیان کرنے لگے۔ ثابت رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم نبی ﷺ کے زمانہ مبارک میں ایسا نہ کیا کرتے تھے تمہاری حالت بہت بری ہوگئی ہے (بخاری نے اسے کتاب الجہاد اور اس میں یہ الفاظ زیادہ ہیں کہ پھر وہ قتال کرتے ہوئے شہید ہوگئے)۔

6۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

ہمارا رب اس آدمی سے بہت خوش ہوتا ہے کہ جس نے جہاد کیا پھر اس کے ساتھی شکست کھا گئے تو وہ نے اپنی ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے واپس لوٹ گیا اور اللہ کے ہاں نعمتوں کی رغبت میں اپنا خون بہا دیا (اسے ابوداؤد نے ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے ،احمد ، ابنِ حبان اور حاکم نے اسے سندِ حسن کے ساتھ روایت کیا)۔ابنِ حجر نے الاصابہ میں اپنی سند کے ساتھ ابی اسحاق سے روایت کیا کہ جنگِ یمامہ کے دن مسلمانوں نے مشرکین کے ساتھ جنگ کی اور انہیں ایک باغ میں دھکیل دیا جس میں اللہ کا دشمن مسیلمہ کذاب لعین تھا۔تو برا بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا اے مسلمانوں مجھ اٹھا کے پھینکو۔ پھر انہیں اٹھایا گیا یہاں تک کہ جب ہ دیوار تک پہنچے تو انہوں نے قتال کیا یہاں تک کہ مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی اور مسیلمہ قتل ہوگیا۔جبکہ حافظ نے انس رض سے یہ بھی روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (**رب أشعث أغبر لايوء به له لو اقسم على الله لأبره منهم براء بن مالک**) کتنے غبارآلودہ لوگ ہیں کہ جن کی کوئی وقعت نہیں ہوتی لیکن اگر وہ اللہ پہ قسم کھا دیں تو اللہ انکی قسم پوری کر دیتا ہے ان میں سے ایک ہے براء بن مالک۔پس جب جنگِ تستر کا دن تھا تو فارسیوں کے ساتھ جنگ میں مسلمان شکست کھا گئے۔تو مسلمانوں نے براء رضی اللہ عنہ سے کہا اے براء اپنے اللہ پہ قسم کھا تو انہوں نے کہا''اے رب میں تجھ پہ قسم کھاتا ہوں کہ تو ان کے کندھے ہمارے حوالے کردے اور ہمیں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ملا دے''۔تو انہوں نے حملہ کیا اور ان کے ساتھ مسلمانوں نے بھی حملہ کیا تو انہوں ایرانیوں کے ایک بہت بڑے قائد مرزبان کو قتل کر دیا اور اسکا مال مالِ غنیمت میں لے لیا تو فارسیوں کو شکست ہوگئی اور براء رضی اللہ عنہ شہید ہوگئے (**الاصابه فی تمییز الصحابه لابن حجر رقم 6092**)۔مدرک بن عوف روایت کرتے ہیں کہ میں عمر رضی اللہ عنہ کے پاس تھا تو میں نے کہا کہ میرا ایک پڑوسی ہے جس نے جنگ میں اپنے آپ کو جھونک دیا تو لوگوں نے کہا اس نے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال دیا تو عمر رضی اللہ عنہ نے کہا لوگوں نے جھوٹ کہا

بلکہ اس نے دنیا کے بدلے آخرت کو خرید لیا (**فتح الباری، کتاب التفسیر شرح حدیث رقم4516**)۔

7۔ اسلم بن عمران سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم قسطنطینیہ میں تھے تو رومیوں کی جانب سے ہماری طرف ایک صفِ عظیم نکلی تو مسلمانوں کی صف میں سے ایک آدمی نکل کر رومیوں پہ حملہ آور ہوا یہاں تک کہ ان کے اندر گھس گیا پھر لوٹ آیا۔ تو لوگوں نے شور مچایا سبحان اللہ اس نے تو اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال دیا۔ تو ابوایوب الانصاری رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تم لوگ اس آیت کی تاویل کرتے ہو جب کہ یہ ہم گروہ انصار کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ جب اللہ نے اپنے دین کو عزت دی اور اس کے مددگاروں کی کثرت ہوگئی تو ہم نے آپس میں خفیہ طور پہ کہا کہ ہمارے اموال ضائع ہو گئے پس اگر ہم ان میں مشغول ہو جائیں اور اپنا وہ نقصان پورا کرلیں جو ان میں واقع ہو گیا ہے تو اللہ نے یہ آیت نازل کی۔ پس ہلاکت تو مال میں وہ مشغولیت تھی جس کا ہم نے ارادہ کیا تھا (اسے مسلم، نسائی، ابوداود، ترمذی، ابنِ حبان اور حاکم نے روایت کیا)۔ ابواسحاق کہتے ہیں کہ میں نے براء رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آدمی مشرکین پہ چڑھ جاتا ہے تو کیا وہ ایسا ہے کہ اس نے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال دیا ہے انہوں نے کہا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا اور انہیں حکم دیا (**فقاتل فی سبیل اللّٰہ لاتکلف الا نفسک**) پس اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم قتال کیجیے اللہ کی راہ میں آپ اپنے نفس کے خود ذمہ دار ہیں (النساء 84)۔ ہلاکت نفقہ کے معاملے میں ہے (اسے احمد نے اپنی مسند میں روایت کیا، ملاحظہ ہو فتح الباری، کتاب التفسیر شرح حدیث رقم 4516)۔ بیہقی نے اپنی سنن میں روایت کیا کہ عکرمہ رضی اللہ عنہ بن ابی جہل یرموک کے دن اکیلے حملے آور ہونے لگے تو خالد نے انہیں کہا ایسا نہ کرو کیونکہ آپ کا قتل مسلمانوں پہ بہت شدید ہوگا تو انہوں نے کہا خالد میرا راستہ چھوڑ دے کہ تیرا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کچھ وقت گذرا ہے جبکہ میں اور میرا باپ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں سب

سے شدید تھے تو وہ چلے گئے یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔

اکیلے آدمی کا دشمن کے عددِ کثیر پہ حملہ آور ہونے کے جواز میں اہل علم کے اقوال:

محمد بن حسن الشیبانی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اکیلے آدمی کے دشمن پہ حملہ آور ہونے میں کوئی حرج نہیں اگرچہ اسے یہ گمان ہو کہ وہ قتل کر دیا جائے گا جبکہ وہ یہ دیکھتا ہو کہ وہ کوئی ایسا کام کر سکے گا جو دشمن میں قتل، زخم یا شکست کا باعث ہو۔ پھر انہوں نے کہا پس اگر وہ جانتا ہو کہ وہ دشمن میں کوئی ایسی تباہی نہ پھیلا سکے گا تو اس کو حملہ کرنا جائز نہیں۔ السرخسی نے تعلیق میں کہا کہ شرط یہ ہے کہ ایسا حملہ ظاہری طور پہ دشمن میں تباہی پھیلائے۔

(شرح السیر الکبیر 163-164/1)

ان سے الجصاص رحمہ اللہ نے نقل کیا کہ اگر ایک آدمی نے ہزار آدمیوں پہ اکیلے حملہ کر دیا تو اس میں کوئی حرج نہیں جبکہ وہ نجات یا دشمن میں تباہی کی طمع رکھتا ہو۔ پس اگر وہ نجات یا تباہی کی طمع نہیں رکھتا تو میں اس کے عمل کو کراہت سے دیکھتا ہوں کیونکہ اس نے ایسی صورت میں اپنے نفس کو مسلمانوں کے عدمِ نفع کے واسطے تلف کیا ہے۔ پس اگر وہ نجات یا تباہی کی طمع نہیں رکھتا لیکن وہ مسلمانوں کو جرات دلانا چاہتا ہے تاکہ وہ بھی اسے دیکھ کے اس کے جیسا فعل کریں تو اس میں کوئی حرج نہیں بلکہ میں امید کرتا ہوں کہ وہ اس میں ماجور ہوگا۔ اکراہ اس کے اس عمل میں ہے جب ایسا عمل کسی بھی منفعت سے خالی ہو۔ پس اگر اس کا عمل تباہی بھی نہ لائے، نہ ہی نجات کی اسکی طمع ہو لیکن وہ اس سے دشمن کو مرعوب کرنا چاہتا ہو تو بھی اسمیں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ یہ سب سے بہترین تباہی ہے اور اس میں مسلمانوں کے لیے منفعت ہے۔ یہاں امام محمد کا کلام ختم ہوا۔ الجصاص کہتے ہیں کہ جو کچھ محمد نے کہا یہ ساری وجوہ

درست ہیں۔

پھر انہوں نے کہا پس جب نفس کے تلف کرنے میں کوئی ایسی منفعت ہو جسکا فائدہ دین کو ہو تو یہ ایسا شریف مقام ہے جس کے بارے میں اللہ نے نبی ﷺ کے اصحاب کی تعریف فرمائی ہے۔ اللہ فرماتے ہیں (**ان اللّٰہ اشتری من المومنین انفسھم و اموالھم بان لھم الجنۃ یقاتلون فی سبیل اللّٰہ فیقتلون و یقتلون**) بے شک اللہ نے خرید لی ہیں مومنوں سے انکی جانیں اور انکے مال جنت کے بدلے میں کہ وہ اللہ کی راہ میں قتل کرتے ہیں اور قتل ہوتے ہیں (التوبہ 111) اور اللہ فرماتے ہیں (**و لا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللّٰہ امواتا بل احیاء عند ربھم یرزقون**) اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے انہیں مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے ہاں رزق دیئے جاتے ہیں (آل عمران 169)۔ اللہ فرماتے ہیں (**و من الناس من یشتری نفسہ ابتغاء مرضات اللّٰہ**) اور لوگوں میں سے وہ ہے جو اپنے نفس کو اللہ کی رضاء کی خاطر بیچ دیتا ہے (البقرہ 207) پس اس طرح کی مثالیں بہت ہیں جن میں اللہ نے نفس کے ضیاع کی تعریف فرمائی ہے (**احکام القرآن لابی بکر الجصاص 262-263/3**)۔

شیخ الاسلام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مسلم نے اپنی صحیح میں اصحاب اخدود کے قصہ میں روایت کیا ہے اور اس میں ہے کہ بچے نے اپنے قتل کا حکم دین کے غلبہ کی مصلحت کی خاطر دیا۔ اسی لیے ائمۃ اربعہ نے دشمن کے اندر گھسنے کو جائز ٹھہرایا اگرچہ ایسے شخص کو گمان ہو کہ وہ قتل ہو جائے گا اور جب ایسے عمل میں دین کے لیے مصلحت ہو۔ پس اگر ایسا انسان یہ اعتقاد رکھتا ہو کہ اسے جہاد کی مصلحت کی بنا پہ قتل کیا جائے گا، باوجود اس کے کہ اس کا اپنے نفس کو قتل کرنا اس کے غیر کو قتل کرنے سے بڑا گناہ ہے۔
(مجموع الفتاویٰ 540/28)

انہی سے المرداوی نے الانصاف میں نقل کیا ہے " اور شیخ تقی الدین نے

ذکر کیا کہ دشمن کے اندر مسلمانوں کی منفعت کی خاطر گھسنا مسنون ہے اور اس کے علاوہ ممنوع ہے اور وہ ہلاکت ہے (**الانصاف فی معرفة الخلاف علی مذھب امام احمد 125/4**)۔ابن القیم رحمہ اللہ غزوہ الاحد سے ماخوذ فوائد کے متعلق کہتے ہیں'' اور اس میں دشمن کے اندر گھسنے کا جواز ہے جیسے کہ انس بن نضر رضی اللہ عنہ وغیرہ کا عمل تھا۔

(زادالمعاد 211/3)

ابنِ حجر کہتے ہیں'' اکیلے آدمی کے دشمن کی کثیر تعداد پہ حملہ کرنے میں جمہور نے یہ صراحت کی ہے کہ اگر یہ عمل اسکی فرطِ شجاعت کے باعث ہو اور فاعل کا گمان ہو کہ وہ دشمن کو اس کے ساتھ دہشت زدہ کردے گا یا مسلمانوں کو جرات دلائے گا یا اس جیسے مقاصد کے تحت تو ایسا عمل حسن ہے۔لیکن جب اس کا مقصد محض جان کا ضیاع ہو تو یہ ناجائز ہے، کیونکہ ایسا کرنے سے مسلمانوں کے اندر بزدلی پھیلنے کا اندیشہ ہے (واللہ اعلم (فتح الباری کتاب التفسیر 33/8 شرح حدیث رقم 4516)۔

ابن حجر کہتے ہیں کہ انس بن النضر رضی اللہ عنہ کے قصہ سے ماخوذ فوائد میں کہ جہاد میں جاں کو تلف کرنے کا جواز اور عہد کے ایفاء کی فضیلت ہے چاہے اس میں نفس پہ تنگی ہی کیوں نہ ہو جو اسے ہلاکت تک پہنچا دے۔جمہور نے یہ بھی وضاحت کی ہے کہ جہاد میں شہادت کی طلب اپنے نفس کو ہلاکت میں ڈالنے کی نہی میں شامل نہیں ہے۔اس قصہ میں انس بن النضر رضی اللہ عنہ کی فضیلت ہے ان کی کے ایمان کی قوت، ورع اور تقویٰ کے باعث (فتح الباری 26/6 شرح حدیث رقم 2805)۔

قرطبی کہتے ہیں کہ علماء نے جنگ میں اکیلے آدمی کے دشمن پہ حملہ آور ہونے کے بارے میں اختلاف کیا ہے۔ہمارے علماء میں سے قاسم بن محمد، قاسم بن مخیمرہ اور عبدالملک نے کہا کہ اکیلے آدمی کے دشمن پہ حملہ کرنے میں کوئی حرج نہیں جب کہ ایسا آدمی قوت والا ہو اور اللہ کے ساتھ اسکی نیت خالص ہو۔پس اگر اس میں قوت نہیں تو

یہ ہلاکت میں داخل ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگراس نے شہادت کوطلب کیا لیکن نیت نہیں تھی تو یہ احتمال کیا جائے گا کہ اس کا مقصود ان دونوں میں سے ایک تھا۔ یہ بات اللہ کے اس قول میں واضح ہے(**ومن الناس من یشری نفسه ابتغاء مرضات اللّٰه**)اور لوگوں میں سے وہ ہے جو اپنے نفس کو اللہ کی رضا کی خاطر بیچ ڈالتا ہے۔ابنِ خویز منداد نے کہا پس اگر آدمی اکیلا سو آدمیوں پہ حملہ کرتا ہے یا چوروں کی جماعت پہ حملہ کرے، یا محاربین، خوارج پہ حملہ کرے تو اس میں دو حالتیں ہیں۔ اگراس کو یہ گمان ہو کہ وہ جس پہ حملہ آور ہوا ہے اسے قتل کردے گا تو یہ حسن ہے۔ اسی طرح اگراس کو غالب گمان ہو کہ وہ قتل ہو جائے گا لیکن دشمن کے اندر تباہی پھیلائے گا یا کوئی ایسا اثر چھوڑے گا جس سے مسلمانوں کو نفع ہوگا تو یہ جائز ہے۔ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ مسلمانوں کا لشکر جب فارسیوں سے ٹکرایا تو مسلمانوں کے گھوڑے ہاتھیوں سے بدکنے لگے۔تو ایک آدمی نے مٹی کا ایک ہاتھی بنایا اور اپنے گھوڑے سے اس کو مانوس کیا پھر جب اگلا دن ہوا تو اس کا گھوڑا ہاتھیوں سے بدک کے نہیں بھاگا تو اس نے سامنے آتے ہوئے ہاتھی پہ حملہ کردیا تو اسے کہا گیا کہ یہ تجھے قتل کردے گا تو اس نے کہا(**لا ضیر ان اقتل ویفتح للمسلمین**) کوئی حرج نہیں اگر میں قتل ہو جاؤں اور مسلمانوں کو فتح مل جائے۔اسی طرح یمامہ کے دن جب بنوحنیفہ قلعہ بند ہو گئے تو مسلمانوں کے ایک فرد نے کہا مجھے اندر پھینکو تو اسے پھینک دیا گیا یہاں تک کہ اس نے اکیلے قتال کر کے دروازہ کھول دیا۔

میں (قرطبی) کہتا ہوں کہ اس سے وہ واقعہ جو مروی ہے کہ ایک آدمی نے نبی ﷺ سے سوال کیا کہ اگر میں اللہ کی راہ میں صبر و احتساب کے ساتھ قتل ہو جاؤں تو آپ ﷺ نے فرمایا تیرے لیے جنت ہے تو وہ دشمن کے اندر گھس گیا یہاں تک کہ قتل ہوگیا (اسے مسلم نے کتاب الجہاد، باب غزوہ احد میں روایت کیا)۔صحیح مسلم میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ احد کے دن سات انصار اور مہاجرین

قریش کے دو آدمیوں کے ساتھ اکیلے رہ گئے۔ پس جب وہ گھر گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ کون ہے جو انہیں ہم سے دور کرے گا یا آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔ تو انصار کا ایک آدمی آیا اور لڑتا ہوا کٹ گیا یہاں تک کہ اسی طرح اوپر تلے سات انصاری کٹ گئے تو نبی ﷺ نے فرمایا (**ما انصفنا اصحابنا**) ہم نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ انصاف نہیں کیا۔ پھر اس کے بعد انہوں امام محمد کا سابقہ کلام ذکر کیا ہے پھر کہا کہ اسی طرح امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا عمل ہونا چاہیے۔ پس جس وقت کوئی دین کا نفع دیکھتا ہے چاہے اس کے لیے قتل بھی ہو جاتا ہے تو وہ شہادت کے اعلیٰ درجات پہ فائز ہوگا۔ اللہ فرماتے ہیں (**وأمر بالمعروف وانه عن المنكر و اصبر علی ما اصابك ان ذالك لمن عزم الامور**) اور نیکی کا حکم کر اور برائی سے روک اور اس راہ میں آنے والی مصیبتوں پہ صبر کر بے شک یہ عزیمت کے امور میں سے ہے (لقمان 17) عکرمہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا (**افضل الشهداء حمزه بن عبد المطلب و رجل تكلم بكلمة الحق عند سلطان جائر فقتله**) شہداء میں سب سے افضل حمزہ بن عبدالمطلب ہیں اور وہ آدمی جو بادشاہ کے سامنے کلمہ حق کہے اور وہ اسے قتل کر دے (اسے طبرانی الکبیر میں اور حاکم نے مستدرک میں روایت کیا)۔

ابن عابدین اپنے حاشیہ میں لکھتے ہیں " جب اسے معلوم ہو کہ وہ قتل ہو جائے گا تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ قتال کرے اس شرط پہ کہ وہ دشمن میں تباہی پھیلائے گا اور اس کے علاوہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں حکم اس کے برعکس ہے کہ اسے اگر معلوم ہو جائے کہ اگر اس نے قتال کیا تو قتل ہو جائے گا اور اگر نہ لڑا تو قید ہو جائے تو ایسی حالت میں اس پہ قتال واجب نہیں۔ ان کا یہ کہنا کہ اسے قتال لازم نہیں اشارہ کرتا ہے کہ اگر اس نے قتال کیا اور قتل ہو گیا تو یہ جائز ہے۔ لیکن انہوں نے السیر کی شرح میں ذکر کیا کہ آدمی کو اگر یہ گمان ہو کہ وہ قتل ہو جائیگا تو کوئی حرج نہیں

جب وہ دشمن میں کوئی قتل، زخم یا شکست کا باعث بنے۔ پس صحابہ کی ایک جماعت نے نبی ﷺ کے سامنے احد کے دن ایسے افعال کیے تو آپ ﷺ نے ان کی تعریف فرمائی (**رد المختار علی در المختار المعروف بحاشیہ ابن عابدین 222/3**)۔

اس بات میں کوئی فرق نہیں کہ انسان اپنے نفس کو اپنے ہاتھ یا دوسرے کے فعل سے قتل کرے! سابقہ سطور میں ہم نے یہ بیان کیا کہ جو اپنے قتل میں اپنے حکم سے خود سبب بنتا ہے، جیسے کہ بچے کے قصہ میں ہے۔ جبکہ اس نے بادشاہ سے کہا کہ تو مجھے اس وقت تک قتل نہ کر سکے گا یہاں تک کہ تو وہ نہ کرے جسکا میں تجھے حکم دیتا ہوں۔ بادشاہ نے کہا وہ کیا ہے۔ اس نے کہا کہ تو لوگوں کو ایک میدان میں جمع کر پھر مجھے سولی پہ لٹکا پھر میرے ترکش سے ایک تیر لے اور اسے کمان میں چڑھا پھر کہ شروع اللہ کے نام سے جو اس بچے کا رب ہے۔ پس جب تو ایسا کرے گا تو میرے قتل پہ قادر ہوگا۔

یا یہ کہ کوئی اپنے نفس کو خود قتل کرتا ہے، جیسے کہ اصحابِ اخدود کے قصہ میں ہے۔ جبکہ انہوں نے اپنے آپ کو آگ میں ڈال لیا، یا وہ دوسرے کے فعل سے قتل ہوتا ہے جیسے کہ اکیلے آدمی کا دشمن کی کثیر تعداد پہ حملہ آور ہونا۔ ان سب میں کوئی فرق نہیں۔ یہ تمام اپنے افعال پہ قابلِ ستائش ہیں اور ثواب کے امیدوار ہیں جب ان کے اعمال دین کی مصلحت کی خاطر اور اسکی بلندی کے لیے ہوں۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ اس میں کوئی فرق نہیں کہ کوئی انسان اپنے نفس کو خود قتل کر دے، یا دشمن کی صفوں میں گھس جائے تو دشمن اسے قتل کر دے، یا انسان دوسرے کو اپنے قتل کا حکم دے جب وہ ایسے عمل میں دین کی مصلحت اور اس کا ظہور دیکھے۔

اس سے اس معنی کی تاکید ہوتی ہے کہ اس میں کوئی فرق نہیں کہ کوئی انسان کسی نفس کو اپنے ہاتھ سے قتل کرتا ہے یا کسی دوسرے کو اپنے قتل کا حکم دیتا ہے جیسے کوئی آدمی دوسرے کو حکم دے کہ اس زہر پلائے یا جو اپنے نفس کو دوسرے کے فعل سے قتل کرے

جیسے کہ اپنے آپ کو کسی گاڑی یا ٹرین کے آگے ڈال دے۔ پس ان تمام حالات میں حکم ایک ہی ہے جبکہ ایسے افعال کا سبب نا میدی اور اللہ کی رحمت سے مایوسی ہو۔

اس سے اس بات کی بھی تائید ہوتی ہے جو کہ ابن حجر نے کہی اللہ کے اس قول کے بارے میں (ولا تقتلوا انفسکم ان اللّٰہ کان بکم رحیماً) اور اپنے نفسوں کا قتل مت کرو بے شک اللہ تم پہ مہربان ہے۔ جیسے کہ ہم بیان کریں گے اس بندے کا حکم جس نے جھکنے سے انکار کر دیا اور کفر کا کلمہ کہنے کی بجائے قتل کو بہتر جانا۔ جیسے کہ شیخ محمد بن ابراہیم کے کلام میں آئے گا جہاں انہوں نے اس بات کا جواز ذکر کیا ہے کہ ''قیدی کے لیے جائز ہے کہ اپنے آپ کو قتل کر دے تا کہ وہ مجاہدین کے راز دشمنوں کے سامنے افشا نہ کر دے۔

۴۔ دین کی مصلحت کے لیے قتل کا نہیِ قتل نفس سے خارج ہونا:

ابن حجر نے باب'' من اختار الضرب والقتل والھوان علی الکفر '' کی شرح میں مہلب سے نقل کیا ہے کہ ایک قوم نے کلمہ کفر کے نطق پہ قتل اختیار کرنے کو ممنوع کہا اور اس آیت سے دلیل پکڑی ہے (ولا تقتلوا انفسکم) اور اپنے نفسوں کا قتل نہ کرو۔ مہلب کہتے ہیں کہ اس میں کوئی حجت نہیں ہے اگر پوری آیت کی تلاوت کی جائے تو اس میں ہے (ومن یفعل ذالک عدواناً و ظلمًا) اور جو کوئی ایسا کرتا ہے ظلم وزیادتی کے سبب۔ تو اس فعل کو اس حالت کے ساتھ قید کر دیا گیا ہے۔ پس جس نے اپنے نفس کو اللہ کی اطاعت میں ظلم وتعدی کے بغیر قتل کیا ہے وہ اس میں داخل نہیں اور علماء کا جہاد میں مہلک جگہوں پہ حملہ آور ہونے پہ اتفاق ہے۔
(فتح الباری 330/12)

۵۔ اپنے نفس کو اللہ کی راہ میں قتل کے لیے پیش کرنے والے کا

اپنے نفس کو ہلاکت میں ڈالنے کے حکم سے خروج:

اکیلے آدمی کا دشمن کی کثیر تعداد پہ حملہ آور ہونے کے جواز کا بیان اوپر گذر چکا ہے، اسی طرح دین کی مصلحت اور غلبہ کی خاطر بھی، یہاں ہم یہ ذکر کریں گے کہ جس شخص نے اللہ کی راہ میں اپنے آپ کو قتل کے لیے پیش کیا وہ ان لوگوں میں نہیں ہے جنہوں نے اپنے نفس کو ہلاکت میں ڈال دیا۔

ابن حجر کہتے ہیں کہ ابن جریر، ابن المنذر رمدرک بن عوف سے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا کہ میں عمر کے پاس تھا تو میں نے عمر رضی اللہ عنہ سے کہا میرا ایک پڑوسی ہے اس نے اپنے نفس کو جنگ میں جھونک دیا اور قتل ہوگیا تو لوگوں نے کہا کہ اس نے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال دیا تو عمر رضی اللہ عنہ نے کہا لوگوں نے جھوٹ کہا بلکہ اس نے آخرت کو دنیا کے بدلے خرید لیا (فتح الباری کتاب التفسیر، شرح حدیث رقم 4516)۔

مسلم، نسائی، ابوداود، ترمذی، ابن حبان اور حاکم نے بطریق اسلم بن عمران سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم قسطنطینیہ میں تھے تو رومیوں کی جانب سے ہماری طرف ایک صف عظیم نکلی تو مسلمانوں کی صف میں سے ایک آدمی نکل کر رومیوں پہ حملہ آور ہوا یہاں تک کہ ان کے اندر گھس گیا پھر لوٹ آیا۔ تو لوگوں نے شور مچایا سبحان اللہ اس نے تو اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال دیا۔ تو ابوایوب الانصاری رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تم لوگ اس آیت کی تاویل کرتے ہو جب کہ یہ ہم گروہِ انصار کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ جب اللہ نے اپنے دین کو عزت دی اور اس کے مددگاروں کی کثرت ہوگئی تو ہم آپس میں خفیہ طور پہ کہا کہ ہمارے اموال ضائع ہوگئے پس اگر ہم ان میں مشغول ہوجائیں اور اپنا وہ نقصان پورا کرلیں جو ان میں واقع ہوگیا ہے تو اللہ نے یہ آیت نازل کی۔ پس ہلاکت تو مال میں وہ مشغولیت تھی جس کا ہم نے ارادہ کیا تھا۔

ابن حجر نے انس بن انضر رضی اللہ عنہ کے قصہ میں کہا جسے ہم نے سابقہ سطور میں

ذکر کیا کے اس سے حاصل فوائد میں جہاد میں اپنے نفس کے تلف کرنے کا جواز ہے، اور عہد نبھانے کی فضیلت ہے چاہے ایسا کرنا نفس پہ کتنا ہی ناگوار گذرے اور یہ کہ جہاد میں شہادت کو طلب کرنا اپنے نفس کو ہلاکت میں ڈالنے کے حکم میں داخل نہیں اور قصہ میں انس بن النضر کی فضیلت ہے ان کے ایمان کی قوت ، ورع وتقویٰ کے سبب۔

(فتح الباری 26/6 شرح حدیث رقم 2805)

۶۔صبر کی فضیلت ، اس کے لیے جس کو قید میں جانا یقینی ہو جائے اور وہ موت تک قتال کرے اور نہ جھکنے کو ترجیح دے:

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عینا کے علاقے کی طرف دس افراد کا ایک گروہ بھیجا اور ان پہ عاصم بن ثابت الانصاری رضی اللہ عنہ کو امیر بنایا۔پس جب وہ ہداۃ کے علاقے میں پہنچے جو کہ مکہ اور عسفان کے درمیان ہے تو بنی لحیان نے ان کا پیچھا کیا اور وہ ان کی طرف قریبا دوسو آدمی نکلے جو سارے مسلح تھے۔ جب عاصم اور ان کے ساتھیوں نے انہیں دیکھا تو وہ فد کے علاقے کی طرف مڑ گئے اور قوم نے انہیں گھیرے میں لے لیا اور انہیں کہا کہ نیچے اترواور اپنے آپ کو ہمارے حوالے کردو اور تمہارے لیے عہد ہے کہ ہم تم میں سے کسی کو قتل نہ کریں گے۔تو اس جماعت کے امیر عاصم بن ثابت امیر السریۃ نے کہا(**أما انا فلا انزل الیوم فی ذمة کافرٍ**) میں آج کسی کافر کے ذمہ میں نہ اتروں گا۔پھر کہنے لگے اے اللہ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہماری خبر دے۔تو انہوں نے عاصم کو نیزا مارا اور انہیں سات آدمیوں سمیت قتل کر دیا۔باقی تین ان کے ساتھ عہد و میثاق میں اترے۔ان میں خبیب الانصاری، ابن دثنہ رضی اللہ عنہما اور ایک تیسرے آدمی تھے۔لیکن جب قوم نے ان پہ قابو پالیا تو انکی نیت بدل گئی تو تیسرے آدمی نے کہا یہ پہلی غداری ہے جو تم نے کی ہے، اللہ کی قسم میں

تمہارے ساتھ نہ چلوں گا اور میرے سامنے میرے ساتھیوں کا اسوہ ہے یعنی وہ قتل ہونا چاہتا تھا۔تو انہوں نے اسے بہت گھسیٹا لیکن اس نے انکار کردیا تو اسے بھی قتل کر دیا گیا۔ پھر وہ خبیب اور ابن دثنہ کو لے کر چلے یہاں تک کہ غزوہ بدر کے بعد مکہ لا کر انہیں بیچ دیا۔ پھر راوی نے خبیب کے قتل کا قصہ ذکر کیا۔ اللہ نے عاصم رضی اللہ عنہ کی دعا سن لی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جس دن ان کو یہ حادثہ پیش آیا اسی دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھیوں کو خبر دی کہ ان کے ساتھ کیا بنا (اسے بخاری نے کتاب المغازی میں روایت کیا، باب غزوۃ الرجیع ورعل وذکوان)۔

شوکانی اس حدیث کی شرح میں کہتے ہیں کہ وجہ استدلال اس میں یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان تینوں میں سے جو کفار کی قید میں چلے گئے، کسی پہ انکار نہیں کیا اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سات مقتولین کے فعل پہ تنکیر فرمائی۔ پس اگر ہر دو گروہ سے سرزد ہونے والا افعال میں کوئی ایک ناجائز ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اسکی اپنے ساتھیوں کو ضرور خبر دیتے اور اس کے عدمِ جواز کا ارشاد فرماتے۔ پس ترکِ انکار اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ جس آدمی کو طاقت نہیں اسے چاہیے کہ دشمن کی قید میں جانے اور اس کے سامنے جھکنے سے انکار کردے۔(نیل الاوطار 253/7)

الخطابی اس حدیث کی شرح میں کہتے ہیں کہ اس میں علم ہے جو یہ فائدہ دیتا ہے کہ مسلمان تلوار سے دشمن کا مقابلہ کرتا ہے جب اسے پہ ظلم کیا جاتا ہے اور وہ جھکتا نہیں جب تک کہ وہ ایسا کرنے پہ قادر ہو (معالم السنن للخطابی 9/4)۔ابن حجر اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ قیدی کو چاہیے کہ امان قبول کرنے سے انکار کردے اور اپنے نفس کو حوالے نہ کرے چاہے اسے قتل کردیا جائے بجائے اس کے کہ اس پہ کافر کا حکم نافذ ہو۔ یہ معاملہ تب ہے جب اس نے عزیمت کی راہ اختیار کی ہو اور جب اس نے رخصت کو اختیار کیا ہو تو اسے چاہیے کہ امن میں رہے۔اس میں حسن البصری کہتے ہیں کہ کوئی حرج نہیں لیکن سفیان الثوری کہتے ہیں میں اس میں کراہت کرتا ہوں (یعنی رخصت کے اپنانے میں)(فتح الباری کتاب المغازی، باب غزوۃ الرجیع ورعل وذکوان 444)۔

ابنِ قدامہ کہتے ہیں کہ جب اسے قید ہونے کا اندیشہ ہوتو بہتر یہ ہے کہ وہ قتال کرے یہاں تک کہ قتل ہوجائے اوراپنے آپ کو دشمن کے حوالے نہ کرے کیونکہ وہ اس طرح اعلیٰ درجہ کے ثواب کے ساتھ کامیاب ہوجائے گا اور کافروں کے اس پہ تعذیب یا استعمال ہونے کے فتنہ سے محفوظ رہ جائے گا۔ پس اگر وہ جھک جائے تو اس کے لیے جائز ہے بدلیل اس حدیث کے جسے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے۔ کہ عاصم نے عزیمت کی راہ اپنائی اوور خبیب وزید نے رخصت کو اپنایا اور دونوں اپنے افعال پہ محمود ہیں ان پہ کوئی ملامت نہیں (المغنی لابن قدامہ، کتاب الجہاد 483/8)۔
المرداوی ابن قدامہ کے اس قول کی شرح میں ''المقنع'' میں کہتے ہیں پس اگر کافر زیادہ ہوں تو انہیں چاہیے کہ فرار ہوجائیں۔امام احمد کہتے ہیں مجھے یہ بات پسند نہیں کہ ایسے موقع پہ کوئی جھک جائے بلکہ اس کا لڑنا مجھے زیادہ محبوب ہے۔ کیونکہ قید بہت سخت ہے اور موت سے کوئی فرار نہیں۔عمار نے کہا جو جھک گیا اس کا ذمہ بری ہوگیا اسی لیے الآجری نے کہا کہ وہ اس کے ساتھ گنہگار ہوگا، یہی احمد کا قول ہے (الانصاف فی معرفۃ الخلاف للمرداوی 124/4)۔

میں کہتا ہوں اسطرح اے میرے مجاہد بھائی تو دیکھتا ہے کہ علماء نے مسلمان کے دشمن کے سامنے نہ جھکنے پہ اتفاق کیا ہے چاہے اس میں موت یقینی ہو، بلکہ ان میں سے کچھ ایسے ہیں کہ جنہوں اسے واجب قرار دیا۔ یہ حکم ذلت اور کفار کے مسلمانوں پہ تحکم سے بچنے کے لیے لگایا گیا ہے۔ پس یہ اتلاف نفس کی ایک دوسری صورت ہے جو صرف مصلحتِ دین کی خاطر ہے بلکہ اس لیے بھی کہ کافر مسلمانوں پہ غلبہ پا کر انہیں ذلیل نہ کر چھوڑیں۔

۷۔کلمہ کفر نہ کہنے اور قتل پہ صبر کرنے کی فضیلت:

قرطبی اپنی تفسیر میں اللہ کے اس فرمان (من کفر با للّٰہ من بعد ایمانہ

الا من اکرہ وقلبه مطمئن بالایمان) کہ جس نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا سوائے اس کے جس سے بالجبر ایسا کرنے کو کہا جائے اور اس کا دل ایمان پہ مطمئن ہو (النحل 106)، کے بارے میں کہتے ہیں کہ اہلِ علم کا اس بات پہ اجماع ہے کہ ایسا شخص جس کو کفر پہ مجبور کیا جائے اور وہ قتل کی راہ کو اختیار کرے تو وہ اللہ کے نزدیک بہت بڑے اجر کا امیدوار ہے بنسبت اس کے جس نے ایسے موقع پہ رخصت کو اختیار کیا۔ لیکن انہوں نے اس معاملے میں اختلاف کیا ہے کہ جب ایسا معاملہ ہو کہ اسے قتل کی دھمکی کے علاوہ کفر پہ مجبور کیا جائے تو کیا اس کے لیے کلمہ کفر کہنا جائز ہے۔ امام مالک کے اصحاب نے کہا کہ ایسے مواقع پہ شدت کو اختیار کرنا اور قتل وضرب کی راہ اپنانا اللہ کے ہاں رخصت اپنانے سے بہتر ہے۔ اسے ابنِ حبیب اور سحنون نے ذکر کیا۔ ابنِ سحنون نے اہل عراق سے نقل کیا ہے کہ جب اسے قتل، قطع یا ضرب کی دھمکی دی جائے اور اسے خوف ہو کہ وہ پھر جائے گا تو اسے وہی کرنا چاہیے جس پہ وہ مجبور کیا جا رہا ہے۔ جیسے کہ شراب کا پینا، سور کا کھانا۔ کیونکہ ایسے حالات میں اگر اس نے وہ فعل نہ کیا تو ہمیں خوف ہے کہ وہ گناہگار ہوگا کیونکہ وہ ''مضطر'' کے حکم میں ہے۔ خباب بن الارت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ہم نے نبی ﷺ سے اپنی حالت کا شکوہ کیا جبکہ آپ ﷺ کعبہ کے سائے میں ٹیک لگائے ہوئے تھے ہم نے کہا آپ ہمارے لیے دعا کیوں نہیں فرماتے کہ ہماری مدد کی جائے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا **(قد کان من قبلکم یوء خذ الرجل فیحفر له فی الا رض، فیجعل فیها، فیجاء بالمنشار فیوضع علی رأسه فیجعله نصفین و یمشط با مشاط الحدید من دون لحمه و عظمه فما یصده ذالک عن دینه ، واللّٰہ لیتمن هذا لامر حتی یسیر الراکب من صنعاء الی حضر موت لا یخاف الا اللّٰہ والذئب علی غنمه و لکنکم تستعجلون**) کہ تم سے پہلی قوموں میں دین کی پختگی کا حال یہ تھا کہ آدمی کو پکڑا جاتا اور گڑھا کھود کے اسے اس میں ڈال دیا جاتا تھا پھر اس کے سر

پہ آرا چلا کے اسے دو حصوں میں کاٹ دیا جاتا اور اس کے جسم میں لوہے کی کنگھیاں چلائی جاتی تھیں تو وہ اس کے گوشت اور ہڈیوں کو علیحدہ کر دیتیں لیکن ایسا شخص پھر بھی اپنے دین سے نہیں پھرتا تھا۔ اللہ کی قسم اس دین کا غلبہ ضرور مکمل ہو گا یہاں تک کہ ایک آدمی صنعا (یمن) سے حضر موت تک جائے گا تو اسے اللہ کے علاوہ کسی کا خوف نہ ہو گا اور نہ ہی اپنے جانوروں پہ بھیڑیئے کا خوف ہو گا لیکن تم لوگ جلدی کرتے ہو (اسے بخاری نے کتاب الاکراہ میں وارد کیا، **باب من اختار الضرب والقتل و الھوان علی الکفر**)۔

پس دیکھیے کہ نبی ﷺ نے پہلی امتوں کے عزیمت کی راہ اپنانے کو مدح و ستائش کی نظر سے دیکھا، جب انہوں نے اللہ کی ذات کی خاطر مکروہ پہ صبر سے کام لیا، اور انہوں نے ظاہری طور پہ کفر کرنے سے بھی انکار کر دیا تا کہ وہ اپنے آپ کو عذاب سے بچا سکیں۔ پس یہ اس شخص کے لیے حجت ہے جس نے رخصت اپنانے کی بجائے، قتل، ذلت اور آخرت کے گھر کو ترجیح دی۔ ابومحمد بن الفرج البغدادی اپنی سند کیساتھ حسن سے روایت کرتے ہیں کہ مسیلمہ کذاب لعین کے جاسوسوں نے نبی ﷺ کے دو اصحاب کو گرفتار کر لیا اور انہیں پکڑ کے مسیلمہ کے پاس لے گئے تو اس لعین ایک سے کہا کہ تو گواہی دیتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟ اس نے کہا ہاں تو اس نے اس صحابی کو چھوڑ دیا۔ اس کے بعد دوسرے سے کہنے لگا کہ تو گواہی دیتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں تو اس صحابیِ رسول نے کہا میں بہرہ ہوں مجھے تیری بات سنائی نہیں دیتی تو اس نے ان کی گردن اڑا دی۔ تو یہ دوسرے صحابی نبی ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ میں ہلاک ہو گیا آپ نے فرمایا کس چیز نے تجھے ہلاک کر دیا تو انہوں نے ساری بات بتائی تو آپ ﷺ نے فرمایا تیرے ساتھی نے عزیمت کا راستہ اختیار کیا جب کہ تو نے رخصت اختیار کی اس بات پہ جس پہ کہ تو اب ہے۔ تو وہ کہنے لگے میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو آپ نے فرمایا تو اسی بات پہ ہے جس

یہ کہ تو اب ہے (تفسیر القرطبی 188/10 ، اور اس حدیث کو السیوطی رحمہ اللہ نے الدر المنثور 133/4 میں ذکر کیا)۔

قرطبی آیات البروج کی تفسیر میں کہتے ہیں ''ہمارے علماء نے کہا کہ اللہ نے اس امت میں مومنین کو ان آیات میں یہ بتا دیا کہ ان سے قبل جن لوگوں نے مل کر ایسی بات کی وہ ان سے کتنی محبت رکھتا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس بچے کا قصہ بیان فرمایا تا کہ مومنوں کو اسلام میں پہنچنے والی اذیتوں، مشقتوں اور مصیبتوں پہ صبر کا یارا ہو اور وہ بھی اس بچے کے جیسی راہ اپنائیں جیسے کہ اس نے اپنی چھوٹی عمر میں ہونے کے باوجود دین کے غلبہ اور اسکی مصلحت اور لوگوں کے دین میں داخلے کے لیے کام کیا۔ اسی طرح اس راہب کا معاملہ ہے یہاں تک کہ اس نے حق کے ساتھ تمسک کیا حتیٰ کہ اسے آرے کے ساتھ چیر دیا گیا۔ اسی طرح ان بہت سے لوگوں کا معاملہ جب وہ ایمان لائے اور ایمان ان کے دلوں میں گھر کر گیا تو انہوں نے آگ میں ڈالے جانے پہ صبر کیا اور اپنے جاہلی دین کی طرف واپس نہ لوٹے۔ ابن العربی نے کہا کہ یہ ہمارے ہاں منسوخ ہے۔ میں کہتا ہوں کہ نہیں یہ ہمارے ہاں منسوخ نہیں ہے بلکہ ایسی اذیت پہ صبر کرنا اور اپنے دین کو مضبوط رکھنا بہتر ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ کچھ مزید صورتیں ہیں کہ جن میں دین کی مصلحت کی خاطر مومن کلمہ کفر پہ قتل اتلافِ نفس کو ترجیح دیتا ہے۔ شریعت نے ان افعال کی اور انکے کرنے والوں کی مدح کی ہے۔

۸۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر میں قتل پہ صبر کی فضیلت:

ابوبکر الجصاص، محمد بن حسن الشیبانی کا کلام ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ اس بات پہ ضروری ہے کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر میں میں بھی ایسی راہ اپنائی جائے۔ یعنی جب بھی دین میں کسی نفع کی امید ہو تو اس میں اپنے نفس کو کھپانا یہاں تک کہ قتل ہو جانا شہادت کے اعلیٰ درجات میں سے ہے۔ اللہ فرماتے ہیں (وأمـــر

بالمعروف و انه عن المنکر و اصبر علی ما اصابک ان ذالک لمن عزم الامور) نیکی کا حکم دے اور برائی سے روک اور اس میں آنے والی اذیت پہ صبر کر بے شک یہ عزیمت کے امور میں سے ہے (لقمان 17)۔عکرمہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''شہداء میں سب سے افضل حمزہ بن عبدالمطلب ہیں اور وہ شخص جس نے جابر سلطان کے سامنے کلمہ حق کہا تو اس نے اسے قتل کردیا'' (حاکم اور ضیاء نے اسے جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا اور طبرانی نے الکبیر میں اسے علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا)۔ابوسعید الخذری رضی اللہ عنہ سے روایت کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''سب سے افضل جہاد جابر سلطان کے سامنے کلمہ حق کہنا ہے'' اور ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ اپنی سند سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا '' آدمی میں سب سے بری خصلت ہے شدید لالچ اور زائل کردینے والی بزدلی'' (یہ صحیح حدیث ہے اسے ابوداود ، بخاری نے التاریخ میں ابوہریرۃ سے روایت کیا)۔پس بزدلی کی مذمت، بہادری کی مدح کو واجب کرتی ہے کہ جس میں دین کے لیے نفع ہو چاہے اس میں تلف ہونا یقین ہی کیوں نہ ہو۔واللہ اعلم۔

(احکام القرآن للجصاص 263/3 تفسیر القرطبی 364/2)

قرطبی اپنی تفسیر میں اللہ کے قول (**ان الذین یکفرون بایات اللّٰہ و یقتلون النبیین بغیر حق و یقتلون الذین یأمرون بالقسط من الناس فبشرھم بعذاب الیم**) وہ لوگ جو ہماری آیات کا انکار کرتے ہیں اور نبیوں کو بلا حق قتل کرتے ہیں اور ان لوگوں کو قتل کرتے ہیں جو انصاف کا حکم کریں تو انہیں دردناک عذاب کی بشارت سنا دیجیے (آل عمران 21) کے متعلق کہتے ہیں کہ ابن العربی نے یہ گمان کیا کہ جس منکر کے زائل ہوجانے کی امید ہو اور اس کے مقابل اپنے نفس پہ خوف ہو ضرب یا قتل کا تو اکثر علماء کے نزدیک ایسی حالت میں اقدام کرنا جائز ہے اور اگر اس میں منکر کے زوال کی امید نہ ہو تو پھر کون سا فائدہ ہے۔قرطبی کہتے ہیں کہ

میری رائے یہ ہے کہ جب انسان کی نیت خالص ہو تو وہ کیسے بھی چاہے حملہ کردے اور کوئی پرواہ نہ کرے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ اس کے خلاف ہے جسکا اجماع ابو عمر نے ذکر کیا ہے جبکہ یہ آیت امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے اقدام پہ دلالت کرتی ہے قتل کے خوف کے باوجود۔ اللہ فرماتے ہیں ''نیکی کا حکم کر، برائی سے روک اور اس پہ آنے والی مصیبت پہ صبر کر، بے شک یہ عزیمت کے امور میں سے ہے (تفسیر القرطبی 48/4)۔

ابنِ عابدین حاشیہ میں یہ ذکر کرنے کے بعد کہ قتل ہونے کے غالب امکان کے باوجود دشمن پہ حملہ آور ہونا جائز ہے، وہ کہتے ہیں ''اس کے برعکس فاسق مسلمانوں کو منکر سے منع کرنے کے مسئلہ میں جب یہ بات معلوم ہو جائے کہ وہ باز نہیں آتے بلکہ منع کرنے والے کے ساتھ قتال پہ اتر آئیں تو ایسی صورت میں اقدام پہ کوئی حرج نہیں اگرچہ اسے سکوت کی رخصت میسر ہے۔ کیونکہ جس اچھائی کا اسے حکم دیا جاتا ہے مسلمان اس کا اعتقاد رکھتے ہیں پس ضروری ہے کہ اس کا فعل بخلافِ کفار ان کے باطن میں بھی مؤثر ہو (حاشیہ ابن عابدین 222/3)۔ میں کہتا ہوں کہ یہ بھی اقدام کی ایسی مثال ہے جس کے ساتھ دین کی مصلحت یعنی امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے ساتھ موت متاکد ہے۔

۹۔ تعذیب کے دوران رازوں کی حفاظت کیلیے قتل نفس کا جواز:

یہاں ہم اللہ کے فضل سے ایک اہم صورت پیش کریں گے جس میں نفس کا اتلاف ہے اور وہ ہے قیدی کا اپنے آپ کو قتل کرنا تاکہ وہ مجاہدین کے راز دشمنوں کے سامنے افشا نہ کردے۔ بلکہ آپ دیکھیں گے کہ جس عالم نے اس کا فتویٰ دیا ہے اس نے سنتِ مطہرہ سے استدلال کیا ہے۔ وہ بچے کے قصہ والی حدیث جسے ہم نے اوپر کی سطور میں ذکر کیا ہے۔ اس لیے ہم نے یہ ذکر کیا ہے کہ علماء اس حدیث کو بہت اہم ''اصل'' شمار کرتے ہیں۔

شیخ محمد بن ابراہیم رحمہ اللہ سے بعض جزائری مجاہدین نے جنگِ آزادی کے دوران سوال کیا کہ کیا قیدی دشمن سے اپنے راز چھپانے کے لیے اپنے آپکو قتل یعنی خودکشی کرسکتا ہے؟ سوال یہ تھا کہ فرانسیسی ان دنوں جنگ میں تھے اور جب وہ کسی جزائری کو پکڑتے تو اس کو سرنج کے ذریعے کوئی دوا دیتے تھے تاکہ وہ انہیں جزائریوں کی پناہ گاہیں اور اسلحہ کے ڈمپ وغیرہ بتائے۔ پس بعض اوقات ایسے لوگ بھی قید ہوجاتے ہیں جو اکابرین میں سے ہوتے ہیں تو وہ انہیں بتاتے ہیں کہ فلاں فلاں مکان میں اسلحہ ہے وغیرہ۔ یہ سرنج بندے پہ غنودگی طاری کردیتی ہے۔ پھر اپنے مختلط کلام کے ساتھ جو کچھ بیان کرتا ہے وہ حقیقت ہوتی ہے۔تو کیا انسان کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اس سرنج سے بچنے کے لیے خودکشی کرلے اور کہے کہ میں مروں گا اور شہید ہوں گا جبکہ وہ انواع واقسام کی تعذیب دیتے ہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ مسئلہ اگر ایسا ہے جیسے کہ تم ذکر کرتے ہو تو یہ جائز ہے اور اس کی دلیل ہے(امنا برب الغلام)اور جو بعض اہلِ علم نے سفینہ والی حدیث میں کہا ہے۔لیکن اس کے ساتھ اس پہ اچھی طرح توقف بھی کرنا چاہیے کہ ایک انسان اپنے نفس کو قتل کررہا ہے اور اس کا مفسدہ اس سے بڑا ہے۔ پس محکم قاعدہ یہی ہے کہ وہ یقینی مقتول ہے(فتاوی ورسائل شیخ محمد بن ابراہیم ال الشیخ 208 فتویٰ رقم 1479)۔

میں کہتا ہوں کہ ''الشرنقات'' سے انکی مراد سرنج ہے اور یہ دوائی جسم کے اندر ڈالنے کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں اور انکا یہ کہنا کہ بعض اہلِ علم نے جو سفینہ والی حدیث کے بارے میں کہا ہے، اس سے مراد سمندر میں کشتی کے اندر آگ لگ جانے والے مسئلہ کی طرف اشارہ ہے کہ کیا ایسے موقع پہ کشتی کے سواروں کو جلنے سے بچنے کی خاطر غرق ہونے کو اختیار کرنا چاہیے اور سمندر میں کود جانا چاہیے یا نہیں؟ المدونہ میں امام مالک سے یہ روایت ہے میں نے کہا (وہ سحنون ہیں جو اپنے استاد ابن القاسم شاگردِ امام مالک سے سوال کررہے ہیں) کہ کیا جب دشمنانِ اسلام کسی کشتی کو جلادیں کہ

جس میں اہل اسلام موجود ہیں تو کیا مالک اس بات کو مکروہ جانتے ہیں کہ وہ اپنے آپ کو باہر پھینک دیں؟ کیا ایسی صورت میں وہ خود اپنے قتل پہ معاون ہوں گے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ مجھے یہ خبر پہنچی کہ امام مالک سے اس کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ ''میرے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں کہ وہ موت سے موت کی طرف ہی جا رہے ہیں''(**المدونہ للامام مالک روایۃ سحنون بن سعید25/2**)۔

ابن قدامہ کہتے ہیں کہ جب کافر کشتی میں آگ پھینکیں جس میں مسلمان سوار ہوں اور کشتی جل اٹھے اور اب انکے غالب گمان میں سلامتی نہ ہو تو ایسی صورت میں ان کو اپنے نفسوں باہر ڈال دینا بہتر ہے چاہے دونوں ہی معاملے ان کے لیے برابر ہوں۔ امام احمد کہتے ہیں کہ جیسے وہ چاہے کرے، الاوزاعی کہتے ہیں کہ وہ دونوں موتیں ہیں پس تو آسان کو اختیار کر (المغنی 487/8)۔ اس سے قبل ہم نے حافظ ابنِ کثیر کی روایت کو ذکر کیا جس میں انہوں نے چھ سو مجاہدین کا اپنی کشتی کو غرق کرنے کا واقعہ نقل کیا ہے تا کہ ان کا دشمن ان پہ فتح مند نہ ہو سکے۔ باقی شیخ محمد بن ابراہیم کا یہ کہنا کہ اس میں توقف کی ضرورت ہے اس جہت سے کہ انسان اپنے نفس کو قتل کرے جبکہ اسکا مفسدہ دوسرے سے بڑا ہے۔ پس یہ محکم قاعدہ ہے جو انکی فقہ وفہم پہ دلالت کرتا ہے یعنی جب راز افشا کرنے کا مفسدہ قتلِ نفس کے مفسدہ پہ غالب آ جائے۔

فائدہ: کیا مسلم کافر پہ غیظ لانے کے لیے اپنے نفس کو قتل کر سکتا ہے؟

شیخ حسن ایوب کہتے ہیں کہ قتلِ نفس میں اصل یہ ہے کہ وہ حرام ہے اور کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ پھر انہوں نے دلائل نقل کی ہیں۔ پھر کہا اپنے نفس کو قتل کرنے والا قیامت کے دن شدید وطویل عذاب سے دوچار ہوگا۔ ایسا قتل اللہ کی حدود کے توڑنے اور اس میں زیادتی کرنے کے مترادف ہوگا اور نفس پہ ظلمِ عظیم ہوگا جسے اللہ نے حرام کیا ہے سوائے چند شرعی اسباب کے جنہیں اللہ نے مشروع ٹھہرایا ہے۔ اس لیے اس کا فاعل اللہ کی تقدیر پہ سختی کرنے اور اس کے حکم پہ راضی نہ ہونے والوں میں

شمار ہو گا، اس لیے اس نے جلدی کرتے ہوئے اپنے نفس کو تکلیف سے بچنے کے لیے ختم کر دیا۔ پس یہ قسم تو بالکل خودکشی ہے اور اسکی حرمت میں کوئی شک نہیں۔

لیکن بعض حالات ایسے ہیں کہ ان میں مقاتل یا فدائی اپنے دشمن کے ہاتھوں گرفتار ہو جاتا ہے تو دشمن اسے طرح طرح کے عذاب سے دوچار کرتا ہے، اس کے جسم کو جلاتا ہے، یا اس کے جسم کے حصوں کو کاٹتا ہے، یا اس کے جسم کو چھت کے ساتھ لٹکاتا ہے، یا اس پہ بجلی کے جھٹکے لگاتا ہے وغیرہ۔ پس ایسے انواع کے عذاب اس دور کے کتوں کا معمول بن چکے ہیں۔ ایسے طریقے جنہیں نازیوں، کیمونسٹوں نے ایجاد کیا اور انسان نما کتوں نے انہیں نافذ کیا جن کے اندر انسانیت اور رحم نام کی کوئی چیز نہیں۔ پس کیا حکم ہے اگر انسان ان کے ہتھے چڑھ جائے تو کیا اس کے لیے جائز ہے کہ وہ خودکشی کر لے؟ اس کا جواب جو میں نصوص اور علماء کے اقوال سے لیتا ہوں بہت خطرناک ہے۔

1۔ خودکشی کو جائز قرار دینے کے لیے جب کوئی مضبوط وجہ ہو اور مسلمانوں کے ساتھ کوئی منفعت اس میں خاص ہو تو ایسی صورت میں یہ جائز ٹھہرے گی اور یہ ایسے ہے کہ کسی انسان کو تعذیب دی جائے تاکہ وہ فدائیوں کے ٹھکانے، انکے نام اور انکے منصوبے بتادے جو اسلامی لشکر نے تیار کر رکھے ہیں، یا اسلحہ کے ذخائر کے بارے میں اطلاع دے، یا ان جیسے دوسرے امور جن کا دشمن کے علم میں آجانا مسلمانوں کی عورتوں، انکے بچوں اور اولاد کے لیے خطرناک ہو، پھر ایسا آدمی یہ دیکھتا ہو کہ اس میں صبر کا یارا نہیں تو اور وہ ان رازوں کے ساتھ مضطر ہے یا یہ جانتا ہے کہ دشمن اسے کوئی سرنج وغیرہ لگائے گا جو اس پہ اثر کرے گا اور وہ غیر شعوری طور پہ اس انجیکشن کے اثر سے راز افشا کر دے گا۔

اس مسئلہ کی شہادت علماء کے ان اقوال سے ملتی ہے کہ ایک آدمی جس نے اپنے آپ کو دشمن کے آگے ڈال دیا اور وہ جانتا ہے کہ وہ قتل ہو جائے گا لیکن وہ اس عمل

میں اسلام اور مسلمانوں کے لیے خیر دیکھتا ہے۔ پس ہمیں درپیش یہ حالت اہم اور خطرناک ہیں۔

2۔ لیکن جب خودکشی اس سبب ہو کہ وہ اس بات کا یقین رکھے کہ دشمن اسے قتل کردے گا لیکن وہ بجائے اس کے اس سے پہلے مسلمانوں کو تنگی میں مبتلا کرنے کے لیے اسے تعذیب دینا شروع کردے۔ پس اگر ایسی حالت میں وہ خودکشی کر جائے تو وہ حرام ہوگی لیکن اس صورت میں وہ کبیرہ گناہوں میں شمار نہ ہوگا اور نہ ہی اس کا جواز بعید از احتمال ہوگا۔ یہاں تک کہ شیخ نے کہا......

کہ اس صحابی کے قصہ میں جو عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا اور اس نے قید ہونے سے انکار کردیا اور وہ جانتا تھا کہ اس کے اسکے انکار کے سبب دشمن اسے قتل کردے گا چاہے اس نے اپنے نفس کو خود ختم نہ کیا ہو بلکہ اس کا قاتل تو دشمن تھا۔ لیکن حقیقت واقعہ یہ ہے کہ اسطرح کے حالات میں مسلمان اپنے نفس کا قاتل شمار نہیں کیا جائے گا بلکہ اس کا دشمن ہی اس کا قاتل سمجھا جائے گا۔ کیونکہ اس کا دشمن ہی ہے جو اس پہ حاوی ہو گیا ہے، اسے تعذیب دیتا ہے اور اسے چھوڑتا بھی نہیں کہ قتل کرے۔ پس یہ میری رائے ہے اس موضوع میں کیونکہ اس مسئلہ میں کوئی نص نہیں ہے اور نہ مجھے اس میں کوئی فتویٰ ملا ہے اور ہوسکتا ہے کہ ایسا فتویٰ ہو لیکن میرے علم میں نہ ہو(**الجهاد والفدائية فی الاسلام للشيخ حسن ايوب** صفحہ 167-165)۔ میں کہتا ہوں کہ شیخ حسن ایوب کے کلام پہ مقدم شیخ محمد بن ابراہیم کا فتویٰ موجود ہے جسے ہم نے اوپر کی سطور میں ذکر کیا ہے۔

بیان اللجنة الاعلامیه بأ نصار الشریعه

2/10/2002

المسئول الاعلامی:

الشیخ احمد مسلم (حفظہ اللہ)

المسئول الشرعی:

الشیخ ابو حمزه المصری (فک اللّٰه اسره)

بیت المقدس اسرائیل کا دارالحکومت ہے؟

استشہاد کے علاوہ کوئی راستہ نہیں!

بسم اللّٰہ والحمد للّٰہ والصلاۃ والسلام علی رسول اللّٰہ ﷺ

من الموء منین رجال صدقوا ماعاھدو االلّٰہ علیہ فمنھم من قضیٰ نحبہ ومنھم من ینتظر وما بدلوا تبدیلاً

اسلام اور مسلمانوں کے خلاف امریکی اور صہیونی بغاوتوں کی کوئی حد نہیں ہے۔ مسلمانوں کے خلاف ان کے اتحاد ودشمنی کا انکار وہی شخص ہی کرسکتا ہے جسکی بصیرت کو اللہ عزوجل نے اندھا کردیا ہو۔ صہیونیوں کا غلام امریکہ مسلمانوں کے خلاف قتل وغارت گری کرنے، انکا گھیراؤ کرنے اور انکے ثروات کولوٹنے کے لیے کسی بھی چیز پر بس نہیں کرے گا۔ یہاں تک کہ گذشتہ کل ان کے ایک شقی القلب نے اعلان کیا کہ کانگریس نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ القدس اسرائیل کا دارلحکومت ہے جبکہ ڈمی پلاسٹک کے امریکی صدر کو اس بات کا علم تک نہ تھا۔ وہ صدر جو اپنا کردار صرف اس لیے ادا کر رہا ہے کیونکہ اسے صہیونیوں کی آشیر باد حاصل ہے اور وہ امتِ مسلمہ کے خلاف غارتگری کا مئوید ہے۔

لیکن عرب حکمران اپنی عادت کے مطابق اس خبر سے بھی بے بہرہ ہیں جبکہ وہ ایسی باتوں کو پہلے سے جانتے ہیں۔ اسی لیے ہر غداری اور نئے منصوبہ سے قبل وہ امن وامان کا مسئلہ کھڑا کردیتے ہیں، اس قیمت کے عوض جو وہ پہلے وصول کرچکے ہیں۔ پھر وہ اس کے بعد کے اقدامات کے لیے تیار ہوتے ہیں۔ کیونکہ اب کھائی ہوئی قیمت کے ادا کرنے کا وقت آ گیا ہے اور زندگی کی مہلت گذر چکی۔ پس مقدسات

ہاتھ سے جاتی ہیں تو چلی جائیں...... اور یہ حکمران باقی رہیں کرسیءاقتدار پر...... شریعتِ اسلامیہ کے دشمن!

پھر یہ رسوائیت پسند مشائخ اور سرکاری علماء ...... سود خور، جہنم کے وارث......اسلام اور مسلمانوں کی نصرت سے بزدلی اور کاہلی......وہ مال کھانے والے اورحکمرانوں کی وفاداری کے سبب حاصل ہوئے خزانوں کو جمع کرنے والے......انہوں نے باغیوں کے خلاف خروج کوحرام ٹھہراا دیا چاہے وہ کفرِ بواح کے ہی مرتکب کیوں نہ ہوں......لیکن انہوں نے اپنے علماء بھائیوں کوبھی رسوا کر دیا اور ظالموں کے لیے امت کی قیادت کرنے والوں کے خلاف جیلوں اورتعذیب کو مباح ٹھہرادیا۔افسوس کےساتھ وہ ابھی تک ایک سدھائے ہوئے کتے کا کردار ادا کر رہے ہیں جوصرف اپنے مالک کےحکم پر ہی بھونکتا ہےاورصرف وہی کام کرتا ہےجس کی اسے مشق کروائی گئی ہے......آہ امت کے ایسےنمائندے ہیں اور جومصائب میں اسکی ترجمانی کرتے ہیں......رسوائی وذلت کیساتھ!

اسی طرح بہت سےلوگوں نےفعلی طور پر دین اورمجاہدین کی نصرت کرنے میں سستی دکھائی جبکہ وہ خودایک دوسرے پروحشیانہ حملےکررہے ہیں اور پھروہ مجاہدین کے خلاف اپنی زبانوں کوتیزکر لیتے ہیں۔انکے کے خلاف کھلی اورخفیہ باتیں کرتے ہیں ان سے حسد کرتے ہوئے اور بہت سے دوسرے اسباب کے سبب اور ایسے وسائل کےساتھ جونہ شرعی ہیں نہ عقلی!

ایسے حالات میں اہلِ کردار قتال میں مصروف یہی جہادی جماعتیں ہیں جنہوں نے امت کےغموں کا بارِگراں اپنے کندھوں پراٹھارکھاہے......وہ اپنے دین کوپکڑے ہوئے ہیں، اپنے رب پرتوکل کیے ہوئے اوراسی کےساتھ وہ اپنے کمزور بھائیوں کی مدد میں سرگرداں ہیں...... کیونکہ اب اس کےسوااورکوئی چارہ بھی نہیں...... ایسی حالت میں جبکہ اسلامی حکومت وشریعت بھی غائب ہے......اورامت پرعجیب و

غریب قسم کے نظام مسلط ہیں...... مصائب ہیں کہ پوری امت کو اپنی لپیٹ مین لینے کے لیے منہ کھولے کھڑے ہیں۔

کچھ دوسرے ہیں جو امت پر سائے کی طرح چمٹے ہوئے اس کے سیاہ و سفید کے مالک ہیں لیکن وہ کوئی مفید کام سرانجام نہیں دے سکے اور نہ ہی کوئی نیا کارنامہ انہوں نے سر کیا ہے۔ امت ان سے تنگ آ گئی ہے اور غموں نے اسے گھیر لیا ہے اور وہ ہر طرف تھپیڑے کھا رہی ہے۔ یہ سب کچھ دجالی نغموں کے شور میں اور جلادوں کے ظلم تلے جاری ہے۔ تو امت انکی آواز کیسے سنے جبکہ اس کا خون اس کے سامنے بہ رہا ہے، اس کے اموال لوٹے جا رہے ہیں اور اس کے محل ڈھائے جا رہے ہیں۔ آج امت کے لیے دین کو سلامت رکھنا دشوار ہو گیا۔ پس اب مرتد، منافق، فاسق اور ذلت پسند خاموش ہو جائیں...... اور ہر وہ شخص خاموش ہو جائے جو شارون کی جوتیوں کے سائے میں ہمارے اوپر مسلط ہے...... کہ صبح ہونے کو ہے اور عمل و جہد کا وقت آ پہنچا ہے!

ہم نے دیکھ لیا کہ بنی صہیون کے بیوقوف کیسے غالب ہوئے وہ جو حکماء بنے بیٹھے ہیں، بنی فہدون کے علماء، قطرون، سوریون اور ازہرون...... وہ سب غلبہ پا گئے ...... جبکہ مجاہد تو قتال و جہاد میں تیز تر تھے...... ان کے لڑاکے تو زمین کے کونوں سے وہاں جمع ہو گئے...... لیکن ہمارے ''حکماء'' نے اسلام کے لشکریوں قتل کرنا شروع کر دیا اور انہیں جیلوں میں ڈال دیا...... پس اللہ نے ہمیں ایک زخم کے بعد دوسرے میں مبتلاء کیا اور آزمائشیں پہ در پہ آنے لگیں...... ایسی آزمائشیں کہ ہر آنے والی پہلی سے بڑھ کر تھی...... پس یہ کفار و فساق کے ساتھ دوستیاں لگانے کا ہی نتیجہ ہے...... یہ اس لیے کہ اللہ کی سنتِ کو نیہ کسی کے لیے نہیں بدلتی...... اگر مجاہدین کفار کے منصوبوں کے خلاف نہ کھڑے ہوتے تو ایسا صلیبی تاتاری منظر نامہ بھی سامنے نہ آتا...... ہمارے حکام اپنے پہلوں کی سنت پہ چل رہے ہیں تا کہ وہی منظر دہرائیں...... جو کبھی تاریخ

میں پہلے رونما ہوئے تھے......اس میں انہیں کوئی شرم اور کوئی حیاء نہیں!

اے صہیونیوں کی اولاد!...... ذرا صبر! ہماری تمہاری ملاقات ''جنگِ عظیم'' میں ہوا چاہتی ہے......لیکن اس میں کوئی حرج نہیں کہ اس سے قبل مجاہدین بھی قرار پکڑیں تاکہ تمہارے گنہگار و خبیث چہرے مزید بگڑ جائیں!

نقلاً عن شبكة انترنيت



المُوْمِنُوْنَ

شاعر: یوسف محی الدین ابو هلالة.

المـوء منـون هم الـذين بـدينهم يستعصمون
و هـم الـذين اذا طـمـى سيل الـردى لا يـرهبون
و علـى شبـا عـزمـاتهـم كيـد العـدا العـاتـى يهـون
و بـخيـر زادٍ لـلـذى ذرأ الـخـلائـق يـركضـون
لا يـنـحـنـون لـغـاشـم ولـمـجـرم لا يـركعـون
صـرخـاتهـم لـحـن الـخـلـود تـرن فى سمع القرون

مومن وہ ہیں جو دین کے ساتھ قرار پکڑتے ہیں
وہ ایسے ہیں کہ ظلم کا طوفان جب حد سے بڑھے تو نہیں ڈرتے
ان کے بلند عزم کے سامنے جھگڑالو دشمن کی چالیں کمزور پڑ جاتی ہیں
وہ بہترین زادِ راہ لیے مخلوقات کے خالق کی طرف لپکتے ہیں
نہ وہ کسی ظالم کے سامنے نرم ہوتے ہیں نہ ہی کسی مجرم کیلیے جھکتے ہیں
ان کی چنگھاڑ ہمیشگی کا ایسا نقارہ ہے کہ اس کی گونج صدیوں کانوں میں سنائی دیتی ہے

هـم صيـحة البـأس الشـديـد و وثبة الـمـجـد التليد
و الـنـور فـى غسق الـدجـىٰ والـنـار تلتهم القيود
و الهـاتـفـون بـأنـنـا لا نـرتـضـىٰ حـكـم الـقـرود
و اذا الثعـالـب أخـنـسـت وثبـوا كمـا تثب الاسود
فـحيـاتهـم عـطـر الـحيـاه يـفيض بـالأمل الوطيد
و مـآبهـم امـا قـضـو دار الـمـقـامة و الـخـلـود

وہ کسی گھمسان کی جنگ کا شور ہیں اور بلندی عزت کی اٹھان ہیں

وہ رات کی تاریکی میں صبح کا نور ہیں اور ایسی آگ ہیں جو پابندیوں کو خاطرِ راہ نہیں کرتی
وہ اس بات کو سناتے ہیں کہ ہم بندروں کی حکومت پہ ہرگز راضی نہیں
جب لومڑی کی طرح مکار دشمن ان کی راہ میں حائل ہوتا ہے تو وہ شیر کی مانند اس پہ جھپٹتے ہیں
ان کی زندگی مضبوط امیدوں سے عبارت ہے وہ چاہے مٹ جائیں ان کا ٹھکانہ ومقام ہمیشگی ہے

انــــی لأشهــد انهــم مــن كــل بتـــار أحــد
يـا طـالـمـا خـاضـوا الـصـعـاب و طـالما صالوا وشدوا
لــم يثــن عــزمتهــم بــلاء مــطبــق وأذى و صــدُّ
حـمـلـوا مشـاعـل ديـنهـم والـديـن تضحية وجهد
و مـضـو يـخـوضـون الـمـنـايـا كـلهـم عـزم وجدُّ
حتـىٰ أضـاء بـمـن قـضـوا منهـم بـجيد الدهر عقد

میں گواہی دیتا کہ وہ کسی بھی تیز دھار تلوار سے زیادہ سخت ہیں
اے کہ جب تلک وہ مصیبتوں کے قافلہ جاں سوز کے ہمرکاب ہیں
کوئی مصیبت و آزمائش انہیں ان کے عزمِ مصمم سے ہٹا نہیں سکتی
انہیں نے دین کی مشعلوں کو اٹھا رکھا ہے جبکہ دین عزم وجہد سے عبارت ہے
وہ اسی راہ پہ پختہ عزم اور امید یں لیے گامزن رہتے ہیں
یہاں تک کہ ان میں سے کوئی زمانوں سے باندھا عہد پورا کر کے روشن ہو جاتا ہے

فـی كـل مـعتـرك لهـم هـول كـمـوج البحر هـادر
هـزء و ا بـكـل شـديـده وفـوء ادهـم بـالذكر عـامر
يتـرا كـضـون الـى الـنـصـارع مثـل مثـلما تعدوا الضوامر
و الـطـفـل يـولـد ثـائـرا فيهـم ويـلـقـى اللّٰـه ثـائـر
و أكــفهــم كـم كبـلــت دون الاســنة البــواتــر
لــو لــم تـغـل لأورثــت مـجـد الاوائـل لـلأواخـر

ہر معرکے میں ان کا ایسا غلغلہ ہوتا ہے جیسے کوئی ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ہو
جب وہ کسی مصیبت کے ساتھ ہلائے جاتے ہیں تو ان کے دل ذکر اللہ سے آباد ہوتے ہیں
لڑائی کی طرف وہ ایسے بھاگتے ہیں جیسے کوئی چھریرے بدن والا دوڑ رہا ہو
ان کا ہر بچہ انتقام لینے کے لیے پیدا ہوتا ہے اور اسی حالت میں اللہ سے جاملتا ہے
کتنے ہی ہاتھ تھے جو تیز دھار تلواروں سے کاٹ دیے گئے
اگر ایسی خیانت نہ ہوتی تو پہلے دور کا عروج آخری دور والوں بھی حاصل ہوجاتا

ان اُطبقت سدف الظلام وعضنا نابأكول
و ديارنا طفحت دماً و مضى بها الباغي يصول
و من الميادين اختفت لمع الأسنة والصهيل
و علت على الأنات أنغام المعازف والطبول
هبت عواصهم تدك صروحه وله تقول
لن نلقى الاسياف حتى عن مرابعنا تزول

جب اندھیروں کے پردے گرا دیئے گئے اور ہمیں تازیانوں سے مارا جانے لگا
ہمارے ملک خون سے بھر گئے اور باغی اس میں اودھم مچانے لگے
اور میدانوں سے تلواروں کی چمک اور گھوڑوں کی ہنہناہٹ غائب ہوگئی
اور اس کے مقابل گانے بجانے کی آوازیں اور شور بلند ہونے لگا
تو ایسے حالات میں وہ طوفان بن کر نافرمانی کے محلات کو یہ کہ کے گرادیتے ہیں
ہم اپنی تلواریں نہ روکیں گے جب تلک ہماری زمین سے یہ طغیان رفع نہ ہوجائے

"كابول" اذا أسرت وأدمىٰ زندها قيد ورقٌ
بروا بها وسواهم خانوا امومتها وعقوا
و بساحها زرعوا الجهاد وللخلاص الدرب شقوا
و هم الذين بنارهم دقت من "السادات" عنق

و تساقطوا مطراً علی ظمیٰ تکابدہ "دمشق"
هم للخلود وللفناء جمیع من ذلوا لیبقوا

جب کابل قید میں چلا گیا اور اس کی قید لمبی ہوگئی اور اس کا خون بہنے لگا
تو یہی لوگ اس کے ساتھ نیکی کے لیے نکلے جبکہ باقی لوگوں اس سے الگ تھلگ ہی رہے
پھر اس کے میدان میں انہوں نے جہاد کا بیج بویا اور اخلاص کے ساتھ اسے جاری رکھا
یہ وہی لوگ ہیں جن کی آگ کے سبب "سادات" کی گردن کاٹ دی گئی
وروہ بارش بن کے برسے جبکہ دمشق تکالیف برداشت کر رہا تھا
وہ تو ہمیشگی اور فنا کے لیے ہیں ان کے سامنے جو جینے کے لیے ذلیل ہیں

شتان شتان ما بین الذین لربهم باعوا لنفوسا
الباسمین الی الردی والسیف یرمقهم عبوساً
الناصبین صدورهم من دون دعوتهم تروساً
و الراقدین علی الهوان یدوسهم "عیسیٰ وموسیٰ"
الجارعین الی الثمالة من ید الخص الکوء و سا
الخانعین بذلة لل "بطل" بجنون الرء ووساً

بہت بعد وفرق ہے ان لوگوں کا جنہوں نے اپنے رب کے ہاں جانوں کو بیچ دیا ہو
وہ لڑائی کی طرف مسکراتے ہوئے بڑھتے ہیں جبکہ تلوار انکی تیوری پہ اتر رہی ہوتی ہے
وہ ایسے لوگ ہیں ک دعوتِ دین کے دفاع کی خاطر، سینوں کو ڈھال بنائے ہوئے ہیں
بڑا فرق ہے ان کا جو ذلت پہ راضی ہیں کہ عیسائی و یہودی ان کیساتھ مکر و حیلہ کر رہے ہیں
ذلت کے اس زہرِ قاتل کو وہ محتاج ہاتھوں سے گھونٹ گھونٹ پیالوں میں پیتے جاتے ہیں
اسی دھن میں سوار وہ باطل کے سامنے ذلیل ہو کر جھکتے اور انکساری کرتے جاتے ہیں

آپ کن میں سے ہیں؟ فیصلہ خود کیجیے!

عن ابی ابکرۃ رضی اللّٰہ عنہ قال ۔ قال رسول اللّٰہ ﷺ ینزل ناس من امتی بغائط یسمونہ البصرۃ، عند نھر یقال لہ دجلہ، یکون علیہ جسر یکثر اھلھا وتکون من امصار المسلمین، فاذا کان فی آخر الزمان، جآء بنو قنطورآء عراض الوجوہ صغار الاعین حتی ینزلوا علی شط النھر فیتفرق اھلھا ثلاث فرق۔ فرقۃ یأخذون اذناب البقر والبریۃ وھلکوا وفرقۃ یأخذون لانفسھم وکفروا وفرقۃ یجعلون ذراریھم خلف ظھورھم ویقاتلونھم وھم الشھدآء۔

ابی بکرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت کے کچھ لوگ ایک ایسے علاقے میں اتریں گے جسے بصرہ کہا جائے گا اور یہ علاقہ ایک دریا کے قریب ہوگا جسے دجلہ کہا جائے گا اور اس دریا پہ ایک پل ہوگا جس کے ساتھ مسلمان شہروں کے بہت سے لوگ ہوں گے۔ پھر جب آخری زمانہ آئے گا تو رومی (بنوقنطورا) پھیلے ہوئے چہروں اور چھوٹی آنکھوں والے آئیں گے تو وہ دریا کے کنارے اتریں گے تو اس علاقے کے لوگ تین گروہوں میں تقسیم ہو جائیں گے۔ ایک فرقہ بیلوں کی دموں کو پکڑے زمین سے چمٹ جائے گا، یہ لوگ ہلاکت میں پڑ گئے اور ایک گروہ اپنے مفادات کے چکر میں پڑ جائے گا یہ لوگ کفر کے مرتکب ہوں گے اور ایک گروہ اپنی اولادوں کو پیچھے چھوڑ جائے گا اور ان دشمنوں سے قتال کرے گا یہی لوگ شہداء ہوں گے۔

۞ اسے روایت کیا ابوداود (168/6) اور ابنِ کثیر نے النہایہ فی الفتن والملاحم رصفحہ (79) شیخ

الاسلام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا اور کہا کہ امام احمد نے اس حدیث پہ اعتماد کیا ہے اور البانی رحمہ اللہ نے اسے حسن کہا ہے ﴾

انٹرنیٹ ایڈیشن:
بتعاون: مسلم ورلڈ ڈیٹا پروسیسنگ پاکستان
Website : http://www.muwahideen.tk
Email : info@muwahideen.tk

فدائی حملہ یا خودکشی !....... یہ فطری بات ہے کہ جب کوئی کسی چیز کا جاننے والا نہیں ہوتا تو وہ اسے تسلیم نہیں کرتا۔ فدائی حملہ بھی اس زمانے کے لوگوں کے لیے بالکل ایک نئی چیز تھا کہ جس کی شرعی حیثیت پہ سوالیہ انگلیوں کا اٹھایا جانا بالکل درست تھا؟ کہ مسلمان کسی بھی عمل کو نہیں اپناتا جب تک اسے اس کا شرعی جواز معلوم نہ ہو جائے۔ اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے کہ اردو دان طبقہ میں کوئی قابلِ ذکر کتاب اس موضوع پہ موجود نہیں جو عامۃ الناس کو اس سوال کا جواب دے سکے، ہم نے اس موضوع پر جید عرب علماء کے مقالات وفتاویٰ کو جمع کر کے ایک کتابی شکل میں شائع کر دیا۔ بہت سے سوال مثلاً یہ کہ فدائی خودکشی کا مرتکب ہے یا کہ شہید؟ فدائی حملہ کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ کن حالات میں اور کن شروط کے تحت اس کا کیا جانا جائز ہے؟ اس کا جواز عام ہے یا کہ خاص کسی ضرورت کے مطابق ہے؟ کیا کوئی انفرادی طور پہ ایسا کر سکتا ہے یا نہیں؟۔ یہ کتاب فدائی حملہ سے متعلق اذہان میں اٹھنے والے بہت سے سوالات کا قرآن وسنت کی روشنی میں مسکت جواب دے گی (انشاءاللہ)

